اشعارِ غالبؔ کی نہایت آسان فہم شرح

شارح : سید غضنفر علی غضنفر

PDF & Title By : Ghulam Mustafa Daaim

اشعارِ غالبؔ کی نہایت آسان فہم شرح

شارح : سید غضنفر علی غضنفر

PDF & Title By : Ghulam Mustafa Daaim

شرح دیوانِ غالبؔ

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا | ۱ | کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ | ۲ | صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہئے | ۳ | سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی دامِ شنیدن جسقدر چاہے بچھائے | ۴ | مدّعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

بسکہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
۵ —
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

۱- منجملہ دیگر صفات کے مرزا صاحب کی بلاغت اور طرزِ بیان کی جدت بھی ایسی صفات ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کو اکثر شعرا سے ممتاز بنا دیا - اس شعر میں یہ دونو خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں - شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ جملہ مخلوق اپنی بے ثباتی پر فریاد کر رہی ہے -
تشریح :- نقش سے مراد ہے مخلوق - کس کی شوخیٔ تحریر کا - یعنی نقاش کی تحریر کا - شوخیٔ تحریر سے مراد ہے زندگی کی بے ثباتی - پہلے مصرع کا مطلب یہ ہؤا کہ موجوداتِ عالم نقاش (خداوند تعالیٰ) کی فریادی ہے - اس لئے کہ اس نے ایسی ناپائیدار زندگی بخشی + کاغذی ہے پیرہن - ایران میں دستور تھا کہ فریادی دربار میں کاغذ کا لباس پہنکر جاتا تھا - لفظی طور پر پہلے مصرعہ میں لفظ فریادی کی رعایت ہے معنوی حیثیت سے مراد بے ثباتی ہے - کیونکہ کاغذ کا بنا ہؤا لباس بہت جلد پھٹ جائیگا اور فنا ہو جائے گا -

(ایم فرمان علی پبلشر نے پی - آر - بی - الیکٹرک پریس انار کلی لاہور سے چھپوا کر موہن لال روڈ لاہور سے شائع کیا)

ہر پیکرِ تصویر سے مراد ہے دُنیا کی ہر ایک چیز۔ مطلب یہ ہُوا کہ دُنیا کی ہر ایک چیز بہت جلد فنا ہونے والی ہے۔ اس لئے وہ فریادی ہے نقاش کی۔ مرزا صاحب نے جس خوبی سے ایک نہایت پاکیزہ خیال کو نہایت پاکیزہ الفاظ میں ادا کیا ہے اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے

۲۔ کاوکاوِ۔ کاوشں + مطلب:۔ چونکہ میں سخت جان ہوں اور سخت سے سخت تکلیفوں میں بھی مجھے موت نہیں آتی اس لئے شبِ فرقت کی کاہشیں مجھے برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اور وہ کاہشیں ایسی سخت ہیں کہ میں انہیں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھسے نہ پوچھ۔ بس اتنا اشارہ کافی ہے۔ کہ تنہائی میں شام کا صبح کرنا یعنی شبِ فرقت کا کاٹنا ایسا ہی دُشوار ہے جیسا کہ فرہاد کے لئے جوئے شیر کا لانا تھا۔ کہتے ہیں شیریں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے فرہاد نے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر جاری کی تھی +

۳۔ میرے شوق (عشق) بے اختیار جذبہ کا یہ اثر ہے کہ اُس نے قاتل کی شمشیر کے دم (آب) کو سینہ سے باہر کھینچ لیا ہے۔ آبِ شمشیر ہمیشہ شمشیر کے اگلے بیرونی حصّہ پر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے عشق کا جذبہ بے جان چیزوں مثلاً شمشیر پر بھی ایسا اثر رکھتا ہے +

۴۔ آگہی کے معنی ہیں عقل وفہم۔ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی عقل وفہم میرے اشعار کے سمجھنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کرے۔ مگر ان کا پُورا مطلب سمجھنے سے قاصر رہے گی + عنقا۔ ایک فرضی پرندہ ہے +

۵۔ آتش زیر پا۔ فارسی محاورہ مطلب بیچین اور بیقرار ہونا + مُوئے آتش دیدہ۔ وہ بال جس کو آگ پر رکھا گیا ہو۔ بال کو آگ پر رکھنے سے بال کچھ عرصے تک بل کھاتا رہتا ہے شعر کے معنی یہ ہوئے کہ میں اسیری میں بھی اتنا بیچین اور بیقرار ہوں کہ میری بیقراری کی وجہ سے میری زنجیر کا حلقہ بھی نرم ہو کر موئے آتش دیدہ کی مانند ہو گیا +

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار	۱	صحرا مگر بہ تنگیٔ چشمِ حسود تھا
آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست	۲	ظاہر ہُوا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ	۳	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سُود تھا
لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز	۴	لیکن یہی کہ رفت گیا اور بُود تھا
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی	۵	میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا ۶

۱۔ یہ شعر طنزیہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ قیس کے سوا جنونِ عشق کے ہاتھوں کوئی شخص بھی صحرانورد نہ ہُوا۔ گیا صحرا بھی حاسدوں کی آنکھ کی طرح تنگ تھا۔ یعنی اس میں قیس کے سوا اور کسی کیلئے گنجائش ہی نہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق صادق ہونا بہت مشکل ہے۔

۲۔ سویدائے (دل) دل کا کالا دھبہ۔ شاعر فرماتے ہیں کہ میری پریشانیٔ دل نے میرے دل پر کالا دھبہ پیدا کیا۔ اس سے ظاہر ہُوا کہ میرے (دل کی آہوں کے) دھوئیں سے میرے دل پر داغ ہو گیا۔ آشفتگی اور دھوئیں کی رعایت ملاحظہ ہو دھواں بھی آشفتہ ہوتا ہے۔

۳۔ خواب سے مراد ہے خوابِ زندگی۔ غالب صاحب فرماتے ہیں کہ میرا خیال زندگی میں بھی تجھ سے وابستہ تھا۔ اور اسی لئے کبھی جُدائی کے صدمے اُٹھاتا تھا اور کبھی وصل کے وعدوں پر خوش ہوتا تھا جب خوابِ زندگی ختم ہُوا تو مرنے کے بعد نہ ہجر کا غم ہے نہ وصل کی خوشی۔

۴۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے آپ سے انتہائی بے خبری اور اپنی بیخودی کا اظہار کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ مجھے اپنے دل جیسے عزیز چیز کے جانے کا بھی اب نہایت معمولی سا غم ہے صرف یہ مجھے ابتک یاد ہے کہ میرے پاس دل تھا اور چلا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے دل کے جانے کا کوئی خاص غم نہیں جیسے کہ مبتدی صرف یہ یاد کر لیتے ہیں کہ "رفت" کے معنی گیا۔ اور "بود"

کے معنی تھا۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رفت اور بود میں کونسا زمانہ پایا جاتا ہے اور کن مصدروں سے حاصل ہوئے ہیں ٭

۵۔ اس شعر میں کسرِ نفسی ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں میں اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود تمام عمر اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے بنی نوع انسان کے لئے بے عزتی اور بدنامی کا سبب رہا۔ ہر لباس سے مراد ہر ایک حالت میں۔ لباس کے لفظی معنی بھی درست ہو سکتے ہیں یعنی زندگی میں کوئی لباس بھی میرے عیبوں کو نہ ڈھانپ سکا۔ مرنے کے بعد کفن ہی میرے عیبوں کو چھپا سکا ٭

۶۔ پہلے مرزا صاحب اسدؔ تخلّص فرماتے تھے۔ اس شعر میں فرہاد کوہ کن پر چوٹ کی گئی ہے۔ فرہاد نے جب شیریں کی وفات کی خبر سُنی تو تیشہ سے سر پھوڑ کر مر گیا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فرہاد کا عشق کامل نہیں ہوا تھا۔ کامل ہوتا تو تیشے کی ضرورت نہ ہوتی۔ خبر سُنتے ہی غم سے مر جاتا۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی رسم و رواج سے پوری نجات حاصل نہ کر سکا تھا اور عشق کامل نہ ہوا تھا۔ خمار اس حالت کو کہتے ہیں جب نشے کا اُتار شروع ہوتا ہے ٭

(۳)

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا ۱ دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مُدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا ۲ درد کی دوا پائی دردِ بے دوا پایا

دوستدارِ دشمن ہے اعتمادِ دلِ معلوم ۳ آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

سادگی و پُرکاری بیخودی و ہشیاری ۴ حُسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل ۵ خوں کیا ہُوا دیکھا، گم کیا ہُوا پایا

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی ۶ ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
۷
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

۱۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے معشوق کی طفلانہ شوخی اور سادگی دونو کا اظہار فرمایا ہے شوخی اس لئے کہ بچے کوئی چیز شرارت سے اُٹھا یا چُرا لیتے ہیں ۔ اور سادگی اسلئے کہ وہ اسکا اظہار اس طور پر کر دیتے ہیں کہ اگر ہمیں تمہاری چیز پاؤ . تو ہم نہ دینگے ۔ مرزا صاحب معشوق سے فرماتے ہیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر ہم نے دل پڑا پایا تو ہم نہ دینگے ۔ تو آپ کے اس کہنے سے ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ۔ یعنی ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہمارا دل لازماً آپ نے ہی چُرایا ہے ۔ ہمارے پاس تو دل ہی نہیں ۔ آپ چوری کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے پڑا پایا تو ہم نہ دینگے ؛

۲ ۔ صرف عشق کی بدولت ہی طبیعت نے زندگی کا مزا حاصل کیا ۔ کیونکہ عشق سے دیگر تمام غمہائے روزگار فراموش ہو گئے ۔ صرف عشق ہی کا درد (غم) رہ گیا ۔ لیکن یہ ایسا درد ہے جو لا دوا اور لا علاج ہے ؛

۳ ۔ اس شعر میں نزاکتِ تخیّل ملاحظہ ہو ۔ فرماتے ہیں میرا دل میرے دشمن (معشوق) کا دوست ہو گیا ۔ اسلئے مجھے دل پر اعتماد نہیں رہا ۔ دوسرے مصرعہ میں اس کا ثبوت دیا ہے ۔ فرماتے ہیں چونکہ دل میرا ساتھی نہیں ہے اس لئے میری آہ بے اثر اور میرا نالہ نارسا ہے ۔ جب تک دل سے آہ و نالہ نہ کیا جائے اثر کہاں ؛

۴ ۔ یہ شعر بھی بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ پرکاری بمعنی عیّاری ؛ شعر کا مطلب ہے کہ حسن یعنی معشوق سادگی میں بہت عیّار ہے اور بیخودی میں بہت ہوشیار ۔ اس کی سادگی اور بے خودی محض عاشقوں کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے ۔ ورنہ درحقیقت معشوق بہت چالاک اور ہوشیار ہوتا ہے ؛

۵ ۔ طرزِ ادا کی جدّت ملاحظہ ہو ۔ فرماتے ہیں بہار آگئی اور غنچہ کھلنے لگا ۔ مگر یہ غنچہ نہیں ہے درحقیقت یہ ہمارا دل ہے جو آنسو بن کر بہ گیا تھا ؛

۶ ۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنے دل کا کچھ حال معلوم نہیں صرف اس قدر جانتے ہیں

کہ ہمارے پاس نہیں اور ہم اُسے بارہا ڈھونڈتے ہیں ۔ اور تمہارے پاس ہر وقت موجود ہے ۔ تم اُسے بارہا پاتے ہو ۔

۷ ۔ ناصح کی نصیحت نے میرے زخمِ دل پر نمک چھڑکا ۔ یعنی میرے دل کو بہت زیادہ تکلیف دی ۔ حضرت ناصح سے کوئی پوچھے کہ اُنہیں کیا مزہ ملا ۔ یعنی کیا حاصل ہوا ۔

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا	۱	آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں	۲	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا	۳	میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا
عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں	۴	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار	۵	اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
۶ دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

۱ ۔ میرا دل سوزِ نہاں سے بے پروائی کے ساتھ جل گیا ۔ مطلب یہ کہ اُس کو جلتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا ۔ گویا آتشِ خاموش کی مانند جل گیا ۔ آتشِ خاموش وہ آگ جس میں شعلہ نہ اُٹھے ۔

۲ ۔ مطلب یہ کہ میرے دل میں عشق کی ایسی آگ بھڑکی کہ اُس نے دل کے ساتھ ذوقِ وصل اور یادِ یار کو بھی بھلا دیا ۔ انتہائے مایوسی میں کوئی امید نہیں رہتی ۔

۳ ۔ عنقا ایک معدوم پرندہ ہے ۔ شاعر صاحب فرماتے ہیں کہ اب تو میں عشقِ حقیقی میں سرحدِ عدم کو بھی عبور کر چکا ہوں ۔ لیکن جب میں سرحدِ عدم میں تھا جہاں عنقا بھی تھا تو اے غافل جو میری آہ کو بے اثر سمجھتا ہے تجھے جاننا چاہئے کہ میری آہ کے اثر سے کئی بار عنقا کا بازو بھی جل گیا ۔

۴- جوہرِ اندیشہ - فکر کا جوہر یعنی کلام ؛ میں اپنے کلام کی گرمی کا بیان کہاں جا کر کروں کیونکہ اس میں اتنی گرمی ہے کہ اُس کے ذکر سے بھی آگ لگ جائے گی - اور بہت سی جانیں ضائع ہو جائیں گی - اس خیال سے میں نے صحرا میں جا کر اپنے کلام کی گرمی بیان کرنا چاہا لیکن یہ خیال آتے ہی صحرا میں آگ لگ گئی ؛

۵- معشوق سے خطاب ہے کہ میرے پاس اب دل نہیں وہ تو آتشِ عشق سے جل چُکا ورنہ تجھے داغوں کی بہار دکھاتا یعنی میرے دل پر بہت سے داغ تھے - اب یہ کچھ داغ جو جا[illegible] دل کے قریب رہ گئے ہیں ان کا کیا کروں جب کارفرما (دل) ہی جل گیا مطلب یہ کہ اب بہت تھوڑے داغ موجود ہیں اور تو ان سے محظوظ نہیں ہو سکتا - چراغاں - بہت سے چراغ جو کسی حاکم کی تخت نشینی یا کسی اور تقریب پر روشن کئے جاتے ہیں ؛

۶- اہلِ دُنیا کی منافقت نے میرے دل کو جلا دیا یعنی دُنیا والے ظاہر میں تو میرے دوست بنے ہوئے ہیں اور باطن میں مجھ سے حسد کرتے ہیں - ان کے اس روّیہ سے میرے دل پر بُرا اثر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہنسی مذاق کروں بلکہ افسردہ رہنا چاہتا ہوں ؛

(۵)

۱ شوقِ ہر رنگ رقیبِ سروساماں نکلا — قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

۲ زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب — تیر بھی سینۂ بسمل سے پُر افشاں نکلا

۳ بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل — جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

۴ دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذّتِ درد — کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

۵ ہے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند — سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

۶ دل میں پھر گریہ نے اک شور اُٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

۱۔ شوقِ عشق ۔ ہر رنگ یعنی ہر حال ۔ مطلب یہ کہ عشق ہر حال میں سروسامانِ دنیاوی
کا دشمن نکلا۔ یہانتک کہ قیس تصویر کے پردے میں بھی عُریاں رہا۔ ظاہر ہے کہ جنونِ عشق
سامانِ دُنیا کا دشمن ہے۔ عشاق کو جنونِ عشق میں سوائے معشوق کے اور کسی چیز سے
واسطہ نہیں رہتا۔ خصوصاً قیس جو مجنوں ہو گیا تھا اور دیوانے عُریاں رہا ہی کرتے
ہیں۔ غالب صاحب نے تصویر کو ایک پردہ قرار دے کر پردے میں بھی قیس کی عُریانی
ظاہر فرمائی ہے ۔

۲۔ فرماتے ہیں زخم نے تنگیٔ دل کو دُور نہ کیا۔ اور تیر بھی سینۂ بسمل سے قطع تعلق کر کے
یعنی گھبرا کر باہر نکل آیا۔ پر افشاندن کے معنی قطع تعلق کرنا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ تیر کا
زخم تنگیٔ دل کو دُور نہ کر سکا۔ یعنی دل کو کشادہ نہ کر سکا اسلئے خود تیر بھی سینۂ بسمل سے قطع
تعلق کر کے باہر نکل آیا۔ تیر نے اس وجہ سے قطع تعلق کیا کہ وہ تنگیٔ دل سے گھبرا گیا
اس شعر میں زخمِ تیر کی توہین ہے کہ وہ تنگیٔ دل کو دُور نہ کر سکا ۔

۳۔ اس شعر میں معشوق کا سخت ظالم اور بیوفا ہونا ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک
میں ہی تیرے ظلم اور بیوفائی کا شکار نہیں ہوں بلکہ بیجان چیزیں بھی جن کا تعلق تجھ سے
اور تیری محفل سے ہوتا ہے تیرے ظلم سے پریشان ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ بوئے گل نالۂ
دل اور چراغ کا دھواں فطرتی طور پر پریشان ہونے والی چیزیں ہیں۔ غالب صاحب
ان کی پریشانی کا باعث معشوق کی بیوفائی اور جفا قرار دیتے ہیں ۔

۴۔ مائدہ یعنی دسترخوان۔ لذتِ درد یعنی لذتِ عشق یہاں داستانِ عشق یعنی سخن
عشق سے مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا حسرت زدہ دل شاعری کے (انواع و اقسام
کے کھانے) جذبات کا دسترخوان تھا۔ یاروں کو یعنی میرے دوستوں کو اور شاگردوں کو
ان کی قابلیت اور شوق کے مطابق مل گیا۔ یعنی ہر ایک نے اپنی استطاعت اور ذوق
کے مطابق حاصل کر لیا۔ کام اور لب و دنداں کی رعایت ملاحظہ ہو ۔

۵۔ میری دشوار پسند طبیعت کیلئے درسِ فنا حاصل کرنا ایک نہایت معمولی سی بات ہے۔ میرے لئے بڑی مشکل ہے کہ ایسا سخت کام بھی میرے لئے بہت آسان ہے۔

۶۔ غالب صاحب فرماتے ہیں کہ پھر گریہ کا جوش اُٹھا۔ اور پہلے گریہ کو ضبط کرنے سے جو آنسو کا قطرہ رہ گیا تھا وہ طوفان کے برابر نکلا۔ قاعدہ ہے جب انسان گریہ کو ضبط کرتا ہے تو اُس وقت تو گریہ پر قابو پا لیتا ہے۔ مگر کچھ عرصے بعد پھر گریہ کا طوفان سا اُٹھتا ہے اور انسان زار و قطار گریہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

(۶)

۱ دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا | عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا
۲ تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا | اُڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا
۳ تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں | مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا
۴ دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب | اس رہگذر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا
۵ جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی | دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
۶ احباب چارہ سازئ وحشت نہ کر سکے | زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدؔ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۱۔ اغلباً فرہاد پر چوٹ ہے۔ فرماتے ہیں عشق کی ایک ہی دھمکی میں مر گیا یعنی شیریں کی وفات کی خبر سنتے ہی اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ معلوم ہوا عشق سے لڑائی کے قابل نہ تھا۔ دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ عشق جس کا پیشہ لڑنا ہے ہم جیسے مرد کا طلبگار تھا جو کارزارِ عشق کی ہر ایک تکلیف کو صبر کے ساتھ جھیل سکتے ہیں۔

۲۔ اس شعر میں حقیقت بیان کی گئی ہے۔ فطرتی بات ہے کہ زندگی میں انسان کو موت کا خوف دامنگیر رہتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ موت سے پہلے بھی میرا

رنگ موت کے خوف کے سبب سے زرد تھا ✦

۳- میں ابھی وفاداری کے نسخے جمع ہی کر رہا تھا۔ یعنی وفاداری کے اسلوب پر غور کر رہا تھا اور میرا خیال ابھی اُس کے ہر ایک پہلو کو جانچ رہا تھا کہ (معشوق نے مجھ سے بے وفائی جتانی شروع کر دی یا موت نے آ دبایا)

۴- اب دل سے جگر تک کا رہگذر خونی دریا کا ساحل بنا ہوا ہے اور پہلے اس رہگذر کے آگے جلوۂ گل بھی ہیچ تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ پہلے ہم خوش و خرّم اور شگفتہ مزاج رہتے تھے۔ اب ناداری یا مرضِ عشق کے ہاتھوں افسردہ و پژمردہ رہتے ہیں ✦

۵- مطلب یہ ہے کہ اندوہ عشق کی کشمکش تمام عمر دُور نہیں ہو سکتی۔ دل جانے سے پہلے بھی غم عشق رہتا تھا۔ اب دل جانے کے بعد دل کے جانے کا بھی درد (غم) ہو گیا ✦

۶- دوست میرے جنون کا علاج نہ کر سکے۔ کیونکہ جب اُنہوں نے مجھے دیوانہ سمجھ کر زندان میں بھیجدیا تب قید خانہ میں بھی میرا خیال بیابان میں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ خیال پر قابو پانا ناممکن ہے اسلئے میرا علاج ناممکن ہے۔ مجھے زندان میں بیفائدہ بھیجا گیا ✦

۷- فرماتے ہیں کہ میری لاش بے کفن رہی۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ کفن میسّر نہ آیا بلکہ چونکہ میں زندگی میں آزاد تھا اس لئے مرنے کے بعد بھی مجھے آزادی پسند ہے اور قید کفن سے آزاد ہوں ✦

(۷)

تماشائے بیک کف بُردن صد دل پسند آیا	۱	شمارِ سبحہ مرغوب بتِ مشکل پسند آیا
کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا	۲	بہ فیض بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے
کہ اندازِ بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا	۳	ہوائے سیرِ گل آئینہ بے مہریٔ قاتل
مبارکباد اسدؔ غمخوارِ جاں دردمند آیا	۴	جراحت تحفۂ الماس ارمغاں داغ جگر ہدیہ

۱۔ اس شعر میں بالکل انوکھا خیال ہے۔ فرماتے ہیں بُت مشکل پسند کو تسبیح (جو سَو دانوں کی ہوتی ہے) پڑھنا پسند آیا۔ مگر (اس صورت سے نہیں جیسا کہ عام طور پر ایک ایک دانہ کر کے پڑھتے ہیں) چونکہ مشکل پسند ہے اس لئے ایک دفعہ مٹھی میں سو دل دبا لینا ہے (تسبیح کے دانے اور دل کی مشابہت ملاحظہ ہو) مطلب یہ کہ معشوق کی تسبیح میں دانوں کی بجائے دل ہیں +

۲۔ اس شعر میں انسانی زندگی کا ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں مبدلی یعنی نا امیدی کے فیض سے ہمیشہ کی نا امیدی حاصل ہو گئی اور ہماری مشکل آسان ہو گئی کیونکہ جب امید نہیں رہتی تو انسان تلاش اور کوشش نہیں کرتا۔ دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ ہماری مشکل اس وجہ سے آسان ہوئی کہ کشائش نے ہمارا عقدہ کھولنے کے لئے پسند کیا۔ قاعدہ ہے کہ اہلِ ہنر سب سے مشکل کام پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے +

۳۔ پھولوں کی سیر کی خواہش قاتل کی سنگدلی اور بے وفائی کا آئینہ (ثبوت) ہے کیونکہ اُسے زخمیوں کا خون میں لوٹتا ہوا دیکھنا پسند ہے۔ مطلب یہ کہ معشوق کو باغ میں ہوا سے گردش کرنے والے سُرخ پھولوں کی سیر کی خواہش اس لئے کہ وہ زخمیوں کو خون میں لوٹتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے +

۴۔ اے اسدؔ مبارک ہو تیری دردمند جان کا غم خوار یعنی عشق تیرے پاس زخمِ الماس اور دماغ جگر کے تحفے لے کر آیا۔ مبارکباد اس وجہ سے کہ غمِ عشق اور تمام غموں کو فراموش کر دیتا ہے۔ غم خوار معنی دوست بھی درست ہے۔ لیکن یہاں پر لفظی معنی نہایت لطف دیتے ہیں کیونکہ عشق دوسرے سب غموں کو کھا جاتا ہے (الماس زخم کے کاٹنے اور گہرا کرنے کے لئے) +

(۸)

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا ۱ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا ۲ یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں ۳ وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
دل گذرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی ۴ گر نفس جادۂ سر منزلِ تقویٰ نہ ہوا
ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی ۵ گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا
کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے ۶ ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسےٰ نہ ہوا

۱- مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے وفاداری کرکے کوئی شخص تسلی اور اطمینان حاصل نہیں کرسکتا۔ وفا کا لفظ بے معنی سا ہے یعنی بے کار اور بے فائدہ ہے۔ مرزا صاحب کا مطلب ہے کہ اہلِ دنیا وفا کے بدلے میں جفا اور ظلم کرتے ہیں ؛

۲- زمرد سبز رنگ کا پتھر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ زمرد دیکھ کر سانپ اندھا ہو جایا کرتا ہے۔ زمرد کو صرف سبز رنگ ہونے کی وجہ سے سبزۂ خط سے تشبیہ کیا گیا ہے۔ اور کاکل کو افعی سے مطلب یہ ہے کہ تیرے کاکل سرکش کا افعی تیرے سبزۂ خط کے زمرد سے بھی مغلوب نہ ہوا۔ کیونکہ سبزۂ خط ہی کاکل کے نیچے دبا رہتا ہے ؛

۳- میں نے چاہا تھا کہ اُس ستمگر کو اپنے مرنے پر رضامند کرلوں تاکہ وفاء عشق کی کشاکش اور مصائب سے چھوٹ جاؤں لیکن اُس نے مجھے مرنے کی بھی اجازت نہ دی۔ کیونکہ اگر میں مرجاؤں تو وہ مشقِ جفا کس پر کرے اور مجھ سا وفادار عاشق کہاں سے لائے ؛

۴- اگر سانس پرہیزگاری کی منزل کا راستہ نہ بن سکا تو نہ سہی۔ میرا دل مے وساغر

کے خیال کا گذر گاہ ہی - مرزا صاحب کی نگاہ میں پرہیزگاری اور رندی میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا - غالباً مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو مردم آزار نہ ہونا چاہئے - رند ہونا کچھ ایسا گناہ نہیں ٭

۵ میں اس ناکامیابی میں بھی خوش ہوں کہ تجھ سے وصل کا وعدہ لینے میں کامیاب ہوا - اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے کانوں کو تیرے تسلّی بخش وعدہ کی آواز کا احسان نہ اٹھانا پڑا - (شعر کے مضمون سے مرزا صاحب کا غیور طبع ہونا ظاہر ہوتا ہے) ٭

۶ ہم ایسے بدقسمت ہیں کہ ہماری کوئی بھی خواہش پوری نہیں ہوتی - ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں لیکن موت بھی نہ آئی - دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے ہم چاہتے تھے کہ مرنے کے بعد خدا سے اپنی محرومیٔ قسمت کی شکایت کریں کیونکہ دنیا میں تو کوئی بھی ہمارا غم خوار ثابت نہیں ہوا - لیکن موت بھی نہیں آتی ٭

۷ حضرت عیسیٰ کا معجزہ تھا کہ "خدا کے حکم سے کھڑا ہو جا" کہکر بیماروں کو شفا اور مُردوں کو زندگی بخشتے تھے - غالب فرماتے ہیں کہ میں اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ حضرت عیسےٰ کے لبوں کی ایک حرکت کے صدمہ سے ہی مرگیا اور انکے سانس کی بھی تاب نہ لا سکا ٭

(۹)

۱ ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا	وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا
۲ بیاں کیا کیجئے بیدادِ کاوشہائے مژگاں کا	کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا
۳ نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو	لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا
۴ دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے	مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا
۵ کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے	کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا
۶ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی	ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا
۷ اُگا ہے گھر میں ہرسو سبزہ ویرانی تماشا کر	مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں ۸ چراغِ مُردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

ہنوز اِک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے ۹ دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

بغل میں غیر کی آج آپ ہوتے ہیں کہیں ورنہ ۱۰ سبب کیا خواب میں آکر تبسّم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا ۱۱ قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالبؔ
۱۲ کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

۱- زاہد جس بہشت کی اس قدر تعریف کرتا ہے ہم بیخودوں کے خیال میں اُس کی اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ طاق پر رکھ کر بھولے ہوئے گلدستے کی انسان عام طور پر ایسی چیزوں کو رکھ کر بھول جاتا ہے جو اُس کی نگاہ میں کم وقعت ہوتی ہیں۔ طاقِ نسیاں وہ طاق جس میں کوئی چیز رکھ کر بھول جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم بیخودوں کا گلزارِ خیال باغِ بہشت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے +

۲- یار کی پلکیں میرے دل پر نشتروں کا اثر رکھتی ہیں اور اس سے میرے دل کا خون آنسو بنکر بہنے لگتا ہے اور آنسو ایسے مسلسل بہتے ہیں کہ مرجان (مونگے) کی تسبیح کے دانے معلوم ہوتے ہیں۔ آنسوؤں کو مونگے کے دانوں سے تشبیہ دی گئی ہے +

۳- فانی کا رعب ابھی میرے نالوں کو روکنے والا نہ بن سکا۔ جب میں اُس کے ڈر سے اپنی عاجزی ظاہر کرنے کے لئے دانتوں میں تنکا لیتا تھا تو وہ ریشۂ نیستاں (بانسری) بنکر میرے نالوں کی آواز پیدا کرتا تھا۔ نیستاں (نے ستاں) نے بمعنی بانس اور بانسری +

۴- اگر مجھے افکارِ زمانہ سے فرصت ہوئی تو میں تمہیں ایک تماشا دکھاؤں گا۔ اور وہ یہ ہوگا کہ میں اپنے دل کے ہر ایک داغ سے ایک سروِ چراغاں ظاہر کرونگا یعنی میرے دل کے ہر ایک داغ میں اتنی روشنی ہے جتنی کہ سروِ چراغاں سے ظاہر ہوتی ہے +

سروِ چراغاں - سرو جیسا ایک جھاڑ +

۵- تیرے جلوے نے آئینہ خانہ کی وہ حالت کردی جو آفتاب شبنم ستان کی بنا دیتا ہے یعنی آفتاب عالمتاب کے پرتو سے اُس مقام سے جہاں پر شبنم کے قطرے اُڑنے شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح تیرے جلوے کی گرمی سے آئینہ خانے سے آئینے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑ گئے معشوق کے حُسن کی گرمی بیان کی گئی ہے۔ آئینہ کو شبنم سے تشبیہ دی گئی ہے +

۶- میرے جسم کی تعمیر ہی میں ایک خرابی کی صورت چھُپی ہوئی ہے۔ جس طرح دہقان کی خون کی گرمی (محنت) ہی اس کے خرمن پر گرنے والی بجلی کا مادہ ہے۔ مطلب یہ کہ ہر ایک چیز کا وجود ہی اُس کی فنا کا باعث ہوتا ہے + ہیولا - مادہ + برقِ خرمن - وہ بجلی جو خرمن پر گرے + خون گرم - محنت - سرگرمی + خرابی - بربادی +

۷- میرے گھر کی ویرانی تو دیکھو کہ اس میں ہر سُو سبزہ اُگ آیا ہے (قاعدہ ہے کہ موسم برسات میں ویران مکانات میں سبزہ اُگ آتا ہے) اور میرے دربان کا شغل اب صرف یہی ہے کہ وہ سبزہ بیگانہ کو کھود کر باہر نکال دیوے۔ کیونکہ ویران ہونے کی وجہ سے اس مکان میں کوئی بیگانہ انسان تو داخل ہوتا ہی نہیں +

۸- اگرچہ میری لاکھوں آرزوؤں کا خون ہو چُکا ہے لیکن میں گورِ غریباں کے بے زبان چراغ مُردہ کی مانند خاموش ہوں۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو چراغِ مُردہ سے تشبیہ دی ہے۔ بے زبان چراغ سے مراد بغیر لَو کا چراغ ہے +

۹- اگرچہ وصالِ یار سے نا اُمیدی نے میرے دل سے خیالِ یار کو قریباً نکال دیا ہے تاہم میرے دلِ افسردہ میں خیالِ یار کی صرف ایک جھلک باقی ہے۔ اور اُس ایک جھلک کی روشنی سے ہی میرا دلِ افسردہ اتنا نورانی ہو رہا ہے جتنا کہ وہ حجرہ تھا جس میں حضرت یوسفؑ مقید تھے +

۱۰- تبسم ہائے پنہاں - زیرِ لب مُسکراہٹ + معشوق سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ

آج ضرور آپ میرے رقیب کی بغل میں سو رہے ہیں ورنہ کیوں شوخی سے میرے خواب میں زیرِ لب مسکراہٹوں سے مجھے جلاتے ۔

۱۱- تیرے مژگاں کا آنسوؤں سے تر ہونا قیامت کے برابر ہے۔ نہ معلوم تو نے کتنے بے گناہوں کا خون کیا ہوگا اور کس کس کا خون قیامت کی طرح بہا ہوگا۔ شاید تیرے گناہوں کی یاد نے تجھے رُلا دیا ۔

۱۲- بادہ راہِ فنا ہماری نظر کے سامنے ہے (یعنی ہم موت کو بھولے ہوئے نہیں ہیں) کیونکہ بادۂ راہِ فنا دُنیا کے تمام اجزائے پریشاں کا شیرازہ ہے یعنی دُنیا کی تمام چیزوں کو بادۂ راہِ فناہ ایک جگہ جمع کر دے گا۔ جس طرح شیرازہ اجزائے پریشاں کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے ۔ جادہ۔ پگ ڈنڈی ۔

(۱۰)

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے

کہ موجِ بوئے گُل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

۱- یک بیاباں ماندگی یعنی کثرتِ ماندگی بہت تھک جانا۔ ذوق۔ ذوقِ صحرانوردی نقشِ قدم کو حباب اور رفتار کو موجہ قرار دیا ہے۔ مطلب یہ کہ خواہ میں کیسا ہی تھک جاؤں لیکن جس طرح حباب موج کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور کبھی نہیں تھکتا اسی طرح میرا ذوقِ صحرانوردی میں بھی کسی طرح کم نہیں ہوگا اور میں منازلِ عشق کو طے کرتا رہوں گا ۔

۲- مطلب یہ کہ انقلابِ زمانہ سے وہ محبت جو مجھے چمن سے تھی اب نفرت سے بدل گئی ہے۔ بوئے گُل جو پہلے میرے لئے باعثِ مسرت و خوشی تھی اب اس سے میرا ناک میں دم ہے یعنی اب وہ مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی ۔

(۱۱)

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی ۱ عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا ۲

۱- مطلب یہ ہے اب سرتاپا مبتلائے عشق ہوں لیکن ساتھ ہی مطابق فطرتِ انسانی الفتِ ہستی بھی ہے یعنی اپنی جان کو بھی عزیز رکھتا ہوں برقِ عشق کی پرستش کرتا ہوں اور خرمنِ ہستی کے جل جانے کا بھی اندیشہ ہے جس سے میرے کمال شوق فنا میں کسی قدر نقص پیدا ہو گیا ہے +

۲- ساقی کو دریائے شراب اور خود کو شاعر نے خمیازہ ساحل یعنی کنارہ دریا قرار دیا ہے اور ساحل باوجود قرب دریا کے ہمیشہ خشک رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شراب پلانے میں دریادل ہے تو میں بھی اُسی کی نسبت سے عالی ظرف یعنی دریا نوش ہوں +

لفظ خمیازہ کے لفظی معنی انگڑائی کے ہیں لیکن یہاں مجازاً ساحل کے معنوں میں استعمال ہؤا ہے۔ نیز قاعدہ ہے کہ شرابِ خور کو تشنہ کے آثار کے وقت انگڑائیاں آنے لگتی ہیں اور اُسے پھر نئے سر سے شراب کی طلب ہوتی ہے +

(۱۲)

۱ ہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا	محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا -
۲ یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا	رنگِ شکستہ صبحِ بہار نظارہ ہے
۳ میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا	تُو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز
۴ طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جانگداز کا	صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں -
۵ ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا	ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
۶ ناخن پہ قرض اُس گرہ نیم باز کا	کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
۷ سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا	تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہؤا اسد

۱۔ صرف تو ہی راز کے نغموں سے ناواقف ہے ورنہ یہاں ہر ایک حجاب باجے کے پردے کی طرح بول رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غافل انسان ہی خدا اور اُس کے بھیدوں سے بے خبر ہے ورنہ دُنیا میں ہر ایک چیز اُس کی شان اور اس کے بھید ظاہر کر رہی ہے دانا آدمی کے سامنے خدا کا کوئی بھید مخفی نہیں +

۲۔ رنگِ شکستہ۔ پھیکا رنگ + مطلب یہ ہے کہ صبح بہار نظارہ کا رنگ پھیکا اور اُڑا ہُوا ہے۔ اور یہی وقت ہے جبکہ گلہائے ناز شگفتہ ہوتے ہیں۔ پَو پھٹنے کے وقت جبکہ روشنی پوری نہیں ہوتی نازک پھول کھلنے کا وقت ہے +

۳۔ تو غیر کی طرف تیز تیز نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے اور میرے دل میں حسد کی وجہ سے تیری مژہ ہائے دراز کی نوکیں تیروں کی نوکوں کی مانند چبھ کر مجھے تکلیف دیتی رہتی ہیں۔ نظرہائے تیز تیز سے مراد گہری اور محبت بھری نگاہیں +

۴۔ آہیں ضبط کرنے میں میرا ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں ضبط نہ کروں تو ایک ہی نفس جاں گداز کا لقمہ بن جاؤں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نحیف زار ہوں کہ ایک ہی جاں کو تحلیل کرنے والی آہ مجھے مار ڈالنے کے لئے کافی ہو جائے + جانگداز۔ جان کو پگھلانے والی +

۵۔ شیشہ باز۔ وہ بازیگر جو شیشہ کو اُچھال کر اپنے سر اور دیگر اعضائے جسم پر روکتا رہتا ہے یعنی شیشے سے اپنے کھیل دکھاتا ہے + فرماتے ہیں اس موسم میں شراب کے جوش کی وجہ سے اتنے شیشے اُچھل رہے ہیں کہ فرش (میخانہ) کا ہر گوشہ شیشہ باز کا سر بنا ہُوا ہے۔ شیشے اُچھلتے رہتے ہیں اور پھر فرش پر قائم ہوتے رہتے ہیں +

۶۔ فطرتی بات ہے کہ انسان جب تک کسی کام میں پوری کامیابی حاصل نہیں کرتا اُس کا دل اس پر تقاضا کرتا رہتا ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میرا دل مجھے ابھی اور کوشش کرنے کا تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ ابھی ہیں اس مشکل کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے

اپنے ناخنِ تدبیر کو پورے طور سے کام میں نہیں لایا ہوں۔ ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ وصالِ یار کا مدعا حاصل کرنے میں ابھی اور کوشش کرنی چاہئیے ۔

۷۔ اے اسد وہ سینہ جو رازہائے حقیقی و اسرارِ معانی کا خزینہ تھا۔ یار کی فرقت کے غم کے صدموں نے تاخت و تاراج کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق مجازی کی فرقت کے صدموں نے معرفت و حقیقت کے دفینہ کو بھی تاراج کر دیا ۔

(۱۳)

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا ۱ رکھیو یا رب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا ۲ اِس تکلف سے کہ گویا بُتکدہ کا در کھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب ۳ آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید ۴ پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال ۵ خُلد کا اِک در ہے میری گور کے اندر کھلا

مُنہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں ٦ زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے مُنہ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا ۷ جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول ۸ آج اُدھر ہی کو رہے گا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال ۹ نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اُس کی اُمت میں ہوں مَیں میرے رہیں کیوں کام بند
۱۰
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبدِ بے در کھلا

۱۔ بادشاہ کی محفل میں مشاعرے شروع ہوئے۔ یا خدا یہ گنجینۂ گوہر کا دروازہ کھلا رکھیو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا بادشاہ کے دربار کے مشاعرے کھلے اور جاری رکھیو۔ مرزا صاحب ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے دربار اور مشاعروں کا ذکر فرماتے ہیں ۔

۲۔ یہ شعر بھی شعرِ اوّل سے تعلق رکھتا ہے۔ رات ہوئی اور پھر چمکنے والے ستاروں کا منظر کھلا

اور اس شان سے کھُلا گویا بتکدہ کا دروازہ کھُلا۔ مطلب یہ رات کے وقت مشاعرے میں فصیح اور معنی خیز اشعار پڑھے جانے لگے جو خوبصورتی میں بتوں سے کم نہیں ۔

۳۔ اگرچہ دیوانہ ہوں لیکن اتنا دیوانہ نہیں کہ دوست اور دشمن میں کبھی تمیز نہ کر سکوں میں دوست نما دشمنوں کو خوب پہچان سکتا ہوں۔ جو ہاتھ میں نشتر لیکر آتے ہیں اور اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ فصد لے کر میری دیوانگی کو دُور کرینگے لیکن آستین میں دشنہ (چھری) چھپائے ہوئے ہیں کہ موقع پاکر مجھے قتل ہی کر ڈالیں ۔

۴۔ اگرچہ میں اب بھی اُس کی باتیں نہیں سمجھ سکتا اور اُس کے بھید نہیں پا سکتا لیکن میرے لئے یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے اُس کی شرم تو دُور ہوگئی اور وہ مجھ سے گھُل مل گیا میرے لئے تو یہی باعثِ فخر ہے ۔

۵۔ خیالِ حُسن محبوب حقیقی میں بھی نیک اعمال کا خیال ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح نیک اعمال سے بندوں کی قبر میں جنّت کا دروازہ کھُلتا ہے اسی طرح محبوب حقیقی کے حُسن کے خیال سے میری قبر میں بھی جنّت کا دروازہ کھُل گیا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی (خداوند تعالےٰ) کا خیال رکھنا بھی عبادتِ عظمیٰ ہے ۔

۶۔ کھُلا۔ ظاہر ہُوا۔ معلوم ہُوا۔" کہ دیکھا ہی نہیں" یہاں ذو معنی ہے (۱) ایسا عالم کہ دیکھا ہی نہیں (۲) وہ منہ جس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں ۔ زلفیں سیاہ ہوتی ہیں اور نقاب بھی عام طور سے سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جو گورے اور حسین چہرے پر بھلا معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ معشوق حقیقی کا چہرہ نہ کھُلنے پر بھی تجلّی کی یہ حالت ہے کہ ایک عالم گرویدہ و دلدادہ ہے پس ظاہر ہے کہ نقاب (پردہ) زلفوں سے بھی زیادہ خوبصورت ثابت ہُوا اور زلفوں سے زیادہ دلکشی اور پھبن رکھتا ہے ۔

۷۔ معشوق نے مجھے اپنی دربانی کے عہدے سے سرفراز کیا۔ مگر میں اپنا بستر بھی کھولنے نہ پایا تھا کہ معشوق اپنے قول سے پھر گیا۔ معشوق کی شوخیٔ طبع اور اس کی ستم کیشی کا اظہار

فرمایا ہے ۔

۸- پہلے مصرع میں فرماتے ہیں کہ شب غم ہے اور مجھ پر بلاؤں کا نزول ہو رہا ہے۔ لیکن اس قدر اندھیری کیوں ہے دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ چونکہ ستارے میری شبِ غم اور مجھ پر بلاؤں کے نزول کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتے اس لئے اُنہوں نے میرے گھر سے آنکھیں پھیر کر آسمان کی طرف کھول لی ہیں اور اسی لئے رات زیادہ اندھیری ہوگئی ہے ۔

۹- میں پردیس میں بھی کس طرح خوش رہ سکتا ہوں جب وطن میں حادثات کا یہ حال ہو کہ نامہ بر وطن سے اکثر خطوط کھلے ہوئے لاتا ہے (رسم ہے کہ جس خط میں کسی کی موت کی خبر بھیجتے ہیں اُس کا کچھ حصہ چاک کر دیتے ہیں اور کھلا بھیجتے ہیں) ۔

۱۰- مقطع صاف ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر آخرالزمان کی نعت میں ہے۔ شبِ معراج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں جب میں اُن کا پیرو ہوں جن کے واسطے آسمان کھل گیا تھا تو میرے کام کس طرح بند رہ سکتے ہیں ۔

(۱۴)

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا	۱	شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا
واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام	۲	گریہ سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا
واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال	۳	یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا
جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبجو	۴	یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا
یاں سرِ پُرشور بےخوابی سے تھا دیوار جو	۵	واں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا
یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی	۶	جلوۂ گل واں بساطِ صحبتِ احباب تھا
فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا	۷	یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا
ناگہاں اس رنگ سے خوننابہ ٹپکانے لگا	۸	دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

۱- رات جبکہ میرے دل کی آگ کی بجلی سے ابر کا پتہ پانی پانی ہو گیا تھا اور ہر ایک بھنور کا حلقہ شعلۂ جوّالہ بن رہا تھا۔ مطلب یہ کہ میرے دل میں آتشِ ہجر بھڑک رہی تھی اور بارش ہو رہی تھی +

۲- وہاں معشوق نے بارش کے بہانہ سے وصل کا وعدہ پورا نہ کیا۔ یہاں اُس کی یاد میں کثرتِ گریہ سے تکیہ کی روئی سیلاب کے جھاگوں کی مانند ہو گئی تھی + عناں گیرِ خرام ۔ چلنے کی باگ روکنے والا یعنی چلنے سے باز رکھنے والا +

۳- وہاں تو وہ خود آرائی کے لئے موتی پرو رہے تھے۔ یہاں ہم فرقت کی بیقراری سے اس قدر رو رہے تھے کہ کچھ نظر نہ آتا تھا +

۴- وہاں نہر کے کنارے پھولوں کی کثرت سے چراغاں معلوم ہوتا تھا۔ یہاں ہماری آنکھوں کی پلکوں سے خالص خون (آنسو) بہہ رہا تھا +

۵- یہاں ہمارا جنوں سے بھرا ہُوا سر نہ سونے کی وجہ سے سر پھوڑنے کیلئے دیوار ڈھونڈھ رہا تھا۔ وہاں اُس کا فرقِ ناز کمخواب کے تکیہ پر رکھا ہُوا تھا (وہ محوِ خواب تھا) +

۶- یہاں ہماری ہر سانس ہماری بیخودی کی بزم کی شمع کو روشن کر رہی تھی (ہماری بیخودی کو بڑھا رہی تھی) وہاں اُنھوں نے صحبتِ احباب کے لئے پھولوں کا فرش کرا رکھا تھا +

۷- وہاں زمین سے آسمان تک انتہائی خوشی و مسرت تھی۔ یہاں ہمارے لئے زمین سے آسمان تک جلانے کا سامان تھا + موجِ رنگ کا طوفاں - انتہائی خوشی و مسرت +

۸- ناگہاں میرا دل جو ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا اس طرح خونِنابہ (آنسو) ٹپکانے لگا۔ یعنی میرے دل نے چاہا کہ دوسری غزل لکھوں + ذوقِ کاوش ۔ تکلیف کا مزہ + دل کا خونِنابہ ٹپکانا ۔ رونا ۔ دل کے رونے سے مراد شعر کہنا +

(۱۵)

نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا ۔ تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر کو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے ۲ خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایّامِ خاکستر نشینی کیا کہوں ۳ پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں ۴ ذرّہ ذرّہ روکشِ خورشیدِ عالمتاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے ۵ کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا ۶ انتظارِ صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالبؔ کو وگرنہ دیکھتے
۷ اُس کی سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا

۱- رات کو میرا نالۂ دل بالکل بے اثر تھا- اور اگرچہ وہ بیتاب تھا لیکن اُس نے بزمِ وصلِ غیر میں (جہاں کہ میرا دوست غیر سے ہم آغوش تھا) کالے دانے کے سوا اور کچھ کام نہ دیا- یعنی بزمِ وصلِ غیر میں پہنچکر اُس کی بلاؤں کو دُور کر رہا تھا ٭

کالا دانہ - بچّوں پر سے نظرِ بد دُور کرنے کے لئے کالے دانے کی دھونی دیا کرتے ہیں ٭ بیتابی کی مشابہت سے نالہ اور کالے دانے کی تشبیہ نہایت نادر ہے - یہ نزاکتِ تخیّل مرزا صاحب کا حصّہ ہے ٭

۲- سیلاب کے آنے سے میرا دل بہت خوشی منا رہا ہے - کیا میرا گھر سازِ صدائے آب (جلترنگ باجہ) تھا ٭ جلترنگ (جل - ترنگ) چینی کے پیالوں میں پانی بھر کر تیلی سے بجاتے ہیں - عجیب مست کُن ساز بجتا ہے ٭

۳- خاک نشینی کے زمانے میں مجھے کیسا فخر حاصل تھا - گویا میں اپنے خیال میں سنجاب کے بستر پر بیٹھتا تھا - قناعت گزیں انسان خاک ہی کو بسترِ سنجاب سمجھتا ہے اور اس لئے وہ دُنیاوی کشاکش سے آزاد رہتا ہے - قناعت سے عزّت اور آرام دونو چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں ٭

۴- ہمارے جنونِ نارسا یعنی عشقِ خام نے کام خراب کر دیا ورنہ اگر ہمارا عشق

کامل ہو جاتا تو خاک دُنیا کے ہر ذرّے میں خورشید عالمتاب کو شرمندہ کرنیوالی روشنی دکھتی
عشق کامل ہونے پر ہر ایک چیز میں جلوۂ الٰہی نظر آتا ہے ۔
۵ - آج تجھے اپنے اسیروں (عاشقوں) کی پروا کیوں نہ رہی یعنی اُن سے بے مروّتی کیوں کرتا ہے کل تک تو تیرا دل مِہر و وفا کا باب تھا ۔ مطلب یہ کہ اب تو اپنے عاشقوں کی طرف نظرِ التفات کیوں نہیں کرتا ۔
۶ - یہ شعر پہلے شعر سے متعلق ہے ۔ فرماتے ہیں وہ دن یاد کر کہ تیرے دام کا ہر ایک حلقہ شکار کے انتظار میں دیدۂ بیخواب کی مانند وا رہتا تھا ۔ یعنی تو عاشقوں کا منتظر رہتا تھا
۷ - رات کو میں نے غالب کو رونے سے روک دیا ورنہ تم دیکھتے کہ اُس کے سیلِ گریہ سے آسمان سیلاب کے جھاگ کی مانند معلوم ہوتا یعنی اُس کے آنسوؤں کا سمندر آسمان تک پہنچ جاتا ۔ یہ اُس زمانے کی وضع شاعری کا اثر ہے کہ مرزا صاحب بھی ایسا مبالغہ فرماتے ہیں ۔

(۱۶)

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب ۱ خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا
اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو ۲ توڑا جو تُو نے آئنہ تمثال دار تھا
گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں ۳ جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا
موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ۴ ہر ذرّہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
۵
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

۱ - میرے خونِ جگر کا ایک ایک قطرہ آنسو بنکر آنکھوں سے بہہ گیا ۔ گویا جگر کا تمام خون مژگانِ یار کی امانت تھا (از یادگارِ غالب) اُنہوں نے واپس مانگ لیا ۔ مژگانِ یار گویا تیر تھے اور اُنہوں نے جگر کو زخمی کر کے اُس کا تمام خون آنکھوں کی راہ سے بہا دیا ۔

۲۔ اب میں ہوں اور بہت سی آرزوؤں کے خون کا ماتم۔ کیونکہ تُو نے وہ آئینہ توڑ دیا جس میں تو اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تو شیشے میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا اور مجھے یہ موقعہ حاصل ہو گیا کہ تیرے گلزارِ حسن کی سیر جی بھر کر کر لوں۔ لیکن تو رشک کی وجہ سے آئینہ میں بھی اپنا ثانی دیکھنا برداشت نہ کر سکا اور آئینہ توڑ دیا۔ اس لئے یہ تمام حسرتوں اور آرزوؤں کا خون ہو گیا اور اب میں اُن کا ماتم کر رہا ہوں۔

۳۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میری نعش کو (دفن کرنے کی بجائے) گلیوں میں کھینچتے ہوئے پھرو کیونکہ میں نے معشوق کی گلی (میں رہنے) کی تمنّا میں جان دے دی اور زندگی میں میری وہ تمنّا کبھی پوری نہیں ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوگ میری نعش گلیوں میں کھینچتے پھریں گے تو معشوق کی گلی میں بھی لے جائیں گے اور اس طرح میری وہ تمنّا جو زندگی میں پوری نہ ہوئی تھی پوری ہو جائے گی (دو مصرعوں میں ایک وسیع مضمون بیان کرنا مرزا صاحب کا خاص حصّہ ہے) اس شعر کے معانی میں یہ اضافہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب میری نعش کوچۂ جاناں میں پہنچے گی تو وہاں سے نہ سرکے گی۔ اور لوگ مجھ کو وہیں دفن کر دیں گے۔

۴۔ وفا سے عشقِ صادق مراد ہے۔ دشتِ وفا جو موجِ سراب کی مانند ہے اُس کا حال نہ پوچھ۔ اُس کا ہر ایک ذرّہ جوہرِ تیغ کی مانند آبدار تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح موجِ سراب پیاسے کو حصولِ آب کی خواہش میں مار ڈالتی ہے اور پانی نہیں دیتی اسی طرح دشتِ عشق میں وصالِ یار سے محرومی رہتی ہے۔ دوسرے مصرعہ کا مطلب ہے کہ دشتِ عشق کا ہر ایک ذرّہ تلوار کی دھار کی مانند آبدار اور گھائل کرنیوالا تھا۔ یعنی دشتِ عشق میں ہر ہر قدم پر سخت تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آبدار بمعنی چمکیلا اور آبِ شمشیر یعنی دمِ شمشیر رکھنے والا۔ یہاں دونوں معنی لئے گئے ہیں۔ موج اور آبدار کی لفظی رعایت بھی ملاحظہ ہو۔

۵۔ (غمِ عشق میں مبتلا ہونے سے پہلے) ہم بھی غمِ عشق کو معمولی سی چیز سمجھتے تھے لیکن

(مبتلائے عشق ہونے کے بعد) حالانکہ ابھی ابتدائے عشق ہے اور بہت تھوڑا غمِ عشق ہے ہم نے یہ محسوس کر لیا کہ عشق کا تھوڑا سا غم بھی دُنیا کے تمام غموں کے برابر ہے +

(۱۷)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا ۱ آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانہ کی ۲ درو دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا
وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو ۳ آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا
جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے ۴ جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا
عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ ۵ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط ۶ تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا
عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا ۷ لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ۸ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
۹
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۱۔ دعوےٰ یہ ہے کہ دُنیا میں آسان سے آسان کام بھی دُشوار ہے اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے اُس کا بھی انسان بننا مشکل ہے (اقتباس از یادگارِ غالب) انسان سے مراد وہ انسان ہے جو اپنے قوائے ثلاثہ یعنی (قوتِ شہوانی - قوتِ غضبی اور قوتِ عقلی) میں اعتدال رکھ سکے - بہت سے آدمی جو ان قوتوں میں اعتدال نہیں رکھ سکتے اور فضائل حاصل نہیں کر سکتے وہ مثلِ بہائم ہیں اور انسان کہلائے جانے کے مستحق نہیں مطلب یہ ہے کہ آدمی کے لئے بھی انسان ہونا دُشوار ہے +

۲۔ میرا رونا میرے گھر کی ویرانی چاہتا ہے کیونکہ درو دیوار خستہ و شکستہ ہو چکے ہیں اور اُن سے مکان بیاباں معلوم ہونے لگا ہے - فرقتِ یار میں کثرتِ گریہ کا اظہار

منظور ہے +

۳۔ عشق کی دیوانگی پر افسوس! کہ میں بار ہا کوئے یار کی طرف جانا اور دیدار سے محروم ہو کر پریشان واپس چلا آنا۔ اور باوجود بار بار تجربہ کرنے کے بھی عشق کی دیوانگی سے مجبور ہو کر پھر وہیں چلا جاتا ہوں +

۴۔ جلوہ حُسن تقاضا کرتا ہے کہ مجھے دیکھو یعنی حسن ہمیشہ چاہتا ہے کہ میں چاہا جاؤں اور میرے بہت سے عاشق ہوں۔ اس لئے آئینہ کا جوہر بھی مژگاں ہونا چاہتا ہے چونکہ آئینہ اپنے اندر ہر شے کا عکس لے لیتا ہے اسلئے آئینہ کو آنکھ اور جوہر کو اس کا مژگان تصوّر کیا ہے

۵۔ اہلِ تمنّا۔ قتل ہونے کی تمنّا رکھنے والے عشّاق + عید نظّارہ۔ عید جیسا نظارہ۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ قتل گاہ میں عاشقوں کی خوشی کی حال مت پوچھ اُن کی خوشی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ قتلگہ میں شمشیر قاتل کا (میان سے باہر ہونا) یعنی عُریاں ہونا اُن کے لئے اُتنا ہی خوشی کُن ہے جتنا کہ عید کا نظّارہ۔ عید نظارہ سے یہاں مراد عید کا چاند ہے کیونکہ عید کا چاند دیکھتے ہی عید کی خوشی منانا شروع ہو جاتا ہے۔ ہلال اور شمشیر کی تشبیہ ظاہر ہے +

۶۔ ہم تو خوشی (یعنی وصال) کی تمنّا کا داغ لے کر قبر میں چلے گئے۔ خدا کرے تو دُنیا میں رہے اور تجھکو ایسا گلستان ہونا مبارک رہے جس میں گلہائے رنگا۔ نگ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے حُسن میں روز افزوں ترقی رہے۔ اور تُو آپ یعنی تنہا ہی اس سے محظوظ ہوتا رہے +

۷۔ میرے دل کے ہر ایک حصہ کی خوشی زخم تمنّا (زخمِ عشق) کھانا ہے اور میرے زخم جگر کو غرق نمکداں ہونے میں ہی مزہ آتا ہے۔ مطلب یہ کہ عشق صادق میں ہر ایک تکلیف راحت معلوم ہوتی ہے +

۸۔ شعر بالکل صاف ہے۔ صرف زود پشیماں کا جملہ طنزیہ کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے

کہ میری تمام زندگی میں مجھ پر جفائیں کرتا رہا مگر پشیماں نہ ہوا۔ جب میرے خون سے ہاتھ رنگ چکا جب توبہ کی تو کیا فائدہ۔ اگر میرے قتل سے پہلے توبہ کر لیتا۔ تو اُس کی گردن پر میرے خون کا عذاب تو نہ ہوتا۔

۹۔ اے غالب اس چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس! جس کی قسمت میں کسی عاشق کا گریبان ہونا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کا گریبان کبھی بیقراری میں کبھی جنونِ عشق میں خود عاشق کے ہاتھ سے تار تار ہوتا ہے۔ کبھی معشوق کا دربان عاشق کو آستان یار سے اُٹھانا چاہتا ہے اور عاشق اُٹھنا نہیں چاہتا تو دربان عاشق کا گریبان پکڑ کر عاشق کو اُٹھاتا ہے اور گریبان کی دھجیاں اُڑا دیتا ہے۔ کبھی خود معشوق عاشق کو اپنی بزم سے نکالتا ہے تو عاشق کا گریبان پکڑ کر نکالتا ہے اور گریبان بیچارہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں ایک وسیع مضمون کو نہایت پاکیزہ اور شستہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ قسمت اور گرہ کی رعایت بھی نہایت پُر لطف ہے۔

(۱۸)

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز انداز تھا ۱ تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا ۲ جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانعِ وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے ۳ خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا

پُوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغنائے حُسن ۴ دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دئے اوراقِ لختِ دل بباد

۵ یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

۱۔ رستخیز۔ قیامت ٭ محیط بادہ۔ شراب کا برتن۔ شیشہ ٭ خمیازہ۔ انگڑائی

رات ساقی کے انتظار کی کیفیت قیامت کا انداز پیش کر رہی تھی۔ شراب کا شیشہ بھی انگڑائیوں کا صورت خانہ بنا ہوا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ساقی کے انتظار میں قیامت

کا سا منظر ہو گیا تھا جس طرح قیامت میں ہر ایک چیز اُوپر کی طرف اُٹھے گی اور حرکت دیجائیگی۔ مُردے قبر سے بلند کئے جائیں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھرینگے یہی حالت ساقی کے انتظار میں تھی۔ ادھر میخوار انگڑائیاں لے رہے تھے اور اُٹھ اُٹھ کر دیکھتے تھے کہ کب ساقی آئے اور دور چلائے ادھر شیشہ شراب بھی انگڑائیوں کی تصویریں پیش کر رہا تھا یعنی شراب میں جوش آرہا تھا شراب کے جوش اور اُبھار کو انگڑائی سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ایک عجیب و غریب تشبیہہ ہے اور جس کی تخلیق غالب جیسے عالی دماغ کا بلند تخیل ہی کر سکتا تھا:

۲۔ ابھی میں وحشتِ عشق سے ایک قدم آگے ہی چلا تھا یعنی دشتِ وحشت عشق کو طے کرنے ہی پایا تھا کہ دونو عالم کے بھید مجھ پر منکشف ہو گئے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ جادۂ عشق اوراق دو عالم کا شیرازہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ سالکان عشق حقیقی کے سامنے دو عالم کا کوئی بھید چھپا نہیں رہتا:

۳۔ لیلےٰ کی وحشت خرامی یعنی دشت نوردی کا مانع (شرم وحیا کے سوائے) اور کون ہے کیونکہ مجنوں کے صحرا میں تو سوائے گرد بے دروازہ کے نہ کوئی در تھا نہ دربان مطلب یہ ہُوا لیلےٰ کو مجنوں سے محبّت ضرور تھی کیونکہ مجنوں کی زندگی میں کبھی اُس نے اُس سے ملنے کی کوشش کی مگر شرم دامنگیر رہی اور اُس کے مرنے کے بعد اس نے ہمیشہ اُس کا ماتم برپا رکھا۔ پھر شرم وحیا کے سوا اور کون چیز ہو سکتی تھی کہ وہ صحرا میں مجنوں سے نہ ملتی اور اس کی دمساز نہ ہوتی:

۴۔ معشوق نے حسن کے بے پروا ہونے کے انداز کو بدنام کیا ہُوا ہے۔ اس کا حال مت پوچھ۔ ورنہ دستِ معشوق کیوں مرہون حنا ہوتا اور رخسار معشوق کیوں غازہ کا منّت کش ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کو حنا اور غازہ کی ضرورت ہی نہ تھی مگر اس نے ان دونو کے استعمال سے استغنائے حسن کو بدنام کر دیا:

۵۔ میرے نالۂ دل نے میرے دل کے ٹکڑوں کے پُرزے یعنی میرے اعلیٰ اشعار کو ہوا میں اُڑا دیا اور میرے نالوں کی یادگار یعنی میرے اشعار اک دیوان بے شیرازہ ہو گئے مطلب یہ ہے کہ میں خود شعر کہنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ میرے نالے اشعار کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ فطرتی شاعر شعر کہنے کی خواہش نہیں کرتا بلکہ شعر کہنے پر مجبور ہوتا ہے مطلب یہ کہ میں غیر فطرتی شعرا کی طرح ارادۃً اشعار لکھکر دیوان بنانا نہیں چاہتا۔ بلکہ نالہائے دل اشعار کی صورت میں ظاہر ہوتے اور اس لئے دیوان بے شیرازہ ہے +

(۱۹)

۱ زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا	دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
۲ ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا	بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
۳ کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا	حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
۴ عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا	آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
۵ یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا	گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
۶ ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائینگے کیا	خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا

۱۔ میرے دوست میری غمخواری میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں یعنی کوئی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ اگر وہ میرے ناخن کاٹ ڈالیں گے تاکہ میں اپنے زخم کو کرید کر گہرا نہ بنا سکوں تو ناخن پھر بڑھ آئیں گے اور میں اپنے زخم کو کرید کر پھر گہرا بنا لونگا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے دوست میری کوئی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کوئی اور شخص مجھے تکلیف دے تو وہ اس کو روک سکتے ہیں جب میں خود ہی مصائبِ عشق میں مبتلا رہنا چاہتا ہوں تو وہ کس طرح میرے مصائب کو دُور کر سکتے ہیں +

۲۔ معشوق سے خطاب ہے۔ کہ بندہ پرور آپ کی بے نیازی حد سے گذر گئی۔ ہم اپنا حال دل کب تلک کہتے رہیں گے کیونکہ آپ تو ہمارا حالِ دل سُنکر محض یہ فرما دیتے ہیں کہ کیا کہا۔ بے پرواہی سے آپ ہماری کوئی بات سنتے ہی نہیں ٭

۳۔ حضرت ناصح اگر میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو شوق سے آئیں۔ میں اُن کو روک تو سکتا نہیں کیونکہ میں ایسی بداخلاقی کا مرتکب نہیں ہو سکتا بلکہ دیدہ و دل فرشِ راہ کر دونگا۔ لیکن اُن کا میرے پاس آنا بیکار ہے کیونکہ وہ مجھے معشوق سے کنارہ کشی کی فہمائش کریں گے۔ اور معشوق سے کنارہ کشی میرے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے مرزا غالب فرماتے ہیں کہ کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دے کہ وہ سمجھائیں گے کیا خاک ٭

۴۔ میرے قتل کرنے میں وہ صرف یہی عذر کیا کرتے ہیں کہ اس وقت میرے پاس تلوار نہیں ہے سو میں نے اپنے ساتھ تلوار لے لی ہے۔ اور کفن اس لئے ساتھ باندھ لیا ہے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں مرنے کے لئے بالکل تیار ہوں اور وہ یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ تمہیں قتل کر کے ہم کفن کا بار اپنے ذمہ کیوں لیں۔ پس تیغ و کفن باندھ کر میں نے اُن کا ہر ممکن عذر دُور کر دیا ہے۔ اب وہ میرے قتل کرنے میں کیا عذر کر سکتے ہیں ٭

۵۔ ناصح کی مسلسل اور نا ختم ہونے والی ناصحانہ تقریر سے مرزا صاحب تنگ آ گئے ہیں اور بنظر اخلاق بیٹھے ہوئے سُن تو رہے ہیں مگر اس قیام کو قید سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں ناصح کی بے انتہا فہمائش سے بھی ہمارا جنونِ عشق دور نہیں ہو سکتا ٭

۶۔ ہم زلف کے خانہ زاد ہیں یعنی ہم نے زلف کے حلقوں میں پرورش پائی ہے۔ ہم زنجیر سے کیوں بھاگیں گے۔ ہم زندانِ وفا کے گرفتار ہیں پھر ہم زنداں سے کیوں گھبرائینگے قاعدہ ہے جس چیز کا انسان عادی ہو جاتا ہے پھر اس سے گھبراتا نہیں ٭

۷۔ فرماتے ہیں ہماری غذا تو غم الفت ہے اور اس شہر میں غمِ الفت کی بہت کمی ہو گئی ہم دہلی میں رہیں تو کس طرح رہیں کیونکہ ہماری غذا ہمیں میسر نہیں آ سکتی۔ مطلب یہ ہے

کہ دھلی میں اب ایسے لوگ نہیں رہے جن سے محبت والفت کی جائے ۔ خود غرض لوگوں کا مجمع ہے اور محبت کا بدلہ جفا سے دیتے ہیں ✦

(۲۰)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا ۱ اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا ۲ کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہدِ بودا ۳ کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو ۴ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح ۵ کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا ۶ جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے ۷ غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے ۸ مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا ۹ نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا ۱۰ جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
۱۱ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۱۔ زمانۂ مرگ قریب ہے ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں ہماری قسمت ایسی کہاں تھی کہ ہمیں وصالِ یار میسر آتا ۔ اگر اور کچھ عرصہ جیتے رہتے تو بھی وصالِ یار کا انتظار ہی کرتے رہتے اور وصل میسر نہ آتا ✦

۲۔ تیرے وعدۂ وصل کے بعد ہمارا زندہ رہنا ہی اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ ہم نے تیرے وعدے کو جھوٹ سمجھا ۔ ورنہ اگر سچ جانتے اور تیرے وعدہ پر اعتبار کرتے تو لازماً خوشی کے مارے مرجاتے اور شادی مرگ ہو جاتا ✦

۳- معشوق سے خطاب ہے کہ تیری نزاکت اور کمزوری ظاہر کرتی ہے کہ تو کسی استوار عہد کو نہیں توڑ سکتا تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ تُو نے جو عہد کیا تھا وہ بودا اور کمزور تھا اور اس لئے تو اس کے توڑنے پر قادر ہو سکا۔ مرزا صاحب معشوق کی روحانی کمزوری کو جسمانی کمزوری پر محمول کرنا چاہتے ہیں ورنہ نزاکت جسم کا نزاکت عہد سے کیا تعلق۔ اسی نزاکت تخیّل نے تو مرزا صاحب کو تمام ہمعصروں پر غالب کیا +

۴- تیر نیم کش۔ آدھا کھینچا ہوا تیر یعنی جو پوری حد تک کمان میں نہ کھینچا گیا ہو اور اس لئے اس میں قوّتِ پرواز کم رہجاتی ہے۔ فرمایا ہے کہ تیرے نیم کش تیر کا اثر کوئی میرے دل سے پوچھے۔ چونکہ نیم کش تھا اس لئے جگر کے پار نہ ہو سکا اور موجبِ خلش ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق نے ارادتاً تیر کو پورا کھینچکر نہیں چھوڑا تاکہ میں بیچین اور بیقرار رہی ہوں اور جان سے نہ گذر سکوں +

۵- حضرت ناصح کی دوستی کوئی دوستی نہیں ہے۔ یعنی وہ دوستی کے پردے میں مجھ سے دشمنی کر رہے ہیں کہ ہر وقت ترکِ تعلّق معشوق کی نصائح کرتے رہتے ہیں۔ میرا دوست تو کوئی چارہ ساز اور غمگسار ہونا چاہئے تھا جو میرے معشوق کو مجھ سے ملانے کی تدابیر عمل میں لاتا اور اس طرح میرا غم دُور کرتا +

۶- غم ایسی بُری چیز ہے کہ اگر پتھر میں بجائے شرر کے غم ہوتا تو پتھر کی رگوں سے ایسا لہُو ٹپکتا کہ تھمنے کا نام نہ لیتا۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرا ہی حوصلہ ہے کہ غم برداشت کر رہا ہوں پتھر اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ غم میں شرر سے بھی زیادہ سوزش ثابت کی گئی ہے

۷- اگرچہ غم جان کو ہلاک کرنے والی چیز ہے لیکن غم سے کس طرح ... کہ ہمارا دل فطرتی طور پر غم کا شکار رہنا چاہتا ہے۔ ہمیں اگر غمِ عشق نہ ہوتا۔ تو غم روزگار ... یعنی کسی نہ کسی غم میں ضرور مبتلا رہتے۔ اس شعر میں دل کی فطرت بیان کی گئی ہے +

۸- شبِ غم یعنی شبِ ہجر بہت بُری بلا ہے۔ میں کس سے اس کا مفصّل حال بیان کروں

یعنی کوئی ایسا ہمدرد نظر نہیں آتا جو میرے مصائب کو دُور کر سکے ۔ بس اتنا اشارہ کافی ہے کہ شبِ غم میں بے شمار مرتبہ مجھے موت کی تکالیف اُٹھانا پڑتی ہیں ۔ اگر واقعی موت آتی اور صرف ایک بار مرنا ہوتا تو میں شوق سے مرجاتا تاکہ شبِ غم میں ہزاروں بار مرنے کی تکالیف اُٹھانے سے نجات پاتا ۔ شبِ غم کو موت سے بہت زیادہ تکلیف دینے والا ثابت کیا ہے

۹ ۔ مطلب یہ ہے کہ شہر میں مرکر اور بھی رُسوا ہوئے کیونکہ جب ہمارا جنازہ اُٹھا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ یہ حضرت کُشتۂ عشق ہیں اور جب مزار بن گیا تو اب بہت عرصے تک مزار سے گزرنے والے کہتے رہیں گے کہ یہ ایک کُشتۂ عشق کا مزار ہے ۔ اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ ہم کسی دریا میں ڈوب جاتے پھر نہ تو ہمارا کوئی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا اور ہم رسوائی سے بچ جاتے ۔ تخیّل کی یہ جدّتیں مرزا صاحب ہی کا حصہ ہیں ۔

۱۰ ۔ اس شعر میں محبوبِ حقیقی کی وحدانیت اور یکتائی کا ثبوت دیتے ہیں ۔ شعر صاف ہے صنعتِ اعداد ملاحظہ ہو ۔

۱۱ ۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے حقیقتِ حال بیان فرمائی ہے ۔ واقعی مرزا صاحب کا ایسا تصوف اور طرزِ بیان کسی دوسرے ہندوستانی شاعر کو نصیب نہیں ہوا ۔ اور بہت ممکن تھا کہ اگر بادہ خوار نہ ہوتے تو بہت سے لوگ ولی سمجھنے لگتے ۔

(۲۱)

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا ۱ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا ۲ کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں ۳ شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں ۴ تغافل ہائے تمکیں آزما کیا
فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے ۵ ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا
نفس موجِ محیطِ بے خودی ہے ۶ تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیا

دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے ۷ غمِ آوارگی ہائے صبا کیا

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر ۸ ہم اُس کے ہیں، ہمارا پُوچھنا کیا

محابا کیا ہے مَیں ضامن اِدھر دیکھ ۹ شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا

سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن ۱۰ شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

کیا کس نے جگرداری کا دعوےٰ ۱۱ شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں ۱۲ یہ کافر فتنۂ طاقت رُبا کیا

بلائے جاں ہے غالبؔ اُس کی ہر بات
۱۳ عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

۱- ہوس کو کام کرنے کی کیسی خوشی رہتی ہے۔ اگر مرنا نہ ہو تو زندگی کا کوئی لطف نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مرنا نہ ہو تو کسی کو کام کرنے کی ہوس نہ ہو۔ انسان چاہتا ہے کہ مرنے سے پہلے سب کام کر لیوے۔ خلاقِ دو عالم اگر انسان کے لئے موت لازمی نہ رکھتا تو دُنیا کے کاروبار بالکل سُست رہتے۔

۲- معشوق سے خطاب ہے کہ تجاہل پیشگی سے آپ کا کیا مدعا ہے۔ اے سراپا ناز آپ کہاں تک ہر بات پر کیا کیا کہتے رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق تجاہل عارفانہ کرتا ہے۔ ہر ایک بات کو سُنتا اور سمجھتا ہے اور ہمیں دق کرنے کے لئے یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں نے سُنا اور سمجھا ہی نہیں۔

۳- جب میں رقیبوں پر آپ کی بےجا مہربانیاں دیکھ رہا ہوں۔ تو رقیبوں سے مجھے جو شکایتیں ہیں اُن کا گلہ آپ سے کیا کروں۔ بیکار ہے۔

۴- معشوق سے خطاب ہے کہ وفا کی آزمائش کے لئے آپ جو مجھ سے تغافل کرتے ہیں اس سے کیا فائدہ۔ آپ کا تغافل مجھے بے وفا نہیں بنا سکتا۔ میری وفا تو اس درجہ پر پہنچ چُکی ہے کہ آپ مجھے بے حجابانہ نظروں سے دیکھیں اور خواہ نظر کی تاب نہ لا کر جاں بدل

لیکن وفا کو ہاتھ سے نہ دوں گا ۔

۵۔ گھانس پھونس کے شعلہ کی روشنی ایک لمحہ رہتی ہے ۔ ہوس کو ناموس وفا سے کیا تعلق ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عشق جو محض ہوس پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے اُس کو ثبات نہیں ہوتا ۔

۶۔ ہمارا عشق کامل ہے اور ہماری ہر سانس بیخودی کے سمندر کی موج ہے اس لئے ہم شراب پئے بغیر ہی مست رہتے ہیں اور ہمیں ساقی کے تغافل کا کچھ گلا نہیں ۔

۷۔ ہمارا دماغ اُس عطر کی خوشبو کو پسند نہیں کرتا جو لباس پہنکر ملا جاتا ہے اس لئے ہمیں صبا کے آوارہ ہونے اور اُس کے ہم تک عطرِ لباسِ یار کی خوشبو نہ پہنچانے کا کوئی غم نہیں ۔ ہم تو خوشبوئے زلفِ یار کے دلدادہ ہیں ۔

۸۔ ہر قطرہ آب کا دل سازِ انا البحر ہے ۔ یعنی ہر قطرۂ آب کا دعوےٰ ہے کہ میں سمندر ہوں کیونکہ سمندر سے مل کر وہ جزو نہیں رہتا بلکہ کُل ہو جاتا ہے ۔ پس جب ایک قطرہ کی یہ اہمیت ہے تو ہم (جو کہ خدا کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور زمین پر اُس کے خلیفہ بھی ہیں) بھی ذاتِ خالق کا ایک حصہ ہیں اور بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں ہمارا کیا پوچھنا ۔

۹۔ خوں بہا ۔ وہ رقم جو کسی کے خون کے بدلے دی جائے ۔ مرزا صاحب معشوق سے فرماتے ہیں کہ تو بیخوف ہو کر میری طرف دیکھ ۔ تو اس بات کی پرواہ نہ کر کہ تیری نظر کی تاب نہ لا کر میں مر جاؤں گا ۔ میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ تجھ سے کوئی خوں بہا نہ لیا جائیگا ۔ کیونکہ شہیدانِ نگاہ ناز کا کوئی خوں بہا نہیں لیا جاتا ۔

۱۰۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اے میرے دل کی جنس وفا کے غارت گر میری بات سُن ۔ دل کی قیمت ضائع ہونے میں کوئی آواز نہیں ہوتی ۔ مطلب یہ کہ اے معشوق تُو نے اپنی جفاؤں سے میرے دل کی جنس وفا کو غارت کر دیا جس سے میرے دل کی اب کوئی قیمت نہ رہی یعنی تیری بے انتہا جفاؤں سے آخر کار میرے دل سے وفا جاتی رہی اور میرا دل ایک

حقیر اور بے قیمت چیز ہو گیا +

۱۱- معشوق سے خطاب ہے کہ میں نے تو کبھی تیرے سامنے حوصلے اور صبر کا دعوے نہیں کیا تھا جو تو مجھے صبر میں آزماتا ہے۔ بھلا عاشق کے دل کے صبر کی کیا حقیقت۔ "نہ صبر در دلِ عاشق نہ آب در غربال" +

۱۲- مجھ سے یہ صبر آزمانے والا اور قتل کرنے والا وعدہ کیوں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے ایسے وعدے کیوں کرتے ہو جو میرے صبر آزمانے والے مجھے ہلاک کرنے والے اور میری طاقت لے جانے والے ہیں +

۱۳- اے غالب معشوق کی ہر ایک چیز بلائے جاں ہے خواہ الفاظ ہوں۔ خواہ اشارہ ہو خواہ ادا۔ ہر ایک چیز سے عاشق کو اذیت پہنچ سکتا ہے +

(۲۲)

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا	۱	پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم	۲	اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا	۳	رُوبرو کوئی بتِ آئنہ سیما نہ ہوا
کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوباں	۴	تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا	۵	خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا میرے ہے وہ دُکھ کہ کسی کو نہ ملا	۶	کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
ہر بُنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خوں ناب	۷	حمزہ کا قصّہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل	۸	کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پُرزے

۹

دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

۱- تمہارا قہر و غضب اٹھانے کے لائق ہمارے برابر اور کوئی نہیں ہے۔ پھر ہم غلط نہیں

کہتے ہیں کہ ہم جیسا تمہارا عاشق اور کوئی نہیں ہے +

۲- بندگی - بندہ ہونا یا عبادت - یہاں دونو معنی درست ہیں - فرماتے ہیں کہ ہم ایسے وضع کے پابند اور خود دار ہیں کہ خدا کی عبادت کے لئے بھی کعبے کو ہی جاتے ہیں اور در کعبہ وا نہیں پاتے تو واپس لوٹ آتے ہیں اور دروازہ کھلوا کر کسی کا احسان نہیں اُٹھواتے - خود بین کے لفظی معنی مغرور ہیں - لیکن یہاں وضعدار اور خود دار سے مراد ہے +

۳- یہ شعر معشوق حقیقی کی ثنا میں ہے + بُت آئنہ سیما - آئینہ جیسی پیشانی والا معشوق مراد معشوق مجازی - کوئی معشوق مجازی تیرے مقابل نہ ہو سکا - سب تیری یکتائی کے قائل ہیں +

۴- چشم معشوق کو گل نرگس سے تشبیہ کرتے ہیں - اس لئے فرمایا ہے - تیرا بیمار اگر اچھا نہیں ہوا تو یہ بھی اچھا ہے - اُس کے لئے لفظ بیمار پر ہی فخر کرنا کافی ہے کیونکہ تیری آنکھ کو بھی نرگس بیمار سے تشبیہ دی جاتی ہے +

۵- جس طرح وہ قطرہ جو خاک کا رزق یعنی خاک کا جزو بن جاتا ہے دریا میں نہیں پہنچتا اور دریا نہیں بن سکتا - اسی طرح میرا وہ نالہ جو لب تک نہیں پہنچ سکتا سینہ کے لئے داغ بن جاتا ہے +

۶- میری قسمت میں وہ تکلیف ہے جو اس سے پہلے کسی کو نہ دی گئی اور میرے کام میں ایسی خرابی ہوتی ہے جو پہلے کسی کے کام میں واقع نہ ہوئی - اس شعر میں اپنے مصائب اور اپنی بدقسمتی کا اظہار فرمایا ہے +

۷- میرے عشق کی داستان امیر حمزہ کا قصہ نہیں ہے کہ لوگ دلچسپی اور فرحت سے سُنتے جائیں - بلکہ میری داستانِ عشق اتنی مؤثر ہے کہ اُس کے سُننے والوں کے ہر بُنِ مو سے آنسو ٹپکیں گے - نہ ٹپکے خونناب یعنی ضرور ٹپکے گا +

۸- مطلب یہ ہے کہ دیدۂ بینا کوئی مذاق نہیں ہے - دیدہ بینا قطرہ میں دریا اور جزو میں

کل دیکھ سکتی ہے۔ یعنی دیدۂ بینا ہر شے میں خدا کا ظہور دیکھ سکتی ہے ؂

۵۔ یہ گرم خبر تھی کہ مقتل میں معشوق کے ہاتھ سے غالب کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے یعنی معشوق کے ہاتھ سے قتل کیا جائے گا۔ ہم بھی تماشا دیکھنے گئے تھے لیکن تماشا نہیں ہوا یعنی غالب کو قتل نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ کہ غالب آزمائش میں پورا اترا اور وقت مقررہ پر قتل ہونے کے لئے پہنچ گیا اس لئے محبوب نے اس خیال سے کہ ایسا چاہنے والا پھر نہ ملیگا قتل کرنے سے گریز کیا ؂

اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں   کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

اے اسد ہم ایسے مجنوں ہیں جو شب و روز صحراؤں اور جنگلوں میں دوڑتے پھرتے ہیں اور چونکہ ہمارے پاس کوئی ساز و سامان دنیاوی بھی نہیں ہے اس لئے ہم مثل گدائے بے سر و پا بھی ہیں۔ ہم اپنی وحشتِ عشق اور جوش جنوں کے سبب صحراؤں میں اتنے تیز دوڑتے پھرتے ہیں کہ ہرن جو سب سے تیز دوڑنے والا جانور ہے اُس کی پلکیں یعنی جسم کا سب سے اگلا حصہ بھی ہمارا پشت خار ہے اور ہم سے پیچھے رہتا ہے۔ پشتۂ خار بمعنی ایندھن کا گٹھر یا بھروٹا پلکوں کو پشتۂ خار سے تشبیہہ دی گئی ہے ؂

(۲۳)

۱   جنوں غلطیدۂ صد رنگ دعوئے پارسائی کا   پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا

۲   بہ نہرِ صد نظر ثابت ہے دعوئے پارسائی کا   نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا

۳   چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا   زکوٰۃِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا

۴   رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا   نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر

۵   مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدستِ و پائی کا   تمنائے زباں محوِ سپاس بے زبانی ہے

۶   چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا   وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے

۷   عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا   دہاں ہر بُتِ بیغارہ جو زنجیرِ رسوائی

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالبؔ مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستمہائے جدائی کا

۱- خدا تعالےٰ کی مہربانیوں کے بدلے میں خدا کا تقرّب حاصل نہ کرسکنے کی شرم کا تحفہ پیش کرتا ہوں - اور سو طرح سے خون میں لوٹنے کی وجہ سے یعنی اپنی ناجائز خواہشات پر قابو پانے کی بنا پر اپنی پارسائی کا دعوےٰ کرتا ہوں - کہتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں پر سچے دل سے شرمندہ ہو تو رحمتِ غفار اُس کے گناہ بخش دیتی ہے - مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ میں اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوں اس لئے خدائے کریم سے اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں اور مجھے پارسائی کا دعوےٰ اس لئے ہے کہ میں نے جہاں اپنی زندگی میں ہزاروں گناہ کئے ہیں وہاں اپنی ہزاروں خواہشات نفسانی کا خون بھی کیا ہے ؂

۲- اس لئے کہ حُسن تماشا دوست یعنی حسن محبوب حقیقی جس کا ظہور ہر شے میں ظاہر ہو رہا ہے بیوفائی میں بدنام ہو - سینکڑوں نظریں اُس کی پارسائی کا ثبوت دے رہی ہیں - یعنی آجتک کوئی نظر اُس کا دیدار کامل دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی - تماشا دوست اس لئے کہ ہر ایک شے میں حُسنِ الٰہی اپنی جھلک دکھا رہا ہے ؂

۳- نورِ الٰہی سے خطاب ہے کہ اے جلوۂ خدا حُسن کی زکوٰۃ دے - تاکہ سورج کی طرح میرا کاسۂ گدائی یعنی میرا دل خانۂ درویش یعنی میرے جسم کا چراغ بنجائے - سبحان اللہ کتنا معنی خیز اور مرصع شعر ہے مہر اور کاسہ اور دل اور چراغ اور خانہ اور جسم کی تشبیہات و استعارات ملاحظہ ہوں ؂

۴- تو نے ایک مشتاقِ قتل کو بے جرم سمجھ کر اس لئے قتل نہیں کیا کہ خون بیگناہ اپنی گردن پر نہ لے مگر صورت میں تیری گردن پر بجائے خونِ بے گناہ حق آشنائی رہ گیا -
(یادگارِ غالب)

۵- میری زبان کی تمنا یہ ہے کہ میری بے زبانی کی تعریف میں محو رہے جس سے بے دست و پائی کا شکوہ جاتا رہا - مطلب یہ ہے کہ میری زبان میری بے زبانی کی ثنا گوئی کی آرزومند ہے

کیونکہ اس کی بدولت مجھے صبر و رضا کے فضائل حاصل ہو گئے اور میں اپنی بے بسی اور اپنے جبر کا شکوہ نہ کر سکا۔

۶ - میرا سانس یعنی میرے اشعار اور نکہتِ گل چمن میں کوئی فرق نہیں ایک ہی بات ہے کیونکہ ایک ہی سبب سے پیدا ہوتے ہیں یعنی جلوۂ چمن سے - جب چمن پہ بہار آتی ہے تو نکہتِ گل اور میرے رنگیں اشعار دونو وجود میں آتے ہیں۔ بہارِ چمن ایک طرف تو گلہائے رنگا رنگ ظاہر کر کے ان کی خوشبو پھیلاتی ہے ایک طرف میری طبیعت میں جوش لا کر رنگیں اشعار کی خلقت کا باعث ہوتی ہے۔

۷ - دہانِ معشوق کو بہت تنگ ہونے کی وجہ سے عدم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں - مرزا صاحب معشوق سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے معشوق ہر ایک طعنہ جو معشوق کا دہن تیری رسوائی کا سلسلہ بنا ہوا ہے گویا تیری بیوفائی کا چرچا عدم (معشوق دہن) تک پہنچ گیا ہے - مطلب یہ ہے کہ تو تمام دوسرے معشوقوں سے زیادہ بیوفا ہے - کیونکہ وہ خود بے وفا ہونے کے باوجود تجھ کو بے وفا سمجھتے ہیں۔

۸ - اے غالب اپنے خط کو طول نہ دے صرف یہ دیکھنا کافی ہوگا کہ اے محبوب میں جدائی کے صدموں کا حال بیان کرنے کی تمنّا دل میں رکھتا ہوں - اگر محبوب کچھ مشتاق ہو گا تو تجھے بلا لیوے گا اور تیرے غم کی کہانی سُنے گا۔

(۲۴)

۱ بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائے گا	گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
۲ پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائے گا	زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
۳ ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا	لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر
۴ یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا	دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
۵ مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا	سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تُو راضی ہُوا

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط ۶ شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر ۷ ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو ۸ اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسدؔ

۹ دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

۱ - معشوق سے خطاب ہے کہ اگر میں شبِ فرقت کے غموں کا بیان نہ کر سکوں گا تو لازماً میری دہاں چاند کا داغ بن جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ مہر دہاں یعنی رازہائے عشق جن کو میں نے ابتک ظاہر نہیں کیا اور جنہوں نے میرے دہن تک آکر مہر کی صورت اختیار کر لی ہے چاند کے داغ کی طرح ظاہر ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاند کے داغ سے ہر ایک شخص واقف ہے اسی طرح اندوہ شبِ فرقت سے واقف ہو جائیں گے۔ میں اندوہ شبِ فرقت سے تنگ آکر محبت و عشق کا راز افشا کر دونگا اور پھر میں اور تم دونو بدنام ہو جائیں گے۔ داغِ مہ اور مہر دہاں کی تشبیہ مرزا صاحب کے سوا اور کون تلاش کر سکتا ہے

۲ - اگر شبِ ہجر کی تکلیفوں سے میرا پتہ پانی ہو گیا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ چاندنی میرے گھر کے لئے سیلاب بن جائے۔ چاندنی اور سیلاب کی مثال کیا پُر لطف ہے۔

۳ - رخسار یا ہاتھ کا بوسہ لینے سے محبوب کے بیدار ہو جانے کا زیادہ امکاں ہے اس لئے خیال کرتے ہیں کہ پاؤں کا بوسہ ہی لے لوں۔ پھر خیال آتا ہے ممکن ہے پابوسی سے بھی بیدار ہو جائے اور مجھ سے بدگماں ہو جائے یعنی مجھے ناقابلِ اعتبار سمجھنے لگے۔ کیونکہ بغیر اجازت پابوسی بھی چوری ہے۔

۴ - ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنے دل کو اظہارِ وفاداری میں استعمال کریں گے۔ ہمیں یہ کیا علم تھا کہ معشوق کی پہلی ہی نظر اسے اڑا لے جائے گی۔ اور پہلی ہی آزمائش میں ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا۔

۵۔ یہ شعر عشق حقیقی میں ہے۔ فرماتے ہیں سب کے دل میں تیری جگہ ہے یعنی سب تجھ سے محبت کرتے ہیں اور تیرے چاہنے والے ہیں۔ اگر تو مجھ پر مہربان ہؤا تو تمام زمانہ مجھ پر مہربان ہو جائے گا۔ دوست کا دوست بھی بمنزلہ دوست ہوتا ہے ؞

۶۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اگر تمہاری تیز نگاہیں اسی طرح مجھے ضبط رازِ عشق کی تعلیم دیتی رہیں تو لازماً شعلۂ عشق آشیانۂ دل میں اسی طرح نہاں ہو جائے گا جس طرح خون رگہائے جسم میں۔ خس سے مراد یہاں آشیانۂ خس ہے کیونکہ آشیانہ خس سے بنتا ہے اور آشیانہ سے مراد آشیانۂ دل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی گرم نگاہوں اور رعب حسن سے شعلۂ عشق دل میں نہاں ہو جائے گا اور رازِ عشق افسانہ ہو گا ؞

۷۔ معشوق سے خطاب ہے کہ مجھکو باغ میں نہ لے چل ورنہ میری حالتِ زار پہ ہر گُل تر آنسو برسانے والی آنکھ کی مانند ہو جائیگا ؞

۸۔ شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں اگر تیرا میرا انصاف محشر میں بھی نہ ہؤا یعنی اگر روزِ قیامت بھی میری مظلومی کی جزا تیرا و عمال قرار نہ دیا گیا تو مجھکو نہایت سخت صدمہ ہو گا۔ کیونکہ زندگی بھر تو مجھے یہ توقع رہی کہ روزِ جزا ضرور جزا ملے گی ؞

۹۔ اپنے معشوق کو ناداں بتلاتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ اے اسد تو دانا آدمی ہے آخر یہ تو سوچ کہ ناداں کی دوستی میں جان کے نقصان کے سوا اور کیا فائدہ ہے۔ مثل مشہور ہے دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے ؞

(۲۵)

دردِ منت کشِ دوا نہ ہؤا	۱	میں نہ اچھا ہؤا، بُرا نہ ہؤا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	۲	اک تماشہ ہؤا، گِلا نہ ہؤا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں	۳	تو ہی جب خنجر آزما نہ ہؤا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب	۴	گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہؤا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی ۵ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہُوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی ۶ بندگی میں مرا بھلا نہ ہُوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ۷ حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہُوا
زخم گر دب گیا، لہو نہ تھما ۸ کام گر رُک گیا روا نہ ہُوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے ۹ لے کے دل دلستاں روانہ ہُوا
کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہیں
۱۰ آج غالبؔ غزل سرا نہ ہُوا

۱۔ میرا دردِ عشق دوا کا احسان اُٹھانے والا نہ ہُوا اور مجھے صحت نہ ہوئی یہ بُرا نہ ہُوا بلکہ اچھا ہُوا۔ مطلب یہ ہے کہ تکلیف اُٹھا کر مرجانا کسی کے احسان اُٹھانے سے بہتر ہے۔ بقول شیخ سعدیؔ "حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردئی ہمسایہ در بہشت"

۲۔ میرے تمہارے درمیان جو شکوے شکایات ہیں بہتر ہے کہ میں اور تم ہی بیٹھ کر اُن کا فیصلہ کر لیویں۔ تم رقیبوں کو کیوں بلاتے ہو۔ اُن کو تماشہ دکھانے سے کیا فائدہ؟

۳۔ بہتر ہے کہ تو ہی ہمیں خنجر سے قتل کر دے۔ تاکہ ہماری تمنّا پوری ہو جائے۔ اگر تو ہی اپنے خنجر سے ہمیں قتل نہ کریگا تو ہم اپنی قسمت آزمانے کے لئے اور کس کے پاس جائیں کیونکہ ہم تیری ہی محبت میں سرشار ہیں اور تجھ پر ہی ہمارا حق ہے۔

۴۔ بے مزہ نہ ہُوا۔ نہ بگڑا۔ تیرے ہونٹ کتنے شیریں ہیں کہ رقیب بھی جو درحقیقت تیرا عاشق بھی نہیں ہے تیری گالیاں برداشت کر گیا اور نہ بگڑا۔ مرزا صاحب نے اس شعر میں غضب کی فصاحت اور محاورہ بندی دکھائی ہے۔

۵۔ فرماتے ہیں اُن کے آنے کی خبر آج گرم ہے۔ لیکن میرے گھر میں صرف ایک بوریا کا فرش تھا افسوس آج وہ بھی نہ رہا۔ وہ آئیں گے تو نہیں کس فرش پر بٹھاؤں گا۔

۶۔ میری زندگی نمرود کی خدائی تھی کہ اُس سے مجھے سوا نقصان کے کوئی فائدہ نہ پہنچا (یادگارِ غالب) بندگی پر نمرود کی خدائی کا اطلاق اچھوتا خیال ہے۔

۷۔ ہم نے خدا کے عشق میں صرف اپنی جان دی لیکن ہم نے کیا دیا جان تو اُسی کی دی ہوئی تھی گویا ایک امانت تھی جو ہم نے واپس کر دی۔ حق تو یہ ہے کہ ہم اُس کے احسانات اور بخششوں کا کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے اور ہم سے اُس کا کوئی حق ادا نہ ہو سکا۔

۸۔ اگر میرا زخم کچھ دبا تو لہو جاری رہا اور اگر کام رُک گیا تو دوا (اچھا) نہ ہوا مطلب یہ اگر کام کا رُکنا اچھا نہیں تھا تو زخم کے دبنے کے بعد خون بھی بند ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بدنصیبی سے لہو بند نہ ہوا۔

۹۔ یہ دلستانی ہے یا رہزنی ہے کہ دل چھیننے والا دل لیتے ہی چلا گیا۔ مطلب یہ کہ دل لینے والے کو ہم سے راہ و رسم رکھنی چاہیے تھی۔ وہ تو ڈاکوؤں کی طرح دل لیتے ہی غائب ہو گیا۔

۱۰۔ مقطع صاف ہے۔ قابلِ تشریح نہیں۔

(۴۶)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا ۱ گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب ۲ مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی ۳ دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو ۴ مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں ۵ کرے ہے ہر بُنِ مُو کام چشمِ بینا کا

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے ۶ ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے ۷ مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُس کو یاد اسدؔ ۸ جفا میں اُس کی ہے انداز کارفرما کا

۱- اس شعر میں پہلے دوسرے مصرع کے معنی بیان ہونا چاہیئے - دریا کی بیچینی گوہر میں جاتی رہتی یعنی دریا موتی میں سما گیا اگرچہ وہ تنگئی جا کی وجہ سے موجزن نہیں ہو سکتا (دریا سے یہاں مراد وہ قطرۂ دریا ہے جو سیپی میں موتی بن جاتا ہے) اور جزو کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے - لیکن شوق یعنی عشق کو دل جیسی وسیع جگہ میں بھی جہاں تمام دُنیا سما سکتی ہے تنگئی جا کی شکایت ہے - اور اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ گوہر میں سما کر اضطراب دریا محو ہو جاتا ہے - لیکن شوق کی بیقراری دل میں قائم رہتی ہے - پس معلوم ہوا کہ وسعت عشق وسعت دل سے کہیں کچھ زائد ہے - حقیقت یہ ہے کہ اس مطلع میں بھی مرزا صاحب نے ایک نہایت وسیع مضمون کو نہایت دل کش طریق سے بیان فرمایا ہے - مزید برآں دل کی تشبیہ گوہر سے اور شوق کی دریا سے نہایت لُطف دے رہی ہیں - سُبحان اللہ کیا قادر الکلامی ہے +

۲- میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تُو خط کا جواب نہ دیگا - مگر کیا کروں تجھے خط لکھنے کا شوق مجھے مجبور کیا کرتا ہے +

۳- پہلے مصرع میں بہار کی بے ثباتی ظاہر کی ہے - فرماتے ہیں اگر موسم بہار کی مدت اتنی قلیل ہے تو یوں سمجھئے کہ موسم خزاں کے پاؤں کی مہندی ہے جس کا رنگ بہت جلد اُڑ جاتا ہے - دُنیا کا (تھوڑا سا) عیش ہمیشہ کے لئے دل کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں عیش بہت کم اور تکالیف بہت زیادہ ہیں +

۴- غم فراق کی حالت میں مجھے سیر باغ کے لئے مجبور نہ کر دکیونکہ میں (پھولوں کے) خندہ ہائے بیجا پسند نہیں کرتا - شعر کا مطلب یہ ہے کہ غم کی حالت میں دوسروں کا ہنسنا اچھا معلوم نہیں ہوتا - پھولوں کے کھلنے کو پھولوں کے ہنسنے سے استعارہ کیا گیا ہے - اور بیجا اس لئے کہ وہ ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں خواہ ہنسنے کا موقع ہو یا نہ ہو +

۵- اگرچہ میں اتنی معرفت حاصل کر چکا ہوں کہ میرا ہر رونگٹا ایک چشم بینا کا کام دیتا

ہے۔ پھر بھی میں حسن محبوب حقیقی کا راز دار نہ بن سکا۔ یعنی مجھے دیدار الٰہی نصیب نہ ہوا

۶۔ مرزا صاحب جن الفاظ کو پسند فرماتے ہیں انہیں اکثر استعمال فرماتے ہیں۔ مثلاً دماغ۔ نفس۔ شوق۔ آئینہ۔ بوسہ وغیرہ۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو پہلے ہی ناز و ادا میں معشوق کو اپنا دل دے بیٹھے۔ ہم میں حسن کے تقاضا یعنی ناز و ادا کی برداشت ہی نہیں۔ حسن فطرتاً طالبِ عشق ہے اور اس لئے ناز و ادا سے عشاق حاصل کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

۷۔ نہایت لطیف شعر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تو یہ نہ کہہ کہ گریہ حسرت دل کی نسبت سے ہوتا ہے اگرچہ یہ بات درست ہے لیکن میرے حسرت دل کے گریہ کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ دریا کا جمع خرچ میری نگاہ میں ہے یعنی دریا کا جمع خرچ میں جانتا ہوں لیکن میرے حسرتِ دل کے گریہ کی مقدار اُس سے بھی زیادہ ہے۔ دوسرے مصرع کے دوسرے معنی مزید پُر لطف ہیں۔ فرماتے ہیں دریا کا خرچ میری نگاہ یعنی آنکھ میں جمع ہے۔ دریا جس قدر پانی بہاتا ہے اُسی قدر گریہ میری آنکھ میں جمع ہے۔ الفاظ کی نشست سے رنگا رنگ کے معانی پیدا کرنا حضرت غالب ہی کا حصہ ہے۔

۸۔ آسمان کو دیکھنے سے مجھے خدا یاد آتا ہے کیونکہ آسمان کی جفائیں درحقیقت اُس کا قہر ہے۔ آسمان اُس کے حکم کے بغیر کسی پر جفا نہیں کرتا۔ جب آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو خدا یاد آتا ہے کیونکہ جہاں خدا رحیم ہے وہاں قہار بھی ہے۔

(۲۷)

قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا ! خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا ۲ غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پہ ہوا

۱۔ شراب کا قطرہ حیرت کی زیادتی سے نفس پرور نہ ہوا یعنی نہ ٹپکا۔ نفس پرور اس وجہ سے کہا گیا کہ اُس نے وجود کو علیحدہ اور قائم رکھنا چاہا۔ جب نہ ٹپکا تو چھوٹی چھوٹی

بوندوں میں تقسیم ہو گیا - اور پیالے میں ایسا خط بن گیا کہ رشتۂ گوہر معلوم ہونے لگا

۲- مطلب یہ ہے کہ عشق کے اعتبار کی خانہ خرابی دیکھئے کہ اگرچہ آہ غیر نے نکالی لیکن وہ خفا مجھ پر ہُوا - فرماتے ہیں چونکہ معشوق کو میرے عشق کا اعتبار ہو گیا ہے اس لئے سوائے میرے اور کسی کو اپنا عاشق نہیں سمجھتا - اگر رقیب دکھاوٹ کے لئے آہ نکال بھی دیتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں نے ہی آہ کھینچی اور مجھ پر ہی خفا ہوتا ہے

(۲۸)

جب بتقریبِ سفر یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرّہ پہ اک دل باندھا

اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیٔ ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیٔ بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میداں مانگا
عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا

نہ بندھے تشنگیٔ ذوق کے مضموں غالبؔ
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

۱- جب ہمارے محبوب نے سفر کے لئے اونٹ پر محمل باندھا تو ہمارے شوق کی گرمی اور افراط نے راستے میں معیت کے لئے راستہ کے ہر ذرّہ پر ایک دل باندھ دیا - ذرہ کو متحرک اور بیقرار ہونے کی وجہ سے دل سے تشبیہ دی گئی ہے - مطلب یہ ہے جب ہمارا دوست سفر کو چلا تو ہم تو دوست کی اجازت کے بغیر اُس کے ہمرکاب ہو نہ سکے ہم نے ہر ذرّہ پر ایک دل باندھ دیا - یعنی ہر ذرّہ کو اپنا دل تصور کر لیا -

۲- عقلمند شعرا نے معشوق کے آئینہ کے جوہر کو طوطیٔ بسمل سے تشبیہ دی ہے جوہرِ آئینہ کا رنگ سبز ہوتا ہے اس لئے طوطی سے تشبیہ دیا گیا اور حرکت عکسِ آئینہ سے وہ بھی حرکت میں نظر آتا ہے لہذا بسمل کہا گیا - حیرت کدہ سے مراد آئینہ اور شوخیٔ ناز سے مراد معشوق ہے - مرزا صاحب کی تشبیہات میں ندرت بدرجہ غایت ہوتی ہی ہے

۳- ہمت کی عاجزی نے سائل یعنی عاشق کے دل میں ایک طلسم باندھا ہوا ہے اور وہ طلسم یہ ہے کہ یاس اور امید نے لڑائی کا میدان مانگ رکھا ہے یعنی آپس میں لڑ رہے ہیں کبھی دل عاشق میں یاس کو فتح نصیب ہو جاتی ہے کبھی امید غالب آجاتی ہے - یہ عاشق کی ہمت کی کمزوری ہے کہ اُسے کبھی یاس ہے کبھی امید - اگر عاشق کامل ہو اور ہمت میں کمزوری نہ ہو تو یاس کبھی غالب نہیں آسکتی - یاس اور امید کی لڑائی کو طلسم دل سے استعارہ کیا گیا ہے +

۴- یہ شعر مرزا صاحب نے اپنے حسبِ حال تحریر فرمایا ہے - فرماتے ہیں مجھ سے تشنگی ذوقِ سخن کے مضامین نہ بندھ سکے اگرچہ میں نے دریا کو بھی ساحل باندھا - یعنی دریا کو بھی خشک دکھانا چاہا مضامین کا بہت کم حصہ باندھا - لوگ مرزا صاحب سے اُن کی مشکل پسندی کی شکایت کرتے تھے جیسا کہ اُنہوں نے فرمایا ہے "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" - مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں کیا کروں میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں میں ایسے مضمون باوجود کوشش کے بھی نہ باندھ سکا جن میں ذوقِ سخن تشنہ رہے - مرزا صاحب کے عالی دماغ میں مضامین کی اس قدر کثرت ہے کہ وہ ایسا کلام لکھنے سے مجبور ہیں جس میں مضمون کی کمی ہو مضامین کا ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے کہاں تک اس کے جوش کو کم کیا جائے +

(۲۹)

گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا	ملیں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا	ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں

درماندگی میں غالبؔ کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

۱- شعر صاف ہے اور مرزا صاحب زبان کے چٹخارے لے رہے ہیں - فرماتے ہیں میرے جیسا بادہ خوار بزم مے سے اس طرح تشنہ کام یعنی محروم آئے میں نے تو توبہ کی ہوئی تھی ساقی کو کیا ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھے زبردستی نہ پلائی (از یادگار غالب) +

۲۔ معشوق کے ایک ہی تیر نگہ سے میرے دل اور جگر دونو چھد چکے ہیں اور دونو چھد کر ایک ہی مقام پر اکٹھے ہو گئے ہیں وہ دن گئے جب دونو الگ الگ تھے۔

۳۔ اے غالب عاجزی اور کمزوری کی حالت کچھ بن پڑتی نظر نہیں آتی (زمانہ شباب میں) جب مجھے مشکلات کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا تھا جب تو مجھ میں اُن کے دفع کرنے کی طاقت تھی اب (ضعیفی میں) جب مشکلات و مصائب کے رفع کرنے کی طاقت نہ رہی تو مشکلات و مصائب ذرپیش آ رہے ہیں اب ان کا دفعیہ ناممکن ہے۔ گرہ یہاں مشکل کے معنی اور ناخن قوت کے معنی دے رہا ہے۔

(۳۰)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا ۱ بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگیٔ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے ۲ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمرِ ورع بار تو دیتا بارے
۳ کاش رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

۱۔ ہم اگر نہ روتے تب بھی ہمارا گھر ویران ہوتا۔ کیونکہ بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا۔ دُنیا میں دو ہی چیزیں ہیں خشکی یا تری۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نہ روتے تو بھی گھر ویران ہوتا کیونکہ گرفتارانِ عشق کو اپنی ہی خبر نہیں ہوتی۔ گھر کی کیا خبر لیں۔ ہمارا گھر اگر رونے سے نہ بہتا تو ہماری بے خبری سے ویران ہو جاتا۔

۲۔ ہمارا دل اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا۔ اس کا کیا گلا کریں کہ دل تنگ ہے یہ تو ایسا کافر بدنصیب دل ہے کہ کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور گرفتار رہتا۔ تنگی اور پریشانی میں تضاد ہے۔

۳۔ کاش رضوان (دربان بہشت) ہی درِ یار کا دربان ہوتا کیونکہ وہ تمام عمر عبادت کرنے کے بعد تو یار کے مکان میں جانے کی اجازت دے دیتا۔ رضوان جنت میں انہی لوگوں

کو داخل کرے گا جو عابد و پرہیزگار ہوں گے ۔

(۳۱)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۱ ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہُوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا ۲ نہ ہوتا گر جُدا تن سے تو زانو پہ دھرا ہوتا
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا ۳

۱ - جب کوئی چیز نہ تھی تب صرف خدا ہی تھا۔ اور اگر کوئی چیز پیدا نہ ہوتی تب بھی خدا ہی ہوتا۔ مجھ کو تو ہونے نے یعنی ہستی میں آنے نے ڈبویا۔ اگر میں نہ ہوتا یعنی اگر میں نیستی سے ہستی میں آتا تو کیا ہوتا بس خدا ہی ہوتا کیونکہ اگر عالم پیدا نہ ہوتا تو میں بھی پیدا نہ ہوتا اور جب کوئی شے نہ تھی تو خدا ہی تھا لہذا میں بھی خدا ہوتا ۔ الفاظ کے ہیر پھیر سے نئے نئے معانی و مطالب پیدا کرنا مرزا صاحب ہی کا حصہ ہے اور واقعی وہ اپنے زمانے کے خدائے سخن تھے ۔

۲ - جب ہمارا سر غم و الم کے باعث بے حس ہو چکا تھا اور زانو پر دھرا رہتا تھا۔ اسلئے ہمیں اس کے کٹ جانے کا کوئی غم نہیں۔ کیونکہ بیکار ہو چکا تھا ۔ اس شعر میں غم و الم کی افراط کا اظہار فرمایا ہے ۔

۳ - عرصہ گزرا کہ غالب مر چکا لیکن اب بھی یاد آتا ہے کیونکہ اُس کی نگاہ دُنیا و مافیہا کی کوئی وقعت نہ تھی اور ہر بات پر یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ آخر ہر شے کو فنا ہے ہمارا تو ہر ایک تمنا پوری بھی ہو جاتی تو کیا ہوتا۔ آخر فنا! ۔

(۳۲)

یک ذرۂ زمیں نہیں بے کار باغ کا ۱ یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا
بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی ۲ کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خط ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل ۳ کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے ۴ تریاکیٔ قدیم ہوں دُودِ چراغ کا
سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے ۵ پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار ۶ یہ میکدہ خراب ہے مے کے سُراغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
۷
ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

۱- مرزا صاحب کے کلام میں یہ خاص وصف ہے کہ باوجود بلیغ ہونے کے فصاحت سے نہیں گرتا اور سلاست اور روانی قائم رہتی ہے۔ فرماتے ہیں باغ کی زمین کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں (سبزے سے پٹی ہوئی) روشن بھی لالے کے داغ کے لئے (مرہم کی) بتی کا کام دیتی ہے۔ نزاکتِ تخیل ملاحظہ ہو سبزے سے پٹی ہوئی روش کو مرہم زنگار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس راستے پر کون مرزا صاحب کے ساتھ گامزن ہو سکتا ہے۔

۲- اس شعر میں عجزِ حوصلہ کو جاندار ظاہر کیا گیا ہے۔ بیجان چیزوں کو جاندار انسان ظاہر کرنا جسے انگریزی میں Personification کہتے ہیں مرزا صاحب کی خصوصیات سے ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مے عشقِ حقیقی کے بغیر معرفتِ الٰہی کی برداشت کی طاقت کس میں ہے (یعنی کوئی برداشت نہیں کر سکتا) اس لئے پست ہمتی نے پیمانۂ شراب پر خطوط کھینچ دیئے ہیں۔ تاکہ شرابِ محبت کی مقدار تھوڑی تھوڑی بڑھائی جائے۔ اور ساتھ ساتھ علوم الٰہی کی برداشت کی قوت بھی بڑھتی رہے

۳- کاروبار سے یہاں مجنونانہ حرکات مراد ہے۔ فرماتے ہیں پھول بلبل کی مجنونانہ حرکات پر ہنستے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عشق خللِ دماغ کا دوسرا نام ہے (خندۂ گل۔ پھول کے کھلنے کو شعرا خندۂ گل کہا کرتے ہیں)۔

۴- مجھے فکرِ سخن تازہ نہیں ہے یعنی بچپن سے ہی میں فکرِ سخن کا دلدادہ تھا۔ اور میں

چراغ کے دھوئیں کا قدیمی افیونی ہوں۔ یعنی میں ہمیشہ وقت شب چراغ کے سامنے مطالعۂ سخن اور مشقِ سخن کرتا رہا ہوں۔ تریاکی بمعنی افیونی۔ چنڈو باز۔ چنڈو وغیرہ کا نشہ بذریعہ دُود کشی کیا جاتا ہے۔

۵۔ ہم سو بار عشق کی قید سے آزاد ہوئے۔ مگر کیا کریں ہمارا دل فراغت اور آرام کا دشمن ہے یعنی ہمارا دل ہی چاہتا ہے کہ بندِ عشق سے آزاد نہ ہو۔ اُس کے لئے شغل کی ضرورت ہے۔ عشق سے مراد عشقِ مجازی ہے۔

۶۔ بے خونِ دل یعنی آنسوؤں کے بغیر آنکھ میں موجِ نگہ کی بجائے غبار پیدا ہو جاتا ہے۔ (رونے سے آنکھ کا گرد و غبار دُور ہو جاتا ہے) - یہ میکدہ (چشم) ایسا میکدہ ہے جہاں شراب ہونی چاہئے اور شراب کے بغیر اس میں خرابی ہونی لازمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رونا بہت اچھی چیز ہے اس کے بغیر آنکھ کو زینت نہیں۔

۷۔ ابرِ بہار کسی کے دماغ کا خمکدہ ہوگا۔ ہمیں تو اُس سے کوئی فرحت حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارے لئے تو تیرا باغ شگفتہ یعنی حسن شگفتہ نشاطِ دل کی بساط ہے۔ بساط بمعنی فرش۔ مطلب یہ ہے کہ ابرِ بہار سے ہمیں کوئی فرحت نہیں ہوتی۔ ہمارے لئے تو تیرا حسن ہی فرحت کا باعث ہو سکتا ہے۔

(۳۳)

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا	۱	رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا
یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز	۲	چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا
شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ	۳	اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ خرام	۴	رُخ پہ ہر قطرۂ عرق دیدۂ حیراں سمجھا
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخُو ہوگا	۵	نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا
سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی	۶	ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ ، دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

۱۔ معشوق میری پیشانی کے بلوں سے میرے غمِ پنہاں یعنی میری ناراضگی کو سمجھ گیا۔ اور خط کے بھید یعنی دل کے بھید کو عنوان کی بے ربطی یعنی چینِ جبیں سے سمجھ گیا +

۲۔ آئینہ کو صیقل کرتے ہیں تو شروع میں آئینہ پر صیقل سے ایک سیدھی لکیر سے بناتے ہیں جو الف سے مشابہ ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آئینہ دل میں ابھی صیقل کی ابتدا ہی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں عرصہ دراز سے گریباں کو صیقل کرنے کا آلہ سمجھتے ہوئے اپنے سینہ سے وابستہ اور مَس رکھتا رہا۔ لیکن اب میں سمجھ گیا کہ یہ تو درحقیقت گریباں ہی ہے۔ اس لئے میں اب اسے بیکار سمجھ کر چاک کر رہا ہوں۔ صیقل کرنے کا آلہ نصف دائرہ کی شکل کے گریبان سے مشابہ ہوتا ہے +

۳۔ میری دل گرفتگی کے اسباب کی شرح نہ پوچھ۔ بس یہ بتا سکتا ہوں کہ میرا دل اس قدر تنگ ہو گیا ہے کہ میں اُس کو ایک قید خانہ سمجھ رہا ہوں +

۴۔ میری بدگمانی نے نہ چاہا کہ معشوق سرگرمِ خرام رہے کیونکہ چلنے سے اُس کے رُخ پر پسینے آ گئے تھے اور میں پسینہ کے قطروں کو رقیبوں کی آنکھیں سمجھا! اس لئے میں نے معشوق کو زیادہ چلنے سے روک دیا۔ مرزا صاحب کی چابکدستیٔ تخیل بھی حیران کرنے والی ہے۔ بھلا اتنے وسیع مضمون کو ایک شعر میں ادا کرنے کی کس کو دسترس حاصل ہے +

۵۔ اپنی کمزوری سے میں یہ سمجھا کہ وہ بدخو ہو گا۔ تپش کی نبض سے جلانے والی آگ کا اندازہ لگایا۔ مطلب یہ ہے کہ میں اتنا عاجز اور کمزور ہوں کہ معشوق کی ذرا سی بدخوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ سمجھا کہ خواہ وہ اوروں کے لئے بدخو ثابت ہو یا نہ ہو لیکن میرے لئے ضرور ہو گا۔ دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے تپش کی

بغض سے یعنی اپنی حالت سے اُس کے مزاج کو شعلۂ سوزاں سمجھا جس کی تشبیہہ بغض اور عجز سے کیا لطافت پیدا کر رہی ہے۔ بدخوئی کو شعلۂ سوزاں سے تشبیہہ دی گئی ہے

۶۔ سفرِ عشق میں مَیں اتنا کمزور اور واماندہ ہوگیا کہ مجھے آرام کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنے سایہ ہی کو ہر قدم پر شبستاں سمجھنے لگا۔ یعنی ہر قدم پر اپنے سایہ سے آرام پانے کیلئے ٹھہر جاتا تھا۔ کمزوری اور تکان سے سایہ دار درخت تک پہنچنا بھی دشوار ہو جاتا ہے

۷۔ میرا دل مژہ یار سے مرتے وقت تک بھاگنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن یہ میری ناسمجھی تھی۔ مژہ یار تو پیکان قضا کی مانند ہے۔ اور پیکانِ قضا سے کسی کو مفر نہیں ہو سکتی

۸۔ اے اسد تم نے اُس کو وفادار سمجھکر عمداً اپنا دل دیا۔ تم نے بڑی غلطی کی کہ ایک کافر کو مسلمان سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق تو ہمیشہ کافر اور ظالم ہی ہوتے ہیں وہ کب مسلمان اور وفادار ہو سکتے ہیں +

(۳۴)

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا	۱	دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز	۲	پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
سادگی ہائے تمنا یعنی	۳	پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل	۴	نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی	۵	کیوں ترا رہگذر یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی	۶	گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں	۷	دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا
پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال	۸	دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے	۹	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ	۱۰	سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۱- پھر جنونِ عشق کا زور ہؤا اور پھر مجھے دیدۂ تر یعنی گریہ یاد آیا- اور دل و جگر فریاد کی خواہش کرنے لگے ؎

۲- دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گزری تھی اور جو اُس کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی وقفہ ہو جاتا ہے اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے (از یادگار غالب)

۳- معشوق کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی تو وہ عاشقوں کو نگاہِ قہر سے دیکھا کرتا ہے اور کبھی اس خیال سے کہ عشاق مایوس ہو کر علیحدگی اختیار نہ کر لیں- اُن پر نظرِ مہر و التفات کیا کرتا ہے- اسی لئے معشوق کو نیرنگ نظر فرمایا ہے- مطلب شعر یہ ہے کہ یہ میری تمنا کی سادگی ہے کہ مجھے پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا- یعنی اُس کی نگاہ مہر میں وہ اثر ہے کہ نگاہ قہر کی کلفت دُور ہو کر دلِ عاشق میں امید پیدا کر دیتی ہے- شعر میں فصاحت کے ساتھ بلاغت بھی حد درجہ ہے ؎

۴- قاعدہ ہے کہ نالہ کرنے سے دل کا بوجھ کم ہو جایا کرتا ہے- اس لئے نالہ کرنا دل کی حسرت ہوتی ہے- مرزا صاحب فرماتے ہیں دل کی حسرت پوری کرنے کے لئے نالہ کیا چاہتا تھا کہ مجھے جگر یاد آیا کیونکہ جگر پہلے ہی فراق کے صدموں سے زخمی ہو چکا تھا نالہ کرتا تو پیکانِ نالہ زخمِ جگر کو اور گہرا بنا دیتا اس لئے نالہ کرنے سے عاجز رہا ؎

۵- زندگی یوں ہی گذر جاتی- یعنی زندگی بسر کرنے کے لئے اور بھی مشاغل ہو سکتے تھے مجھے تو اس امر کا افسوس ہے کہ تیرا کوچہ کیوں یاد آیا- نہ تیرے کوچے میں جاتا نہ گرفتارِ عشق ہوتا- نہ بے انتہا مصائب کا شکار ہوتا ؎

۶- اے معشوق اگر جنت میں تیرا گھر یاد آیا تو رضواں سے ہماری خوب لڑائی ہو گی کیونکہ ہم اُس سے کہیں گے کہ تمہارے بہشت سے تو ہمارے معشوق کا گھر بدرجہا بہتر ہے- اور وہ بہشت کی مذمت کب برداشت کریگا- لہذا ہم دونو کی خوب لڑائی ہو گی-

مرزا صاحب کی پروازِ فکر کی تیزی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک لمحہ میں زمین سے بہشت اور بہشت سے زمین تک کا سفر طے ہو جاتا ہے۔

۷۔ فرماتے ہیں اب ہم میں وہ پہلے جیسی جرأت فریاد نہیں کیونکہ دل بے وفا ثابت ہوا اور معشوق کی طرفداری کرنے لگا۔ ہم فریاد کیا چاہتے ہیں لیکن دل اس خیال سے کہ معشوق بدنام نہ ہو جائے ہمیں فریاد کرنے سے روکتا ہے۔ اس لئے دل سے تنگ آ کر ہمیں جگر یاد آیا کہ جگر ہی سے نالہ کیا جائے۔

۸۔ پھر ہمارا خیال تیرے کوچہ کی طرف جاتا ہے۔ شاید ہمیں کھوئے ہوئے دل کی یاد نے ستایا۔ مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بار بار بے عزتی سے نکالے جانے کے بعد ہم نے یہ عہد کر لیا تھا کہ تمہارے کوچے میں جانا تو کیا ہم تمہارے کوچہ کا خیال بھی نہ کرینگے۔ لیکن ہمیں اپنا کھویا ہوا دل یاد آ گیا اس لئے تمہارے کوچے کا خیال بھی یاد آ گیا کیونکہ ہم نے اپنا دل وہیں کھویا تھا۔

۹۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے گھر کی ویرانی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ جنونِ عشق ہمیں دشت میں لے آیا تھا کیونکہ مجنوں ہمیشہ آبادی میں رہنے سے گھبراتا ہے اور دشت میں رہنا چاہتا ہے۔ مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں جنونِ عشق سے تنگ آ کر دشت میں پہنچا تو مجھے گھر یاد آیا کیونکہ میرا گھر دشت سے بھی زیادہ ویران تھا اور میں نے اپنے گھر کو دشت پر ترجیح دی۔

۱۰۔ اے اسد بچپن میں میں نے بھی دوسرے لڑکوں کی پیروی میں ایک مجنوں کو پتھر مارنا چاہا تھا کہ اپنا سر یاد آیا یعنی مجھے خیال آیا کہ کوئی تیرے سر میں نہ پتھر مار دے۔ مطلب یہ کہ بچپن میں ہی میرے دماغ میں جنون کے جراثیم موجود تھے۔

(۳۵)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا ، آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلا ۲ اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں ۳ کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں تھی ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد ۴ ہاں کچھ اک رنج گرانباریٔ زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا ۵ بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اُس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی ۶ گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا ۷ نالہ کرتا تھا و لے طالبِ تاثیر بھی تھا

پیشہ میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام ۸ ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی ۹ آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ۱۰ آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب
۱۱ کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

۱۔ معشوق سے فرماتے ہیں کہ آپ جو میرے مکان پر دیر سے تشریف لائے اور وقتِ معینہ پر نہ آسکے اس کی کوئی وجہ ضرور ہے۔ اور وہ وجہ لازماً یہی ہو گی کہ آپ تو وقت پر تشریف لانا چاہتے تھے مگر رقیب آپ کو روک رہا تھا ۔ (عناں گیر۔ باگ پکڑنے والا یعنی روکنے والا)

۲۔ معشوق کو الزام سے بچانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرا تم سے اپنی تباہی کا گلا کرنا بیجا ہے۔ میری تباہی کا موجب میری تقدیر کی برائی تھی۔ خوبیٔ تقدیر سے یہاں بدنصیبی مراد ہے ۔

۳۔ معشوق سے خطاب ہے کہ شائد تو مجھے بھول گیا ہو۔ کیونکہ تو تو روزانہ مجھ جیسے سینکڑوں شکار کرتا ہے اس لئے میں تجھے اپنا پتہ بتلا دوں کہ میں بھی کبھی تیرے فتراک میں بحیثیت شکار بندھا تھا۔ چونکہ تو لاکھوں شکار کر چکا ہے اس لئے تیرے کیا یاد

ہوگا کہ میں بھی تیر اشکار رہوں ۔ فتراک اُس رسّی کو کہتے ہیں جو شکار باندھنے کے لئے گھوڑے کے زین میں باندھ لیتے ہیں ۔

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تیرے وحشی یعنی تیرے دیوانے کو لوگوں نے قید میں ڈال دیا ۔ مگر قید میں بھی مجھے تیرے زلف کی قید ہی یاد رہی کیونکہ زنجیر کے بوجھ کی تکلیف اس کے مقابلہ پر بہت تھوڑی تھی ۔

۵۔ معشوق سے خطاب ہے کہ آپ آئے اور اُسی لمحہ چلے گئے گویا میری آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی کوندی اور غائب ہو گئی ۔ میں تو اس امر کا متمنی تھا کہ آپ کچھ دیر تشریف فرما رہتے ۔ بات چیت ہوتی ۔ گلے شکوے کرتا تو کچھ دل کی بھڑاس نکلتی ۔

۶۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے اس کو یوسف کہدیا یعنی یوسف سے تشبیہ دیدی بڑی خیر ہوگئی کہ اُس نے مجھے کچھ نہ کہا ۔ اگر بگڑ بیٹھتا تو میں سزا کے لائق بھی تھا معشوق کے بگڑنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں اوّل یہ کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یوسف سے بہت زیادہ حسین خیال کرتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ حضرت یوسف نے بڑی صعوبتیں اور ذلتیں برداشت کیں ۔ عرصے تک قید خانے میں رہے ۔ مدت تک بحیثیت غلام رہنا پڑا ۔ اُن کی عصمت پر الزام لگایا گیا وغیرہ وغیرہ ۔ مطلب یہ کہ حضرت یوسف سے تشبیہ دے کر میں نے اُن کی توہین کی (معاذ اللہ)

۷۔ مطلب واضح نہیں فرمایا لیکن یہی مطلب ہوگا کہ غیر کو فریاد و فغاں کرتے ہوئے دیکھ کر میرا کلیجہ کیوں نہ ٹھنڈا ہو ۔ کیونکہ میں اپنے نالوں کی تاثیر چاہتا تھا اور اب میرے نالے کارگر ہو گئے ۔

۸۔ ہم فرہاد کے پیشۂ کوہکنی میں عیب نہیں نکالتے نہ فرہاد کو نام رکھتے ہیں ۔ وہ جواں مرگ بھی ہم ہی آشفتہ سروں یعنی عاشقوں میں سے تھا ۔ عشق کی مجبوری سے اگر اُس نے کوہکنی بھی کی تو کیا عیب ہو گیا ۔ عاشق کو تو اس سے بھی زیادہ ذلیل کام کرنے پڑتے ہیں

جواں میر یعنی جواں مرگ اسم فاعل ہے۔ اسم اور امر کے ملانے سے (جواں + میر) میر امر ہے مُردن فعل سے ٭

۹۔ فرماتے ہیں ہم تو (مقتل میں) مرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ ہمارے نزدیک بھی نہ آیا۔ خیر اس کی بھی ہمیں کوئی شکایت نہیں نہ آیا نہ سہی۔ لیکن اُس کے ترکش میں تیر تو تھے۔ ہم پر کوئی تیر ہی چلا دیتا تو ہمارا مدعا حاصل ہو جاتا ٭

۱۰۔ مرزا صاحب کی شوخ طبعی و ظرافت اُن کے اکثر اشعار میں جھلک دکھاتی ہے فرماتے ہیں ہم فرشتوں کے لکھنے پر ناحق قصوروار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ فرشتے تو غیر جنس ہیں اُنہیں ہم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ غلط لکھ دیں صحیح لکھ دیں کم لکھ دیں زیادہ لکھ دیں۔ ہمارے اعمال لکھنے کے لئے آدمی مقرر ہونے چاہیئں تھے۔ تاکہ وہ درست طور پر لکھتے کیونکہ اُنہیں انسانوں کی مجبوریاں معلوم ہوتی ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ کونسا فعل واقعی گناہ ہے ٭

۱۱۔ ریختہ اُردو شاعری کو کہتے ہیں۔ شعر صاف ہے۔ اس شعر میں میر کو بھی ریختہ کا اُستاد تسلیم کیا ہے ٭

(۳۶)

لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا ۔ ۱ زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی
۲
مَیں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

۱۔ میں پیاس میں مرنے والوں یعنی عشق میں ناکامیاب مرنے والوں کا لب خشک ہوں اور اس لئے دل آزردگاں یعنی عاشقوں کا زیارت کدہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میں ناکامیاب مرے ہوئے عاشقوں کی نشانی ہوں اور اس لئے زندہ عاشقوں کے لئے زیارت گاہ ہوں ٭

۲۔ میں ہمہ تن نا اُمیدی اور بدگمانی ہوں کیونکہ میں اُن عاشقوں کا دل ہوں جو معشوق سے وفا کا دھوکہ کھا چکے ہیں یعنی جو یہ سمجھتے رہے کہ معشوق وفادار ثابت ہوگا اور معشوق بے وفا ثابت ہؤا۔ مطلب یہ ہؤا کہ چونکہ میں معشوق کو وفادار سمجھنے میں دھوکا کھائے ہوئے ہوں اس لئے ہمہ تن نا اُمیدی اور بدگمانی ہے۔ میرے خیال میں معشوق سے وفا کی اُمید رکھنی سخت غلطی ہے ؁

(۳۷)

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہؤا تھا	۱ اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہؤا تھا
چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قضا نے	۲ خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہؤا تھا
توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے	۳ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہؤا تھا
جبتک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم	۴ میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہؤا تھا
میں سادہ دل آزردگیٔ یار سے خوش ہوں	۵ یعنی سبقِ شوق مکرر نہ ہؤا تھا
دریائے معاصی تنک آبی سے ہؤا خشک	۶ میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہؤا تھا

جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مرے تحصیل
آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہؤا تھا

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اے ستمگر تو کبھی بھی کسی کا دوست نہیں ہؤا۔ پہلے مجھ پر ستم روا رکھتا تھا اب اوروں پر ایسے سخت مظالم کر رہا ہے کہ مجھ پر بھی نہیں کئے تھے اس شعر میں ایک تو یہ بتلایا گیا ہے کہ ظلم وستم کرنا معشوق کی فطرت ہے ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش ایں است

دوسرے مرزا صاحب اس امر کا افسوس کر رہے ہیں کہ معشوق نے اب مجھ سے قطع تعلق کر کے رقیبوں سے تعلق کر لیا ہے۔ اور حالانکہ معشوق اب زیادہ ظلم وستم کر رہا ہے لیکن مرزا صاحب کو ملال ہے کہ کاش معشوق مجھ سے قطع تعلق نہ کرتا خواہ وہ

ظلم بھی جو رقیب برداشت کر رہے ہیں مجھے بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

۲۔ حکیم عطا نے ایک عرصے کی کاوش کے بعد بہت سے مصالحہ جات سے ایک چاند تیار کیا تھا اور اُسے چاہ نخشب سے برآمد کیا تھا یا چھوڑا تھا۔ اُس چاند کی روشنی صرف بارہ کوس تک ہوتی تھی اور وہ تھوڑے سے ہی عرصے کے بعد بیکار ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اصلی چاند کے مقابلے کا تیار نہ ہوا تھا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ دستِ قدرت نے بھی خورشید کو اسی طرح گردش کرنے کے لئے چھوڑا ہوا ہے اور وہ بھی اصل خورشید یعنی رُوئے یار کے مقابلہ کا ثابت نہ ہو سکا اور ایک مدت بعد بیکار ہو جائیگا۔ اس شعر میں مبالغہ بیجد ہے لیکن عاشق کی نگاہ میں رُوئے یار خورشید سے بدرجہا زیادہ منوّر اور روشن ہوتا ہے۔

۳۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے حد درجے کا کمال دکھایا ہے۔ اگرچہ مطلب غور کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں مدد غیبی ہمّت اور حوصلہ کے مطابق ہوتی ہے۔ گوہر بھی پانی کا قطرہ ہے۔ اور آنکھ کا آنسو بھی پانی کا ایک قطرہ ہے۔ لیکن گوہر وہ قطرہ ہے جو ابرِ بہاری یعنی بلندی سے پستی کی طرف دریا کے دل میں گرا اور اس وجہ سے وہ نظروں سے اوجھل اور دریا کی تہ کی ناریکیوں میں پڑا ہوا ہے۔ برخلاف اس کے آنکھ کا آنسو وہ قطرہ ہے جو دریائے دل سے نکل کر بلندی کی طرف چلا اس لئے قدرت نے اُس کی ہمّت کے مطابق اُس کی مدد کی اور اُس کو ایسی عزت بخشی کہ اُس کا مقام آنکھ قرار دیا یعنی آنکھوں پر بیٹھایا۔ پستی کی طرف جانے والا قطرہ آنکھوں سے اوجھل کر دیا جاتا ہے۔ اور بلندی کی طرف جانے والا قطرہ آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔

۴۔ جب تک میں نے معشوق کے قد کی درازی اور فتنہ انگیزی نہ دیکھی تھی میں فتنۂ محشر کا قائل نہ ہوا تھا۔ قیامت کا دن بڑا لمبا دن ہوگا اور اُس روز دُنیا؛ مافیہا تہ و بالا ہو جائیگی فرماتے ہیں۔ یار کا دراز قد اور اُس کی فتنہ انگیزی دیکھ کر مجھے قیامت کے آنے کا یقین ہوا

اس سے پیشتر نہ ہؤا تھا ؞

۵- فرماتے ہیں میں ایسا احمق ہوں کہ یار کی ناراضگی سے بھی خوش ہو گیا - اور میں نے یہ سمجھا کہ دوبارہ جب یار رضامند ہو جائیگا تو پھر عشق کا سبق دوہرایا جائیگا اور میرے دل کو دوبارہ لذت دردِ عشق حاصل ہو گی - لیکن یہ میرا ایک احمقانہ اور مجنونانہ خیال ہے - اُس کا رضامند ہونا دُشوار ہے ؞

۶- تردامنی گنہگاری کو کہتے ہیں - شعر کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اتنا فراخ ہے کہ دریائے معاصی خشک ہو گیا اور میرے دامن کا پلّہ بھی ابھی تر نہ ہؤا تھا - (یادگارِ غالب) مطلب یہ ہے کہ میں تمام گناہوں کا مرتکب ہو چکا لیکن ابھی میری طبیعت کو بالکل سیری نہیں ہوئی - یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں خدائے غفّار کی رحمت کو اتنا وسیع سمجھتا ہوں کہ اُس کے مقابلے میں میرے گناہ بہت تھوڑے ہیں ؞

۷- اے اسد میں اُس وقت سے اپنے داغِ جگر سے فائدے یعنی لذّتیں حاصل کر رہا ہوں جبکہ آتشکدہ سمندر میں پیدا بھی نہ ہؤا تھا ؞ جاگیر - جائداد ؞ آتشکدہ - وہ مقام جہاں پارسی لوگ آگ جمع رکھتے ہیں ؞ سمندر - ایک کیڑا جو ہمیشہ آگ میں رہا کرتا ہے تحصیل سے مراد دردِ عشق کی لذّتیں ؞

(۳۸)

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا ۱ رشتۂ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا
مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا ۲ کس قدر یا رب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا
حاصلِ اُلفت نہ دیکھا جُز شکستِ آرزو ۳ دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

کیا کہوں بیمارئ غم کی فراغت کا بیاں
۴
جو کہ کھایا خونِ دل بے منّتِ کیموس تھا

۱- رات کے وقت جبکہ معشوق حیا کی محفل خلوت میں محفل کو رونق بخش رہا تھا -

یعنی جلوہ افروز تھا۔ تو ہر شمع کا تاگہ فانوس کے خلاف کا کانٹا بنا ہوا تھا یعنی شمع آتش حسد کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ مطلب یہ کہ حسنِ معشوق حسنِ شمع سے بدرجہا افضل تھا اور شمع آتش حسد سے سُلگ رہی تھی ÷

۲۔ عاشق کی جائے قتل سے کوسوں دُور تک حنا اُگتی ہے۔ یارب عاشق کس درجہ معشوق کی پابوسی کا آرزو مند (ہلاک) تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق صادق کی تمنا مرنے کے بعد پوری ہو رہی ہے۔ چونکہ زندگی میں عاشق کو پابوسی یار میسّر نہ آئی تھی اس لئے فطرت نے اُس کے خون میں یہ تاثیر بخشی کہ کوسوں دُور تک حنا پیدا ہوتی ہے اور اُس کے خون سے پیدا ہوئی حنا معشوق کی پابوسی کر رہی ہے ÷

۳۔ عشق کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ دیکھا کہ آرزوئیں خاک میں مل جاتی ہیں دو دلوں کا ملنا گویا اِک لبِ افسوس کا ظاہر ہونا ہے۔ جب انسان کو کسی امر کا افسوس ہوتا ہے تو وہ اپنے لب دانتوں کے نیچے دبا لیتا ہے اور دونو لب ایک لب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حاصل عشق جز غم و افسوس اور کچھ نہیں ÷

۴۔ بیماری غم یعنی مرضِ عشق میں فارغ البالی کا کیا حال بیان کروں۔ جو کچھ میں نے کھایا اس سے بے منت کیموس خونِ دل حاصل ہوتا تھا۔ یعنی جو کچھ بھی میں کھاتا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ خونِ دل کھا رہا ہوں۔ خونِ دل کھانا محاورہ ہے یعنی غم و غصہ کھانا کیموس ہضم جگر یعنی ہضم دوم کو کہتے ہیں جہاں غذا سے اخلاط اربعہ بلغم۔ صفرا۔ خون۔ سودا بنتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مرضِ عشق میں غم غذا ہوتی ہے یعنی عاشق کو بہت زیادہ غم و الم اُٹھانا پڑتا ہے ÷

(۳۹)

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے ۱ صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے ۲ اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

۱۔ معشوق سے فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنا دل کسی کو نہ دینے پر کتنا غرور تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب آپ کا غرور ٹوٹ گیا اور آپ آئینہ دیکھ کر خود اپنے اوپر ہی عاشق ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے یعنی شرمندہ ہو گئے ؎

۲۔ اس شعر کے بیان میں عجیب لطف پیدا کیا ہے اور مرزا صاحب کو اپنی تمنا پورا کرنے کا خوب بہانہ ہاتھ آیا ہے۔ فرماتے ہیں آپ قاصد کے خون کا بار اپنی گردن پر نہ لیں کیونکہ اول تو قاصد کا مارنا روا نہیں دوسرے وہ بے گناہ ہے اُس کی کوئی خطا نہیں یہ میرا قصور ہے آپ میری گردن مار دیں۔ اس بہانے سے مرزا صاحب معشوق کو قتلِ بے گناہ سے بچانے اور اپنی آرزو پوری کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں ؎

(۴۰)

۱ عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۲ جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے ہوئے — ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا

۳ مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں — شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

۴ بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے — یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

۵ وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

۶ گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار — لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

۷ دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں — حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسدؔ
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۱۔ میرا دل عشق کے (دربار میں) پیشکش کئے جانے کے قابل نہیں رہا۔ کیونکہ میرا دل جس پر مجھے پہلے ناز تھا اور پہلے وہ پیشکش کئے جانے کے قابل بھی نہ تھا اب ویسا دل نہیں رہا۔ مطلب یہ کہ غم و الم نے میرے دل کو بیکار بنا دیا ہے ؎

۲- میں (دُنیا سے) زندگی کی حسرت کا داغ لئے ہوئے جارہا ہوں - یعنی میں ابھی دُنیا میں اور زندہ رہنا چاہتا تھا - میں شمعِ کشتہ کی مانند ہوں اور محفلِ دُنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہا - شمع کے جل جانے کے بعد ایک دو لمحہ تک اُس کا جلا ہوا تاگا روشن رہتا ہے اُس کے تاگے کی روشنی کو شمع کا داغِ حسرت تصوّر کیا گیا ہے *

۳- اے دل اب مرنے کی کچھ اور ہی تدبیر سوچ - کیونکہ قاتل تو مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرنا اپنی شایانِ شان نہیں سمجھتا - اگر اُسے قتل کرنا منظور ہوتا تو کبھی تو میری حالت پر رحم کرتا - اب تو مجھے مایوسی ہو گئی - اب مرنے کی کوئی اور تدبیر سوچنی چاہئے کیونکہ ہجرِ یار کے مزید صدمے برداشت نہیں ہو سکتے *

۴- شش جہت - چھ طرف (مشرق - مغرب - شمال - جنوب - نیچے - اُوپر) آئینہ کا دروازہ ہر ایک طرف کھلا ہوا ہے - یعنی آئینہ ہر ایک سمت کی چیزوں کو یکساں دیکھتا ہے مطلب یہ کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آجائے گی اُسی کا عکس قبول کرے گا خواہ وہ چیز اچھی ہو یا بُری - چھوٹی ہو یا بڑی - دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ یہاں یعنی دُنیا میں اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں رہی - مطلب یہ کہ دُنیا اور اہلِ دنیا آئینہ کی مثل ہیں جس طرح آئینہ ہر ایک چیز کو عکس یکساں قبول کر لیتا ہے اسی طرح اہلِ دُنیا بھی اچھے اور بُرے میں تمیز نہیں کر سکتے اور سب کو یکساں سمجھتے ہیں *

۵- عشقِ صادق نے حُسن کے نقاب کے بند کھول دئے یعنی عاشقِ صادق کے سامنے معشوق بے نقاب ہو جاتا ہے اور عاشق اور معشوق کے درمیان نگاہ کے سوائے اور کوئی چیز حائل نہیں رہتی مطلب یہ کہ عاشقِ صادق کا دل آئینۂ جمالِ یار ہے وہ جب چاہے حُسنِ یار کا دیدار کر سکتا ہے ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس شعر میں بھی شوق سے مراد عشق ہے *

۶- معشوق حقیقی سے عرض ہے اگرچہ میں مُبتلائے غمِ روزگار رہا۔لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا۔یعنی تیرا خیال کبھی میرے دل سے محو نہیں ہُوا ۔

۷- اب دل سے وفا کی کھیتی کی خواہش جاتی رہی کیونکہ تجربہ نے یہ بات بتا دی ہے کہ وفا کی کھیتی میں پیداوار کی حسرت کے سوا اور کوئی پیداوار نہیں ہوتی۔مطلب یہ ہے کہ وفا کا بدلہ حسرت و افسوس کے سوائے اور کچھ نہیں ملتا ۔

۸- اے اسد میں بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا۔مگر جس دل پر مجھے ناز تھا اور جو بیدادِ عشق اُٹھایا کرتا تھا اب وہ دل میرے پاس نہیں رہا۔بلکہ وہ دل غم و آلام سے ایک بیکار سی چیز بن گیا ہے ۔

(۴۱)

رشک کہتا ہے اُس کا غیر سے اخلاص حیف ، عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

ذرّہ ذرّہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے ۲ گردشِ مجنوں بچشمکہائے لیلا آشنا

شوق ہے سامان طرازِ نازشِ اربابِ عجز ۳ ذرّہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیئے ۴ میرا زانو مُونس اور آئینہ تیرا آشنا

مَیں اور اِک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے ۵ عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کوہکن نقّاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ

۶

سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

۱- میں اپنے رشک کی وجہ سے تو غیر سے اُس کی محبّت پر افسوس کرتا ہوں۔مگر میری عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ وہ بے مہر کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔اُس کی محبّت ناقابلِ اعتبار ہے

۲- دُنیا کا ذرہ ذرہ انقلاب کے میخانے کا ساغر ہے۔یعنی دُنیا میں نیرنگی اور انقلاب ایک لازم چیز ہے اور یہ سب کچھ معشوق حقیقی (خدا) کے حکم سے ہو رہا ہے جیسا کہ مجنوں کی گردش یعنی مجنوں کا ہر ایک کام لیلے کے اشارے سے ہوتا تھا۔یعنی مجنوں کے ہر

مجنونانہ فعل کا سبب لیلیٰ ہی تھا۔ ذرّہ ذرّہ ساغرِ میخانہ نیرنگ ہے یعنی ذرّے ذرّے میں انقلابی کیفیت بھر دی گئی ہے ٭

۳۔ اربابِ عجز یعنی عاشقوں کے لئے عشقِ حقیقی فخر و مرتبہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح کہ ذرّہ صحرا میں پہنچکر صحرا اور قطرہ دریا سے ملکر دریا ہو جاتا ہے اسی طرح عاشقان حقیقی عشق کے وسیلے سے محبوبِ حقیقی کی ذات سے مل جاتے ہیں۔ من تو شدم تو من شدی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے ٭

۴۔ مطلب یہ ہے کہ میرا پالا ایک آفت کے ٹکڑے یعنی دلِ وحشی سے پڑ گیا ہے۔ جو میری عافیت کا دشمن ہے اور جس نے مجھے آوارہ مزاج بنا دیا ہے ٭

۵۔ معشوق سے خطاب ہے کہ ہم دونو کو ایک دوسرے سے رشک کا شکوہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہم دونو مساوی حالت میں ہیں۔ میرا مونس زانو یعنی میں ہر وقت سر بہ زانو رہتا ہوں اور آئینہ دل میں تمہارا جلوہ دیکھتا رہتا ہوں اور تم بھی ہر وقت آئینہ میں اپنے حسن کا جلوہ دیکھتے رہتے ہو ٭

۶۔ اے اسد کوہکن فرہاد شیریں کی ایک تصویر کا نقّاش تھا۔ پتھر سے سر مارنے سے آشنا پیدا نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ کوہکن جو کوہ بیستون کو کاٹ رہا تھا اُس کی غرض یہ تھی کہ پتھر تراش کر شیریں کا بُت بنا لوں لیکن پتھروں سے سر مارنے سے دوست کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ (دوست کی تصویر تو ہر وقت آئینۂ دل میں رہتی ہے) ٭

(۴۲)

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا ۱ بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا
مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب ۲ آج ہی ہُوا منظور اُن کو امتحاں اپنا
منظر اک بلندی پہ اور ہم بنا سکتے ۳ عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا
دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے ۴ بارے آشنا نکلا اُن کا پاسباں اپنا

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں ۵ انگلیاں فگار اپنی خامہ خُونچکاں اپنا
گھِستے گھِستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا ۶ ننگِ سجدہ سے میرے سنگِ آستاں اپنا
تا کرے نہ غمّازی کر لیا ہے دُشمن کو ۷ دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا
ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
۸
بے سبب ہُوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

۱- میں نے جو معشوق کے حسن کی تعریف کی۔ تو جو شخص میرا محرمِ راز اور ہمنشیں تھا وہ بھی سُنکر میرا رقیب بن گیا اس واسطے کہ اوّل تو ایسے پریوش کی تعریف تھی اور وہ بھی مجھ جیسے جادو بیاں کی زباں سے۔ پہلے مصرعہ کا دوسرا رُکن لیعنی اور پھر بیاں اپنا یہ مرزا صاحب کی خصوصیّات میں سے ہے (از یادگار غالب)

۲- وہ محفلِ غیر میں بہت شراب کیوں پیتے اگر انہیں آج اپنی عالی ظرفی کا امتحان منظور نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے میری بدقسمتی سے آج ہی جبکہ وہ محفل غیر میں تھے انہیں اپنی عالی ظرفی کا امتحان منظور ہوا اور اس لئے وہ بہت زیادہ شراب پی گئے اور بیخود ہو گئے۔ اور رقیب کو اُن کا وصل حاصل ہو گیا۔ کاش وہ میرے گھر آتے اور اس طرح شراب پی کر بے خود ہوتے ؛

۳- ہمارا مکان یعنی ہمارا مقام عرش پر ہے لیکن کاش ہمارا مقام عرش سے ادھر یعنی عرش سے کچھ نیچے ہوتا تاکہ ہم بلندی کی طرف دیکھ سکتے (منظر بنا سکتے) مطلب یہ ہے کہ ہمارا تخیّل اتنا بلند ہے کہ اُس سے زیادہ بلند ہونا ممکن نہیں رہا اور ترقی مسدود ہو گئی ہے ؛

۴- وسیع مضامین کو ایک شعر میں سما دینا اور اُس کو اچھوتے ڈھنگ سے باندھنا مرزا صاحب کا خاص وطیرہ ہے۔ فرماتے ہیں خوب ہُوا کہ معشوقِ کا پاسبان ہمارا جان پہچان نکلا۔ اب ہمارے لئے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ذلّت ہم کو دے

ہم اُس کو ہنسی میں ٹالتے رہیں گے اور یہ ظاہر کرینگے کہ وہ ہمارا قدیم آشنا ہے۔ ہمارا اس کا قدیم سے یہی برتاؤ ہے (یادگار غالب)۔

۵۔ میں معشوق کو اپنے دل کے درد کا حال کب تک لکھ سکوں گا۔ لکھتے لکھتے میری انگلیاں زخمی اور قلم خونچکاں ہو گیا اور دردِ دل کا قصہ ختم نہ ہوا۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ میں خود اُن کے پاس جاکر فگار انگلیاں اور خامہ خونچکاں دکھلا دوں اس سے وہ میرے دردِ دل کے حال کا اندازہ لگا لیں گے کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکا۔

۶۔ آپ نے اس خیال سے کہ آپ کے آستاں کا پتھر میرے سجدہ کرنے سے نجس ہو گیا تھا اپنا سنگِ آستاں عبث بدل دیا۔ کیونکہ وہ میرے سجدوں سے گھس گھس کر آپ ہی ہٹ جاتا۔

۷۔ ہم نے معشوق کی شکایت کرنے میں رقیب کو اپنا ہم آواز بنالیا ہے تاکہ وہ ہماری چغلی نہ کھائے۔ غمازی۔ چغل خوری۔

۸۔ اے غالب ہم ایسے کہاں کے عقلمند اور ہنر مند تھے۔ آسمان بے سبب ہمارا دشمن ہو گیا۔

۴۳

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے ۱ کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
۲
تیرے چہرہ سے عیاں ہو غمِ پنہاں میرا

۱۔ فرماتے ہیں میرا کلام سرمۂ مفت نظر ہے اور اس کی قیمت چشم خریدار پر احسان ہے مطلب یہ کہ میرا کلام لوگوں کو سخن سنجی اور سخن فہمی سکھلاتا ہے۔

۲۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اے ظالم مجھے نالہ کرنے کی اجازت دے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ضبطِ نالہ سے مرجاؤں اور پھر تیرے چہرے سے میرا غمِ پنہاں ظاہر ہو۔

(۴۴)

غافل بہ وہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں ۱ بے شانۂ صبا نہیں طرّہ گیاہ کا

بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ ۲ صید ز دام جستہ ہے اس دامگاہ کا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے ۳ شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے ۴ پرگل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

جاں درہوائے یک نگہ گرم ہے اسد

۵ پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

۱- انسان غافل اپنے ناز و فخر کے خیال سے خود آرا ہے یعنی شیخی بگھارتا ہے کہ میری عقل و فہم کے سبب یہ کام ہو گیا حالانکہ اس جہاں میں ایک طرۂ گیاہ بھی شانۂ صبا (حکم الٰہی) کے بغیر نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کام خدا کے حکم سے ہوتا ہے انسان ضعیف العقل کچھ نہیں کر سکتا۔

۲- قدح یعنی پیالہ مراد شراب۔ مطلب یہ ہے کہ بزم شراب سے عیش کی تمنا نہ رکھ کیونکہ اس بزم کا رنگ ایسا شکار ہے جو دام سے بھاگ چکا ہے۔ یعنی بزم عیش کے رنگ کو ثبات حاصل نہیں۔

۳- ہم ایسے گناہگار ہیں کہ شرمندگی کی وجہ سے عذر بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن رحمت خداوندی سے بعید نہیں کہ وہ ہمارا شرمندگی سے عذر نہ کرنا ہی عذر گناہ شمار کر لیوے اور ہمارے گناہ معاف کر دیوے۔

۴- میں مقتل میں کیسی خوشی سے جا رہا ہوں گویا میں اپنے خیال میں اپنے نگاہ کے دامن کو زخموں کے پھولوں سے بھرا ہوا دیکھتا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ میں ناز معشوق کے ہاتھ سے زخمی ہو کر قتل ہو جاؤں گا۔

۵- اسد تیری نگاہ مہر کی آرزو میں جان دینے کو تیار ہے۔ اور تیرے سے داد خواہ لینی

اسد کا وکیل پروانہ ہے جو شمع پر قربان ہو کر اسد کی وکالت کریگا - اسد بھی چاہتا ہے کہ ایک نگاہِ کرم ڈال کر اُس کی آرزو پوری کر اور اُس کی جان کی قربانی قبول فرما ؞

(۴۵)

جَور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پُوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

۱- وہ جفا کرنے سے باز آگئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باز نہیں آسکتے کیونکہ اُنہوں نے مجھ پر جفائیں نہ کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے تم پر بہت جور کئے ہیں اسلئے تجھکو منہ نہیں دکھلا سکتے - چنانچہ اُنہوں نے مجھ سے مُنہ چھپا لیا - یہ مجھ پر اور طرفہ ستم کیا - پس معلوم ہُوا کہ وہ جور سے باز آہی نہیں سکتے ؞

۲- آسمان گردش میں لگے ہوئے ہیں - جو کچھ ہونا ہوگا ہو جائیگا - خدا جو کچھ کرتا ہے ہماری بہبودی کے لئے ہم کیوں گھبرائیں - خدا پر توکل کا اظہار ہے ؞

۳- مطلب یہ ہے کہ معشوق کو نہ ہمارے ساتھ دشمنی ہے اور نہ دوستی - اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس لئے کہ اس میں ایک نوع کا تعلق ہے ہم اُس کو دوستی سمجھتے لیکن جب نہ دوستی ہو نہ دشمنی تو پھر کس بات پر دھوکا کھائیں - قطع نظر خیال کی عمدگی اور ندرت کے لاگ اور لگاؤ ایسے دو لفظ بہم پہنچائے ہیں جن کا ماخذ متحد اور معنی تضاد ہیں

جس نے خیال کی خوبی کو دوچند کردیا ہے۔ (از یادگار غالب)

۴۔ نامہ بر کی خوشامد میں اور معشوق کی محبت میں ہم بھی نامہ بر کے ساتھ ساتھ ہولئے جب دُور پہنچ گئے تو خیال آیا کہ ہم تو معشوق کے گھر کے نزدیک ہی پہنچ گئے۔ کیا ہم خود اپنے خط کو پہنچائیں۔ یہ تو رسم و رواج کے خلاف اور شرمناک بات ہے۔

۵۔ خواہ ہمیں کتنی ہی ایذائیں دی جائیں اور خواہ ہماری زندگی کا خاتمہ ہو جائے لیکن ہم آستانِ یار سے نہ اُٹھیں گے پر نہ اٹھیں گے۔

۶۔ ہم تمام عمر مرنے کا انتظار دیکھا کئے۔ کیونکہ زندگی میں کبھی چین نہ ملا۔ اب دیکھئے مرنے کے بعد خدا کیا دکھلاتا ہے۔

۷۔ معشوق کے دروازے پر پہنچے۔ اطلاع کرائی۔ وہاں سے معشوق نے دربان کو حکم دیا کہ پہلے یہ پوچھکر آؤ غالب کون ہے۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا جواب دوں تمام عمر ان کے عشق میں سرگرداں رہا۔ مصائب و آلام اٹھائے اب وہ تجاہل عارفانہ سے پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے۔ گویا وہ مجھ سے آشنا ہی نہیں۔ میں حیران ہوں کیا جواب دوں۔ اُن کے اس سوال سے میری ایسی دل شکنی ہوئی کہ میں جواب دینے کے قابل نہ رہا۔

(۴۶)

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی ؎ چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریٔ ساحل

جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

۱۔ کثافت کے بغیر لطافت پیدا نہیں ہوسکتی جس طرح جوہر آئینہ کی سنہری کے بغیر آئینہ جلوہ نہیں دیتا۔ اسی طرح چمن بھی آئینہ بادِ بہاری کا زنگار ہے۔ اور چمن سے آئینہ بادِ بہاری جلوہ دیتا ہے۔ کثافت کو زنگار سے اور لطافت کو جلوہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کا ثبوت ہے۔ چمن چونکہ سبز ہوتا ہے اس لئے زنگار سے تشبیہہ کیا گیا

۴۔ ساحل لاکھ اپنے کو بچائے مگر جب دریا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جہاں تو ساقی ہوگا وہاں کسی کو ہوشیاری کا دعوےٰ نہیں چل سکتا (از یادگارِ غالب) ؎

(۸۷)

۱ ۔ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہوجانا

۲ ۔ تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جُدا ہوجانا

۳ ۔ دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہوجانا

۴ اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہوجانا

۵ ضعف سے گریہ مبدّل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہوجانا

۶ دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہوگیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہوجانا

۷ ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہوجانا

۸ گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچہ کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہوجانا

۹ تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہوجانا

۱۰ بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالبؔ
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہوجانا

۱۔ فرماتے ہیں درد کا حد سے زیادہ ہونا دوا ہوجانا ہے۔ یعنی جب درد حد سے زیادہ ہوگا تو مر جاؤں گا اور جس طرح قطرہ دریا میں مل کر دریا بن جاتا ہے اسی طرح میں بھی فنا کے بعد اپنے کل یعنی ذاتِ پاکِ خداوندی میں مل جاؤنگا اور یہی عین مقصد ہے ؎

۲۔ قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس کے حلقوں پر حروفِ ابجد کھُدے ہوئے ہوتے ہیں۔ قفل کے کھولنے کے لئے ان حروف کو قفل بنانے والے کی بتائی ہوئی

ترتیب سے ملانا پڑتا ہے۔ ان کے ترتیب سے ملنے کے بعد قفل کھل جاتا ہے۔ فرماتے ہیں جس طرح حروف کے بالترتیب ملتے ہی قفل ابجد کھل جاتا ہے اسی طرح میری تمہاری بات بنتے ہی ہم دونو میں جُدائی ہوگئی ؎

۳۔ میرا دل تکلیفوں کے دُور کرنے کی کشمکش میں ہی تمام ہوگیا۔ جس طرح گھستے گھستے رسی کی گرہ کھل جاتی ہے ؎

۴۔ شعر حسرت و تمنائے عشق کا مرقع ہے۔ فرماتے ہیں خدا جو چاہے کرے پہلے معشوق ہم پر مہر و کرم کیا کرتا تھا۔ اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ مہر و کرم تو کجا ہم جیسے باوفاؤں پر جفا بھی نہیں کرتے یعنی ہم سے قطع تعلق ہی کر لیا۔ معشوق اب ہمارا ایسا دشمن ہوگیا ہے کہ جفا بھی نہیں کرتا۔ کاش جفائیں ہی کرتا تعلق تو رہتا ؎

۵۔ کمزوری سے ہمارا گریہ ٹھنڈی آہ میں تبدیل ہوگیا اور اب ہمیں یقین آگیا کہ پانی تپش سے ہوا بنکر اُڑ جاتا ہے۔ اس سے پیشتر ہم اس مسئلہ کو نہ سمجھے تھے ؎

۶۔ محاورہ ہے کہ کہیں گوشت سے ناخن بھی جُدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں تیری انگشت حنائی کا خیال کا ہم سے جُدا ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے گوشت سے ناخن کا جُدا ہونا۔

۷۔ اس تمام غزل میں مرزا صاحب نے انتہائے فصاحت دکھلائی ہے۔ اس شعر میں فرمایا ہے جس طرح ابرِ بہاری برس کر اپنے آپ کو فناہ کر دیتا ہے اسی طرح میں بھی غم فرقت میں روتے روتے فنا ہو جاؤنگا۔ اور جس طرح ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا اچھا منظر پیش کرتا ہے اسی طرح میرے لئے بھی رو رو کر فنا ہو جانا بہت اچھا ثابت ہوگا ؎

۸۔ اگر نکہتِ گل کو تیرے کوچہ میں پہنچنے کی ہوس نہیں ہے تو وہ صبا کے چلنے کے راستے کی گرد کیوں بنی ہوئی ہے یعنی کیوں صبا کے ساتھ پھرتی ہے۔ مطلب یہ نکہتِ گل صبا کے ہمراہ تیرے کوچہ میں پہنچنا چاہتی ہے ؎

۹۔ برسات میں آئینہ کا سبز ہو جانا دیکھ۔ تاکہ تجھ پر صیقل کرنے والی ہوا کا اعجاز کھلے ؎

موسم برسات میں آئینہ زنگ آلود ہو جاتا ہے اور زنگ سبز رنگ کا ہوتا ہے صیقل بھی سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ برسات کی ہوا ہر جگہ سبزی پیدا کرتی ہے۔

ردیف (ب)

(۴۸)

پھر ہُوا وقت کہ ہو بال کُشا موجِ شراب ۱ دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیٔ اربابِ چمن ۲ سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہُوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے ۳ سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر ۴ موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موج اُٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سُو ۵ موجِ گُل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

جس قدر روح بناتی ہے جگر تشنۂ ناز ۶ دے ہے تسکیں بہ دمِ آبِ بقا موجِ شراب

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر ۷ شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موجۂ گُل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال ۸ ہے تصوّر میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

نشہ کے پردہ میں ہے محوِ تماشائے دماغ ۹ بسکہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم پہ ہیں طوفانیٔ کیفیتِ فصل ۱۰ موجۂ سبزۂ نو خیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گُل ۱۱ رہبرِ قطرہ بدریا ہے خوشا موجِ شراب

ہوش اُڑتے ہیں مرے جلوۂ گُل دیکھ اسدؔ
۱۲
پھر ہُوا وقت کہ ہو بال کُشا موجِ شراب

۱۔ پھر وہ وقت آیا کہ موجِ شراب اپنے پر کھولے یعنی موجِ شراب اُڑے یعنی جوش میں آئے اور مے کی بطخ (مے کی صراحی) کو موجِ شراب تیرنے کی قوت بخشے۔ مطلب یہ کہ موسم بہار آگیا اور شراب کا دَور دورہ شروع ہو گیا۔ اس شعر میں بال کشا اور شنا بط

کی رعائتیں ہیں ۔ مئے بط شراب کی اس صراحی کو کہتے ہیں جو بطخ کی شکل کی ہوتی ہے ۔
دل و دستِ شنا ۔ تیرنے کا ہاتھ اور دل یعنی طاقت +

۲۔ اربابِ چمن سے مراد درختانِ چمن ہے ۔ درختوں کی سیہ مستی کی وجہ نہ پوچھ ۔ یعنی درخت اس وجہ سے جھوم رہے ہیں کہ سایہ تاک میں گزرنے کی وجہ سے ہوا موجِ شراب بن گئی ہے انگور کی بیلوں کے سایہ کی وجہ سے ہوا میں وہ اثر آگیا ہے جو موجِ شراب میں ہوتا ہے اور اس ہوا کے اثر سے درخت بھی بدمست ہو کر جھوم رہے ہیں +

۳۔ شراب کا اعتدال سے پینا تو نہایت ہی اچھا ہے لیکن شراب کا حد سے زیادہ پینا بھی بہت اچھا ہے ۔ اور جو اعتدال سے زیادہ پیتا ہے وہ بھی بختِ رسا رکھتا ہے ۔ اور موجِ شراب اُس کے لئے بالِ ہما کا اثر رکھتی ہے ۔ ہما کے سر پر سے گزرنے سے انسان بادشاہ بن جاتا ہے ۔ اسی طرح وہ شخص جس کے سر سے موجِ شراب گزر جاتی ہے یعنی جو حد سے زیادہ شراب پیتا ہے وہ بھی عالمِ بیخودی میں بادشاہ سے کم نہیں ہوتا +

۴۔ برسات کے موسم میں بفیضِ ہوا سے موجِ ہستی کا موجِ شراب ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ برسات کی ہوا میں بھی شراب جیسا سرور ہوتا ہے +

۵۔ طوفان طرب سے چار موجیں موجِ گل ۔ موجِ شراب ۔ موجِ شفق اور موجِ صبا اُٹھتی ہیں +

۶۔ روحِ نباتی ۔ نباتات کی روح یعنی قوتِ نامیہ + جگر تشنہ ناز ۔ حسن کی شائق + قوتِ نامیہ جس قدر حسن و ناز کی شائق ہے اُسی قدر موجِ شراب جس میں آبِ بقا کا اثر ہے قوتِ نامیہ کے شوق کو پورا کر کے اُسے تسکین دیتی ہے ۔ یعنی موجِ شراب قوتِ نامیہ کے حسن میں اضافہ کرنے والی ہے +

۷۔ موجِ شراب اپنے شہپر رنگ سے اُڑ رہی ہے اور انگور کی بیلوں میں خون ہو ہو کر دوڑ رہی ہے ۔ یعنی موجِ شراب سے انگور کی بیلوں کی پرورش ہو رہی ہے +

۸۔ ہمارے تصور میں موجِ شراب اس قدر جلوہ نما ہے کہ گذرگاہ خیال میں ہجوم گل سے چراغاں ہو رہا ہے۔ شراب کا رنگ سُرخ ہوتا ہے اس لئے گل سے تشبیہہ دی گئی ہے
۹۔ موجِ شراب نشو و نمائے دماغ کا اس قدر خیال رکھتی ہے کہ نشہ کے پردے میں دماغ کی سیر میں محو ہو رہی ہے۔ دماغ کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ مطلب یہ کہ دماغ میں شراب کا نشہ نہیں ہے بلکہ شراب دماغ کی دیکھ بھال کر رہی ہے +
۱۰۔ موجِ بہار کی کیفیت کا طوفان اٹھلنے والے سبزہ نوخیز سے لگا کر موجِ شراب تک ایک عالم یعنی یکساں (مستانہ) حالت میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سبزہ نوخیز سے موجِ شراب تک موسمِ بہار کی کیفیت کا طوفان اُٹھا رہے ہیں +
۱۱۔ کیا خوب موسمِ گل ہے کہ شرح ہنگامہ ہستی ہے (موسمِ گل اور ہنگامۂ ہستی کو بوجہ بے ثباتی تشبیہہ دی گئی ہے) اور موجِ شراب کیا اچھی چیز ہے کہ قطرہ کو دریا میں پہنچا دیتی ہے۔ قطرہ سے مراد انسان اور دریا سے مراد ذاتِ الٰہی۔ جس طرح قطرہ دریا سے مل کر دریا بن جاتا ہے اسی طرح انسان بھی شراب (محبت الٰہی) پی کر عالمِ بیخودی میں اپنے کُل سے مِل جاتا ہے +
۱۲۔ اے اسد جلوۂ گل دیکھ کر میرے ہوش اُڑے جا رہے ہیں یعنی موسمِ بہار آنے سے شراب پیئے بغیر ہی مجھ پر بیخودی طاری ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موسمِ بہار آگیا اور موجِ شراب کو پرواز ہوا یعنی جوش میں آئی +

ردیف (ت)

(۴۹)

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے ۱ جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت
کافی ہے نشانی تری چھلّے کا نہ دینا ۲ خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت ۳

۱۔ افسوس کہ جن لوگوں کی انگلیاں موتیوں کی لڑیوں کے قابل تھیں (مرنے کے بعد) آسمان نے ان کی انگلیوں کو دیدان کا رزق قرار دیا۔ دیدان۔ کیڑے مکوڑے۔ اس شعر میں انقلابِ زمانہ پر تاسف کیا گیا ہے۔

۲۔ میرے لئے تیری یہی نشانی کافی ہے کہ جب میں نے بوقتِ سفر تجھ سے نشانی مانگی تو تُو نے خالی انگشت مجھے دکھلا دی۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی خالی انگشت دکھلانے کا مجھ کو نہایت صدمہ ہُوا اور اس نے چھلا نہ دے کر چھلا دینے سے زیادہ مؤثر نشانی مجھ کو دی۔

۳۔ اے اسدؔ میں بڑی کاوش سے عمدہ اور پاکیزہ اشعار اس لئے لکھتا ہوں تاکہ کوئی میرے اشعار پر نکتہ چینی نہ کر سکے۔

(۵۰)

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت ، پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشقِ خوننابہ مشرب ۲ لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت
علی الرّغمِ دشمن شہیدِ وفا ہوں ۳ مُبارک مُبارک سلامت سلامت

نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنی
تماشائے نیرنگِ صورت سلامت ۴

۱۔ اگر کوئی قیامت تک بھی زندہ رہا تو پھر بھی اک روز مرنا ہے۔ موت ہر ایک کے لئے لازم ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ حضرت سلامت سے مراد حضرت سلامت ہیں۔

۲۔ عشقِ خوننابہ مشرب۔ وہ عشق جس کا مشرب (طریقہ) خونخواری ہو۔ فرماتے

ہیں عشق خونناب مشرب میرے جگر خداوند نعمت سلامت کا القاب لکھتا ہے ۔

۳۔ میں رقیب کے برخلاف شہید وفا ہوں ۔ مجھے بہت مبارک ہو اور میں ہمیشہ سلامت رہوں گا ۔

۴۔ اگر محبوب حقیقی کے ادراک کی قابلیت نہیں تو نہ سہی ۔ ظاہری نیرنگی کا تماشا ہی سلامت رہے ۔ مطلب یہ کہ اگر ذات خدائے تعالےٰ کو نہیں سمجھ سکتے نہ سہی اس کی مخلوق کو دیکھ کر ہمارا یہ یقین ہی سلامت رہے کہ ضرور ان کا کوئی لاشریک خالق ہے ۔ سروبرگ ۔ سامان ۔ قابلیت ۔

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ
یار لائے مرے بالیں پہ اُسے پر کس وقت

۱۔ افسوس کہ میرے دوست میرے معشوق کو اُس وقت میرے سرہانے پر لائے جبکہ مجھ پر حالت نزع طاری تھی اور میں کبھی آنکھیں کھولتا تھا کبھی بند کر لیتا تھا ۔ یہانتک کہ میری آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں ۔

(۵۱)

۱ دُودِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست — آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست
۲ کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست — اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
۳ صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست — خانہ ویراں سازیٔ حیرت تماشا کیجئے
۴ کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست — عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
۵ دیدۂ پُرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست — چشمِ ما روشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے
۶ بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست — غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اُسکے ہجر میں
۷ مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست — تاکہ میں جانوں کہ ہے اسکی رسائی واں تلک
۸ سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست — جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ

چُپکے چُپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر ۹ ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیٔ گفتارِ دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے ۱۰ یا بیان کیجئے سپاسِ لذّتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ

۱۱

ہے ردیفِ شعر میں غالبؔ ز بس تکرارِ دوست

۱- رخسارِ یار پر آغازِ سبزہ سے یار کا بازار سرد ہو گیا ہے یعنی اُسے اب کوئی نہیں چاہتا شائد خطِ رخسارِ دوست شمعِ کشتہ کے دھوئیں کی مانند تھا۔ رخسار کی تشبیہ شمع سے اور خط کی تشبیہ دود سے ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح شمع بجھنے پر اندھیرا ہو جاتا ہے اور شمع بجھتے ہوئے بہت دھواں دیتی ہے اسی طرح حسنِ رخسار کا خاتمہ ہوتے ہی خط کا آغاز ہو گیا۔ یا آغازِ سبزہ نے حسنِ رخسار کا خاتمہ کر دیا ؛

۲- اے ناعاقبت اندیش دل شوقِ دیدار کو ضبط۔ جلوۂ دیدارِ دوست کی تاب کوئی بھی نہیں لا سکتا۔ اس شعر میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کوہِ طور کی طرف اشارہ ہے ؛

۳- میری حیرت نے جو میرے گھر کی ویرانی کی ہے اُس کا تماشہ دیکھئے۔ اور میری حیرانی کا باعث یہ ہے کہ میں رفتارِ دوست پر نقشِ قدم کی طرح حیران و بیخود ہو گیا ہوں اور اغلب ہے کہ اس بیخودی میں میری روح جسم سے مفارقت کرے اور میرا گھر ویران ہو جائے ؛ اپنے آپ کو عاجزی اور حیرانی کی بنا پر نقش سے تشبیہ دی ہے ؛

۴- مجھے عشقِ دوست میں رقیب کے رشک کی تکلیف نے مارا۔ اگرچہ میں ہمارا دوست تھا یعنی دوست کا عاشق تھا۔ لیکن آخر میں کشتۂ دشمن ہوا۔ مطلب یہ کہ میرا انجام اچھا نہ ہوا۔ مجھے دوست کے ہاتھ سے قتل ہونا چاہیئے تھا۔ یہ میری بدنصیبی ہے کہ کشتۂ دشمن ہوا ؛

۵- پہلے مصرع میں "چشمِ ما روشن دلِ ما شاد" کے محاورے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بڑی خوبصورتی سے کھپایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا دیدۂ پُرخون دیکھ کر اُس بے درد یعنی

یعنی معشوق کا دل شاد ہوتا ہے۔ چشم ما روشن ہم بھی بہت خوش ہیں کہ ہمارا دیدۂ پُرخون دوست کے لئے ساغرِ سرشار ہے یعنی دوست اُس سے ایسا ہی سرور حاصل کرتا ہے جیسے ساغر سرشار سے +

۶۔ (قطعہ بند) ہجرِ معشوق میں رقیب میری مزاج پُرسی اور ہمدردی ایک بے تکلف اور غمخوار دوست کی طرح کیوں کرتا ہے

۷۔ اس لئے کہ میں یہ جان لوں کہ رقیب کی رسائی یار تک ہے وہ مجھے وعدۂ دیدار دوست کا پیغام دیتا ہے +

۸۔ جب میں اُس کے روبرو اپنے ضعفِ دماغ کی شکایت کرتا ہوں تو وہ دوست کی عنبر برسانے والی زلفوں کا ذکر شروع کردیتا ہے + سر کرنا۔ شروع کرنا +

۹۔ اور اگر رقیب مجھے چُپکے چُپکے روتا ہُوا دیکھ لیتا ہے تو دوست کی شوخیٔ گفتار کا بیان ہنس ہنس کر کرتا ہے +

۱۰۔ دوست کی مہربانیوں یعنی نامہربانیوں کی شکایت کروں یا دوست (معشوق) کی لذتِ آزار کی تعریف یعنی شکایت کروں + اس شعر میں طنزاً نامہربانی کو مہربانی اور شکایت کو سپاس لکھا گیا ہے +

۱۱۔ اے غالب مجھے یہ اپنی غزل دل سے پسند ہے۔ کیونکہ ردیفِ شعر میں لفظ دوست بہت زیادہ (ہر بار) آیا ہے + غالب اور زلس کی رعایت ملاحظہ ہو۔ شعر کے آخری لفظ کو ردیف کہتے ہیں +

ردیف (ج)

(۵۲)

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج ، قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ ۲ تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل

۳

سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

۱- میرا دوست آج باغ میں آنیوالا ہے - بیرون در کی محراب قمری کا طوق بنا ہؤا ہے یعنی بیرون در کی محراب کے نیچے مجمع عشاق ہے - قمری کا طوق اُس کے گرفتار عشق ہونے کی علامت ہے - جس طرح کہ گردن کا حلقہ قمری کے گرفتار عشق ہونے کی علامت ہے اسی طرح محراب بیرونِ در نے بہت سے عشاق کو گرفتار کیا ہؤا ہے یعنی اُس کے نیچے مجمعِ عشاق ہے ۔

۲- آج ہر فغاں کے ساتھ میرے دل کا ایک ٹکڑا باہر آرہا ہے - میرے نفس کا تار آج اثر کے شکار کے لئے کمند بنا ہؤا ہے - مطلب یہ کہ آج میری آہوں میں اثر پیدا ہو رہا ہے - اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے دل پر آج نئے طریق سے اثر ہو رہا ہے - یعنی دل کے ٹکڑے باہر آرہے ہیں ۔

۳- مکان کے در و دیوار عاقبت اور انتظام کے لئے بنائے جاتے ہیں - عاقبت اندیشی اس لئے کہ آئندہ زندگی آرام سے گزرے اور انتظام اس لئے کہ چور چکار داخل نہ ہو سکے - فرماتے ہیں اے عاقبت کنارہ کر اور اے انتظام رخصت ہو کیونکہ آج میرے رونے کا طوفان دیوار و در کے درپے ہے - یعنی میں اتنا روؤنگا کہ در اور دیوار بہہ جائیں گے ۔

دیگر

لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں

اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

لوگ کہتے ہیں کہ مریضِ عشق کی تیمار داری نہیں ہوتی لو ہم تیمار داری کرتے ہیں لیکن اگر پھر بھی اچھا نہ ہؤا تو مسیحا کا کیا علاج یعنی مسیحا کو کس طرح لائیں گے - مسیحا سے

مراد معشوق مجازی ۔ فرماتے ہیں معشوق مجازی تو ایسا بیدرد اور ظالم ہے کہ مریضِ عشق خواہ مرجائے وہ ہرگز اُس کے بالیں پر نہ آئیگا ۔
مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے وصل کے سوا مریضِ عشق کا اور کچھ علاج ہی نہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا صاحب بعض اشعار کو عمداً ایسا مُعمّہ بنا دیتے ہیں کہ ان کا مطلب واضح ہونا ناممکن ہو جاتا ہے بقول مرزا صاحب "مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا"

ردیف (چ)

(۵۴)

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ ۱ اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
کمالِ گرمیٔ سعیٔ تلاشِ دید کا نہ پوچھ ۲ برنگِ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل ۳ کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ
تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس ۴ بکوریٔ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ
نہ نیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز ۵ نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں
۶
بروئے سفرہ کباب دلِ سمندر کھینچ

۱۔ پہلے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ امید نہ چھوڑ۔ اگر اس وقت تجھے شراب میسر نہیں تو انتظار کر۔ آرزو نہ چھوڑنی چاہئے ۔

۲- تلاشِ دیدار کی گرمی سعی کی حد نہ پوچھ - یعنی میں نے دیدار کی تلاش میں بیحد کوشش کی ہے - اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے آئینۂ دل میں جوہر آئینہ کے بجائے کانٹے ہو گئے ہیں + قاعدہ ہے سعیٔ تلاش میں انسان کے پاؤں میں کانٹے لگ جاتے ہیں صیقل آئینہ کے لئے پہلے الف کی شکل بناتے ہیں - خار بھی بہ شکل الف ہوتا ہے اسلئے اچھی مناسبت ہے +

۳- اے دل انتظارِ یار تجھے آرام کرنے کا بہانہ مل گیا - تجھے یہ کس نے بتایا کہ بستر کے ناز اُٹھا - ناز بستر کھینچ سے مراد بستر پر آرام سے پڑا رہنا اور اس طرح گویا ناز بستر کھینچنا ہے - مطلب یہ کہ شاعر دل سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ انتظارِ یار میں آرام سے بستر کے مزے کیوں لُوٹ رہا ہے + آہیں کھینچ - آہ و بکا کر یا نالہ و زاری سے مصروف ہو

۴- معشوق سے خطاب ہے کہ گل نرگس تیری سمت نگاہ حسرت سے دیکھ رہا ہے - تجھے چاہئے کہ رقیب یعنی نرگس کی خواہش کیخلاف اور اس کو اندھا کرکے پیالہ چڑھا مطلب یہ ہے کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ نرگس بھی تجھکو شراب نوشی میں مصروف دیکھے - اُس سے آنکھ بچا کر ساغر پی تاکہ اُس کا دل مسرور نہ ہوسکے +

۵- اے معشوق میرے زخم جگر کے پردۂ نیام سے خنجر کھینچ اور چونکہ میں نے کچھ عرصے تک تیرے خنجر کو زخم جگر میں بطور امانت رکھا ہے - تجھے چاہئے کہ تو بھی حق ودیعتِ ناز یعنی خنجر کی امانت کا حق بہ نیم غمزہ ادا کرے نیم اور نیام کی لفظیں صنعت سے خالی نہیں اگر نیام کا الف جو خنجر کی شکل کا ہوتا ہے نکال لیا جاوے تو نیم رہ جاتا ہے +

۶- میرے قدح یعنی دل میں آتش پنہاں کی شراب آتش عشق چھپی ہوئی ہے اس لئے دسترخوان پر شراب کی مناسبت سے کباب بھی ہونا چاہئے - اور چونکہ شراب آتش پنہاں کی ہے اس لئے کباب بھی سمندر کا ہونا چاہئے + سمندر - ینولے سے

چھوٹا ایک جانور جو آتشکدوں میں پیدا ہوتا ہے اور رہتا ہے +

(۵۴)

حسنِ غمزہ کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد ۱ بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد
منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا ۲ ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد
شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے ۳ شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد
خون ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی ۴ اُن کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد
درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا ۵ نگہٗ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد
ہے جنوں اہلِ جنوں کے لئے آغوشِ وداع ۶ چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد
کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق ۷ ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دُنیا میں کوئی ۸ کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالبؔ
۹ کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

۱- میرے مرنے کے بعد حسن نازو انداز دکھلانے کی مصیبت سے چھوٹ گیا۔ بارے اہل جفا میرے بعد آرام سے تو ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کوئی عاشق نہیں رہا اور حسینوں کو ناز و ادا دکھلانے کی ضرورت نہ رہی +

۲- پہلا شعر سمجھنے کے بعد یہ شعر بالکل صاف ہے +

۳- شعلۂ عشق میرے بعد سیہ پوش ہوگیا۔ جس طرح شمع بجھتی ہے تو دھواں چھوڑتی ہے اور تاریکی کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ میرے بعد کوئی عاشق نہ رہا اور شعلۂ عشق نے میرے ماتم میں کالا لباس پہن لیا +

۴- قبر میں میرا دل بتوں کے حال پر خون ہے یعنی رو رہا ہے۔ کیونکہ میرے بعد ان کے ناخن حنا کے محتاج ہوئے۔ یعنی میری زندگی میں معشوق مہندی کی بجائے میرا

خون استعمال کر لیتے تھے کیونکہ مہندی لگا کر دیر تک چلنے پھرنے سے باز رہنا اور نچلا بیٹھنا معشوقانِ شوخ طبع کے لئے بہت مشکل اور تکلیف دِہ تھا ٭

۵- جوہرِ ظلم کے اظہار کے قابل کوئی جا نہیں رہی۔ یعنی جب میں مر گیا تو حسینوں کا ظلم اٹھانے والا کوئی نہ رہا۔ اس لئے نگہ ناز سُرمے سے خفا ہے۔ یعنی حسینوں نے سُرمہ لگانا چھوڑ دیا ٭

۶- دیوانوں کے لئے جنون آغوش وداع ہو گیا۔ یعنی میرے بعد دیوانوں سے جنوں رخصت ہو گیا۔ اور لفظ چاک گریباں سے جُدا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ میرے بعد کوئی دیوانہ نہ رہا۔ اور اس لئے کوئی چاک گریباں بھی نہ رہا۔ گریباں سے لفظ چاک ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گیا۔ اب کسی کا گریبان چاک نہ ہوگا ٭

۷- صلا۔ بُلانے کی آواز۔ یہ شعر بڑا پُر لطف ہے اور ایسا لطیف شعر مرزا صاحب کے پُر جذبات دل کی ہی آواز ہو سکتا ہے ٭ پہلا مصرعہ سوالیہ بھی ہے اور مایوسانہ بھی مطلب یہ ہے کہ میرے بعد معشوق کے لب پر مکرر یہ صلا ہے کہ حریف مے مرد افگنِ عشق کون ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ معشوق سوال کرتا ہے کہ آیا ایسا کوئی ہے کہ عشق کی مرد افگن شراب کا حریف بنے۔ پھر مایوسانہ کہتا ہے کہ مے مرد افگنِ عشق کا حریف کوئی نہیں ہوتا ٭ لفظ مکرر نے اس شعر کے معانی کی خوبی کو دو چند بلکہ چہار چند کر دیا (اقتباس از یادگارِ غالب)

۸- مجھے تو اس غم نے مار دیا کہ میرے بعد مہر و وفا بھی دُنیا سے اُٹھ جائے گی اور میرے بعد کوئی ایسا بھی نہ رہے گا کہ مہر و وفا کی تعزیت ہی کرے یعنی دُنیا سے مہر و وفا کے مٹ جانے کا غم کرے ٭

۹- اے غالب مجھے عشق کی بیکسی پر رونا آتا ہے کہ میرے بعد سیلاب بلا (عشق) کس کے گھر جائیگا۔ (اب تو یہ سیلاب میرے گھر میں تھا) مطلب یہ ہے میرے بعد کوئی ایسا نہ رہیگا جو عشق جیسی مصیبت میں گرفتار ہونا چاہے ٭

ردیف (ر)

(۵۵)

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار ۱ نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار
وفورِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ ۲ کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار
نہیں ہے سایہ کہ سُنکر نوید مقدمِ یار ۳ گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار
ہوئی ہے کس قدر ارزانیٔ مےِ جلوہ ۴ کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار
جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ ۵ کہ ہیں دُکانِ متاعِ نظر در و دیوار
ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے ۶ کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے ۷ ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار
- نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ۸ ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھکر در و دیوار
- نہ پوچھ بیخودیٔ عیشِ مقدمِ سیلاب ۹ کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار
- نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ نہیں زمانہ میں
۱۰
حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار

۱- فرماتے ہیں میرے پیشِ نظر جو معشوق کے گھر کے در و دیوار ہیں۔ بلا سے۔ میں ان کی پروا نہیں کرتا۔ یہ میری نگاہِ شوق کو نہیں روک سکتے۔ بلکہ یہ نگاہِ شوق کے لئے بال و پر بن جائیں گے۔ یعنی در و دیوار کی رُکاوٹیں میری نگاہِ شوق کے لئے قوتِ پرواز میں اضافہ کریں گی۔ رُکاوٹیں جوشیلے کام کرنے والوں کے لئے ترقی کا باعث بن جاتی ہیں ۔

۲- کثرتِ گریہ نے میرے گھر کا یہ حال بنا دیا ہے کہ سیلابِ گریہ سے دیوار گر کر در بن گئی ہے۔ اور گری ہوئی دیوار کی اینٹوں نے در کو دیوار بنا دیا ہے ۔

۳- یہ میرے گھر کے در و دیوار کا سایہ نہیں ہے جو کہ در و دیوار سے چند قدم آگے

بڑھ رہا ہے۔ بلکہ خود در و دیوار ہی یار کے آنے کی خبر سُنکر استقبال کے لئے چند قدم آگے چلے گئے ہیں ؛

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تُونے اپنے جلوہ کی شراب کو اس قدر ارزاں کر دیا ہے کہ تیرے کُوچہ کا ہر در اور ہر دیوار تیرے دیدار کی شراب سے مست نظر آرہی ہے

۵۔ یار کے مکان کے در و دیوار متاعِ نظر کی دُکان بنے ہوئے ہیں۔ یعنی عشاق کی نظریں در و دیوار پر ٹکی ہوتی ہیں۔ اگر تجھے بھی انتظار کی خریداری کا خیال ہے تو تُو بھی آجا ؛

۶۔ کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ میں نے ہجوم گریہ کا ارادہ کیا ہو اور در و دیوار میرے پاؤں پہ نہ گر پڑے ہوں۔ مطلب یہ کہ در و دیوار میرے ہجوم گریہ سے خوفزدہ ہیں کیونکہ اگر میں زیادہ روؤنگا تو میرے گریہ کا سیلاب اُن کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اس لئے جب میں ہجوم گریہ کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے پاؤں پر گر کر خوشامد سے مجھے باز رکھتے ہیں ؛

۷۔ کتنا لطیف تخیّل ہے۔ فرماتے ہیں کہ معشوق میرا ہمسایہ بنا۔ تو میرے گھر کے در و دیوار اُس کے در و دیوار پر فدا ہو گئے۔ دو مکانوں کا سایہ آپس میں ملتا ہے اُس سے مرزا صاحب ایک سایہ کا دوسرے سایہ پر فدا ہونا تعبیر کرتے ہیں ؛

۸۔ معشوق سے خطاب ہے۔ تیرے بغیر گھر کی آبادی میری نظر میں کھٹکتی ہے۔ یعنی بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم ہمیشہ در و دیوار دیکھکر روتے رہتے ہیں ؛

۹۔ سیلاب کے استقبال کی مسّرت بیخودی کا حال نہ پوچھ۔ میرے گھر کے در و دیوار جوشِ مسّرت سے رقص کرتے ہیں ؛

۱۰۔ اے غالب تُو اپنا بھید کسی سے نہ کہہ۔ کیونکہ در و دیوار کے سوا زمانے میں کوئی حریفِ رازِ محبت نہیں۔ اگر تجھے کہنا ہی ہے تو در و دیوار سے کہہ لے۔ مرزا صاحب کا یہ شعر "دیوار ہم گوش دارد" کے برعکس ہے ؛

(۵۶)

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر ۱ جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر
کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن ۲ جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر
کام اُس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں ۳ لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر
جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم ۴ سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر
چھوڑوں گا میں نہ اُس بتِ کافر کا پوجنا ۵ چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام ۶ چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ۷ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
بہرا ہوں میں تو چاہئے دونا ہو التفات ۸ سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

غالبؔ نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
۹
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اب تو میں نے تیرے دروازے پر اپنا گھر بنا لیا یعنی تیرے دروازے پر پڑا رہتا ہے۔ کیا اب بھی تو میرے گھر آنے کا وہی عذر کریگا جو پہلے کیا کرتا تھا کہ مجھے تو آپ کا گھر معلوم نہیں ۔

۲۔ جب مجھے طاقتِ سخن نہ رہی تو معشوق کو یہ اچھا عذر ہاتھ آیا کہ جب تم کچھ کہتے ہی نہیں تو مجھے تمہارے حالِ دل کی کیا خبر ۔

۳۔ مجھے ایسے سخت دل معشوق سے پالا پڑا ہے کہ دنیا میں سب لوگ اُسے ستمگر کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔

۴۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل میں کسی کی طرف سے برائی ہی نہیں ہے ۔ اگر ہو تو ہم کہے بغیر کبھی نہ مانیں ۔ ہمارا سر جائے یا رہے یعنی ہم مرنے کی بھی پروا نہیں کرتے ۔ صاف کہہ دیتے ہیں ۔

۵۔ میں اُس بُت کافر کی پُوجا ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ خواہ دُنیا مجھے کافر ہی کہے جائے ۔

۶۔ کلام شاعری میں دشنہ و خنجر سے ہم ناز و غمزہ مراد لیتے ہیں ۔

۷۔ مشاہدہ حق کو ہم بادہ و ساغر سے تعبیر کیا کرتے ہیں ۔

۸۔ مرزا صاحب آخیر عمر میں بہرے ہو گئے تھے۔ یہ شعر حسب حال تحریر فرمایا ہے فرماتے ہیں میں بہرا ہوں اور مکرر کہے بغیر بات کو نہیں سنتا۔ اس لئے آپ کو دونا التفات فرمانا چاہئے ۔

۹۔ حضور سے مراد بادشاہ یا خدائے تعالےٰ ہے ۔

(۵۷)

کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر ۱ جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے ۲ سر گرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا ۳ رُکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوشِ رشک سے ۴ مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہُوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق ۵ لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ۶ ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ ۷ لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال ۸ رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں ۹ جی خوش ہُوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

کیا بد گماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے ۱۰ طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر ۱۱ دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
۱۲ یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۱۔ پہلے مصرعہ میں جلنے سے مراد نذرِ آتش ہو جانا اور دوسرے مصرعہ میں جلنے سے مراد حسد کرنا ہے۔ فرماتے ہیں یہ بہتر ہوتا کہ میں رُخِ یار کی تپش سے جل جاتا۔ افسوس کہ میں اپنے میں طاقتِ دیدار دیکھ کر اپنے ہی اوپر رشک و حسد کرتا ہوں۔ خوبیٔ طرزِ بیان کے ساتھ اس شعر میں حد درجے کا روزمرّہ اور محاورہ بندی بھی ہے +

۲۔ شعر بالکل صاف ہے

۳۔ معشوق سے خطاب ہے۔ تم ہر ایک پر جفا کرتے ہو اور جفا و ظلم محض عاشق کے حقّے میں ہونا چاہئے اس لئے تمہارے ہاں عشق کی کوئی آبرو نہیں۔ یعنی سچّے عاشق اور جھوٹے عاشق میں کوئی امتیاز نہیں۔ یہی سبب ہے کہ میں تم سے عشق کرنے میں رُکتا ہوں۔ تم بے سبب عشق لوگوں کو آزار پہنچاتے ہو +

۴۔ معشوق میرے قتل کے لئے آرہا ہے اور میں اُس کے قتل کرنے سے پہلے ہی اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر رشک سے مرتا ہوں۔ رشک اس وجہ سے کہ اُس کے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہونا چاہئے تھا نہ کہ تلوار +

۵۔ شیشے کی گردن پر ایک جہاں کا خون ہے۔ کیونکہ نہ تُو شراب پیتا نہ تیری رفتار سے لوگوں کے خون ہوتے۔ اس لئے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر خوفِ عذاب سے لرز رہی ہے +

۶۔ افسوس کہ یار نے ہمیں حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر ظلم و ستم سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ مطلب یہ کہ یار ہماری کوئی خواہش پوری نہیں ہونے دیتا شربتِ وصال تو کجا اگر ہم ظلم و ستم کی آرزو کرتے ہیں تو وہ بھی پوری نہیں کرتا +

۷۔ ہم اپنے خریدار کی طبیعت کی کسوٹی کا اندازہ لگا کر اپنے متاعِ سخن کے ساتھ خود بھی بِک جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے سخن کا قدردان واقعی سخن فہم ہے تو ہم خود ہی اُس کے گرویدہ اور قدردان ہو جاتے ہیں ÷ عیار۔ پرکھنا۔ کسوٹی +

۸۔ زنّار باندھ اور سَو دانے کی تسبیح توڑ دے۔ رہرو ہمیشہ ہموار راستے پر چلتا ہے

زنار بہ نسبت تسبیح کے ہموار ہوتی ہے اس لئے ہموار راستے سے تشبیہ دی ہے +

۹۔ جنون عشق میں صحرا نوردی سے میرے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ لیکن پُرخار راستہ دیکھ کر میرا جی خوش ہُوا ہے۔ یعنی اب کانٹوں سے میرے آبلے پھوٹ جائیں گے ظاہر ہے کہ آبلوں میں کانٹے چبھنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے لیکن سالکان عشق سب بخوشی برداشت کرتے ہیں +

۱۰۔ اس شعر میں معشوق کی بدگمانی ظاہر کی گئی ہے۔ معشوق کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ بدگمان ہے۔ اگر میں آئینہ دیکھتا ہوں تو زنگار آئینہ کو طوطی سمجھ لیتا ہے۔ اور چونکہ نغمۂ طوطی مشہور ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ کہیں میرا عاشق طوطی کی آواز پر فریفتہ نہ ہو جائے اور میرا فریفتہ اور گرویدہ نہ رہے +

۱۱۔ اس شعر میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہُوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں برق تجلّے کے ہم مستحق تھے نہ کوہِ طور۔ اسلئے کہ شراب خوار کا ظرف دیکھ کر اس کو شراب دیجاتی ہے۔ پس کوہِ طور جو منجملہ جمادات ہے کیونکر تجلّی الٰہی کا متحمل ہو سکتا ہے (از یادگار غالب)

۱۲۔ اے معشوق مجھے تیری دیوار دیکھ کر غالب شوریدہ حال کا سر پھوڑنا یاد آگیا +

(۵۸)

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر ۱ میں ہوں وہ قطرۂ شبنم جو ہو خارِ بیاباں پر

نہ چھوڑی حضرتِ یوسفؑ نے یاں بھی خانہ آرائی ۲ سفیدی دیدۂ یعقوبؑ کی پھرتی ہے زنداں پر

فنا تعلیم درسِ بیخودی ہوں اس زمانہ سے ۳ کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے ۴ بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا ۵ کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہووے مہرِ عنواں پر

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلود یاد آیا ، کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا ، قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر
نہ لڑ ناصح سے غالبؔ کیا ہُوا گر اُس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

۱۔ میرا دل مہرِ درخشاں کی زحمت پر لرزتا ہے کہ وہ ایک ایسے قطرۂ شبنم کو فنا کرنے کے لئے جو خارِ بیاباں پر ہو زحمت اُٹھاتا ہے۔ اوّل تو قطرۂ شبنم کو مہرِ درخشاں سے کیا نسبت اور پھر ایسا قطرہ جو خارِ بیاباں پر ہو اس کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔

۲۔ اس شعر میں حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کی یاد میں روتے روتے نابینا ہو جانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں حضرت یوسف نے زنداں میں خانہ آرائی نہ چھوڑی۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کی سفیدی جو حضرت یوسفؑ کی تلاش میں زنداں تک چلی آئی۔ زنداں پر پھرتی ہے۔ پھرتی ہے ذو معنی ہے۔ اوّل تلاش میں پھرتی ہے دوسرے مکانوں پر جو سفیدی آرائش کی غرض سے کی جاتی ہے اُسے بھی "سفیدی پھرتی" ہے کہا جاتا ہے۔

۳۔ میں اُس زمانے سے درسِ بیخودی میں تعلیم فنا حاصل کر رہا ہوں۔ جبکہ مجنوں بچوں کی طرف دیوارِ دبستاں پر لا لکھا کرتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ میں درسِ فنا میں مجنوں سے بہت آگے ہوں۔ اور وہ میرے سامنے طفلِ دبستاں سے بھی کم ہے۔ لا اور فنا میں ایک مناسبت بھی ہے۔ کیونکہ لا کے معنی نہیں اور فنا کے معنی نہ ہونا ہے۔

۴۔ اگر میرے پارہ ہائے دل اس بات پر اتفاق کر لیتے کہ اُن پر نمک چھڑک دینا ہی کافی ہے تو مجھے مرہم کی تلاش اور تیاری سے فراغت ہو جاتی۔ ظاہر ہے کہ نمک ایک معمولی چیز ہے اور ہر ایک شخص کو بآسانی میسر آسکتا ہے۔ مرہم کی تلاش اور تیاری میں بڑی تشویش ہے۔ مطلب یہ کہ انسان جس قدر ضروریات بڑھاتا ہے اُسی قدر زیادہ تکلیف اُٹھاتا ہے۔

۵- اقلیم عشق میں کوئی طومارِ ناز ایسا نہیں جس کے عنوان پر پشت چشم یعنی انکار سے مہر نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں جتنے مردانِ عشق گزرے ہیں اُن سب کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس میں خواہ مجنوں ہو یا فرہاد۔ پشت چشم سے مراد ہے اغماض و انکار اور پشت چشم مشابہ ہے مہر سے۔ طومار بمعنی دفتر مراد کتاب۔ طومارِ ناز سے مراد دفتر عشق یا کتاب عشق ہے۔

۶- معشوق سے خطاب ہے کہ مجھے اب ابرِ شفق آلود دیکھکر یاد آگیا کہ جس طرح ابرِ شفق آلود گلستاں اور آتش کا منظر پیش کر رہا ہے اسی طرح جبکہ میں غم فرقت سے گھبرا کر باغ میں چلا جاتا تھا تو باغ بھی یہی منظر پیش کرتا تھا اور میرے لئے غم فرقت میں سبز پودوں پر سُرخ پھولوں کا ہونا گلستاں پر آتش برسنے کا منظر پیش کرتا تھا۔ ابر کو گلستاں سے اور شفق اور پھولوں کو آتش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس شعر میں بھی ایک بڑا وسیع مضمون نہایت مؤثر طرز اور نہایت پاکیزہ الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

۷- قرآن پاک میں آیا ہے کہ قیامت کو مردے زندہ کر کے قبروں سے اُٹھائے جائیں گے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ شہیدانِ ناز کی خاک کے لئے تو اک ہوائے تند ہی قیامت سے کم نہ تھی۔ سینکڑوں بار ہوائے تند چل چکی اور اُن کی خاک اُڑ اُڑ کر ضائع ہو چکی۔ گویا اُن کے لئے تو سینکڑوں قیامتیں آچکیں۔ اب شہیدانِ ناز میں سوائے پروازِ شوقِ ناز کے اور کیا باقی ہوگا جس کو قیامت اُٹھائے گی۔ پروازِ شوقِ ناز۔ معشوق کے عشق کا خیال

۸- مقطع میں اپنی بیکسی اور عاجزی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اے غالب ناصح سے نہ لڑ اگر اُس نے زیادتی اور سختی کی تو کیا ہوا۔ بیکس اور کمزور کو ہر کوئی دبا لیتا ہے کمزور کو چاہیئے کہ صبر کرے۔ اس گناہ سے ہم بھی بچے ہوئے نہیں ہیں یعنی کمزور کو ہم بھی ستاتے ہیں۔ ہمارا زور صرف گریبان پر چلتا ہے۔ سو جب غم و غصہ ہوتا ہے ہم اپنا گریباں چاک کر ڈالتے ہیں۔

(۵۹)

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارہ میں نشاں اور ۱ کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات ۲ دے اور دل اُنکو جو نہ دے مجھکو زباں اور

ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند ۳ ہے تیر مقرر مگر اُس کی ہے کماں اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے ۴ لے آئیں گے بازار سے جاکر دل و جاں اور

ہر چند سُبک دست ہوئے بُت شکنی میں ۵ ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور

ہے خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا ۶ ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے ۷ جلاد سے لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا ۸ ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

دیتا نہ اگر دل نہیں لیتا کوئی دم چین ۹ کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے ۱۰ رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

۱۔ اس شعر میں معشوق کی مکاری ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ اُن کے ہر اک اشارے کے حقیقی معنی دوسرے ہُوا کرتے ہیں۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ آزمائشی محبت ہے ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ مجھ سے محبت جتا کر مجھے اپنی طرف اور راغب کرلیں اور جب اس طرح مجھے اُن سے بہت زیادہ محبت ہو جائے تو پھر اپنی نازو ادا اور جور و جفا کا آغاز کریں ÷

۲۔ وہ مری بات سمجھ تو جاتے ہیں لیکن دانستہ نادان بنتے ہیں اور مجھے ٹالنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ میں تمہارا مدعا نہیں سمجھا اس لئے یا خدا اگر مجھکو اور زبان نہ دے یعنی ایسی مؤثر زبان عطا نہ کرے کہ جو کچھ میں کہوں وہ فوراً اس کو مان لیویں۔ تو اُن کو ہی دوسرا

دل عطا کریعنی اُن کے دل میں رحم عطا کرتا کہ وہ میرا مطلب دل پورا کریں ÷
۳- اس کی نگاہِ ناز کو ابرو سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اس کی کمان ابرو نہیں بلکہ اُس کی کمان دل ہے۔ کیونکہ تیر سے وہ اپنی منشائے دل کے مطابق کام لیتا ہے۔ اگر عاشق کو زخمی کرنا ہوتا ہے زخمی کر دیتا ہے۔ اگر وعدۂ وصل کی خوشخبری دینی ہوتی ہے تو وہ بھی نگاہِ ناز سے دے دیتا ہے ÷
۴- اگر تمہارے عشق میں ہمارا دل اور جان دونو بھی جاتے رہیں تو ہمیں پروا نہیں۔ کیونکہ شہر میں ہزاروں آدمی تمہارے عشق سے تنگ آکر دل فروشی اور جانفروشی کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ ہم جب اُٹھیں گے یعنی جب ارادہ کرینگے بازار سے اور دل و جان خرید لائیں گے ÷
۵- اگرچہ ہم بُت شکنی میں مشتاق ہو گئے ہیں لیکن جب تک ہماری ہستی ہے یعنی جب تک ہم عشقِ حقیقی میں اپنی ذات کو فنا نہیں کر لیتے تب تک راستے میں ایک اور بھاری رُکاوٹ ہے۔ مطلب یہ کہ فنا ہونے کے بغیر معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی ÷
۶- شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں میرا خونِ جگر اس قدر جوش میں ہے۔ کہ اگر ان دو آنکھوں کے علاوہ مجھے کئی اور آنسو برسانے والی آنکھیں دی جائیں تب میں دل کھول کر رو سکتا ÷
۷- میں تو اُن کی اس آواز "ہاں اور" پر فریفتہ ہوں۔ خواہ میرا سر ہی اُڑ جائے لیکن وہ جلاد کو یہ کہے جائیں کہ ہاں اور (وار لگا) ÷
۸- مرزا صاحب بعض اشعار میں مبالغہ بھی حد درجے کا فرماتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ میں ہر روز اپنے دل کے داغوں میں سے ایک داغ دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ خورشید جہانتاب ہی نکل آیا۔ اپنے داغ دل کو خورشید جہانتاب سے استعارہ فرماتے ہیں ÷

۹۔ مضمون کی ایسی بندش مرزا صاحب جیسے قادر الکلام کے سوا اور کون کر سکتا ہے فرماتے ہیں اگر تمہیں دل نہ دیتا تو کوئی دم اور چین لیتا۔ اور اگر نہ مرتا تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا رہتا۔ کوئی دن سے مراد کچھ دنوں ہے ✦

۱۰۔ فی الحقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت دُکھتی ہے اسی قدر راہ دیتی ہے خصوصاً جو مضمون وہ اُس وقت اپنے حسب حال لکھتا ہے نہایت درد انگیز اور مؤثر ہوتا ہے (یادگارِ غالب)

۱۱۔ مقطع میں حقیقت کا پورے طور سے اظہار ہے واقعی یہ مرزا صاحب کا انداز بیان ہی ہے جس نے انہیں دیگر شعرا سے ممتاز بنایا ✦

(۶۰)

صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر ۱ تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ وحشت کی
ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر ۲

۱۔ اس شعر میں آئینہ اور آب برجا ماندہ کی مثال کتنی صحیح اور درست ہے۔ فرماتے ہیں جس طرح ٹھہرے ہوئے پانی کا رنگ آخر کار تغیر پاتا ہے اور اُس پر کائی جم جاتی ہے اسی طرح آئینہ کی صفائی حیرت آخر کار زنگ آلودہ ہو جاتی ہے ✦ زنگ آئینہ کو کائی سے تشبیہ دی گئی ہے ✦

۲۔ مطلب یہ ہے کہ سامان عیش و راحت وحشتِ عشق کو کم نہیں کر سکتا۔ مجھے جامِ زمرد بھی داغِ پلنگ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جامِ زمرد سے مجھے اتنی ہی گھبراہٹ اور خوف معلوم ہونے لگا جتنا کہ لوگوں کو داغ پلنگ یعنی پلنگ دیکھنے سے ✦ مطلب یہ ہے کہ عُریانی کے بغیر جنوں کی تکمیل نہیں ہوتی ✦

(۶۱)

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عُریانی ۱ گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

برنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی ۲ ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے ۳ متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے ۴ شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا ۵ فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے

۶ تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

۱- عُریانی کے بغیر جنوں کی دستگیری نہیں ہو سکتی اور عُریانی کے لئے چاکِ گریبانی لازم ہے۔ اس لئے چاکِ گریبانی کا حق میری گردن پر ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عُریانی کے بغیر جنوں کی تکمیل نہیں ہوتی ؞

۲- اس شعر میں دل کی بیقراری کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ فرماتے ہیں دل نے آتشزدہ کاغذ کی مانند جو کہ نیرنگ بیتابی ہے ایک تڑپ کے بازو پر ہزاروں آئینے باندھ دیئے ہیں ؞ نیرنگِ بیتابی (بیتابی شعبدہ باز) صفت ہے کاغذِ آتشزدہ کی ؞ جلے ہوئے کاغذ پر ہزاروں ستارے سے چمکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ؞

۳- شعر کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے ہم عیشِ رفتہ کا بہت تقاضا کرتے ہیں اور متاعِ بردہ کو رہزن پر قرض سمجھے ہوئے ہیں۔ گویا وہ کبھی نہ کبھی ہمیں واپس دے دیگا قاعدہ ہے کہ جب انسان امیر سے غریب ہو جاتا ہے تو وہ یہ سمجھتا رہتا ہے کہ ایک دن پھر میں ویسا ہی دولتمند ہو جاؤں گا ؞

۴- معشوق بے سبب میرا دشمن ہو گیا اور مجھ پر یہ تہمت رکھتا ہے کہ تُو نے مجھے چشمِ روزن سے جھانکا ہے۔ حالانکہ شعاعِ مہر روزن سے داخل ہونا چاہتی تھی ؞

۵- اپنے آپ کو فنا کرنا کہ معرفتِ الٰہی حاصل ہو جس طرح تنکے کی قسمت کا فروغ

گلخن پر موقوف ہے۔ یعنی جب تنکا بھٹی میں جھونکا جاتا ہے تو روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی فنا ہو کر فروغ معرفت الٰہی حاصل کر سکتا ہے +

۶۔ یہ اسد کس انداز کا بسمل ہے کہ قاتل سے کہتا ہے کہ تو اسی طرح مشق ناز کر یعنی لوگوں کو قتل کرتا رہ اور دو نو جہاں کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں +

دیگر
ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف برطرف، مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

میں ایک مصلحت سے تیرے ستم اُٹھا رہا ہوں اور وہ یہ کہ مجھ پر بہت سے خوبصورت عاشق ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ اگر تو مجھے نہیں ملتا تو حسینوں میں سے کوئی تجھ جیسا رقیب ہی مل جائیگا۔ میں اُسے اپنا محبوب بنالوں گا +

(۶۳)

۱ تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور	لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
۲ ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور	مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
۳ مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور	آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
۴ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور	جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
۵ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور	ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
۶ پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور	تم ماہِ شب چاردہم تھے مرے گھر کے
۷ کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور	تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
۸ بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور	مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
۹ کرتا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور	گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب
۱۰ قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۱- یہ غزل مرزا عارف کا نوحہ ہے۔ مرزا عارف علاوہ اس کے کہ مرزا غالب کے عزیز تھے بڑے پُرگو اور خوش گو تھے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تمہیں لازم تھا کہ میرا کچھ دن اور انتظار کرتے تم تنہا کیوں گئے اب کچھ دن اور تنہا رہو +

۲- تیرے در (مزار) پر کچھ دنوں اور پیشانی رگڑوں گا۔ اگر تیرا پتھر نہ گھسے گا تو میرا سر تو مٹ جائیگا +

۳- تمہیں دُنیا میں آئے ہوئے بہت تھوڑا عرصہ گزرا ہے۔ یہ مانا کہ ہمیشہ نہیں رہ سکتے تھے۔ مگر کچھ دن تو اور رہتے +

۴- تم مرتے ہوئے کہتے ہو کہ اب قیامت کو ملیں گے۔ کیا قیامت کا کوئی اور دن بھی ہے +

۵- ہاں اے فلکِ پیر عارف ابھی جواں تھا۔ تیرا کیا بگڑتا اگر کچھ دن اور نہ مرتا +

۶- تم میرے گھر کے چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر گھر کا وہ نقشہ کچھ دن اور یوں نہ رہا۔ یکایک اب کیوں اندھیرا ہوگیا۔ بدر تو گھٹتے گھٹتے بھی کئی روز روشنی دیتا رہتا ہے +

۷- تم داد وستد میں ایسے کہاں کے کھرے تھے۔ کہ ملک الموت کا تقاضا کرتے ہی تم نے جان دیدی۔ اُسے کچھ دن اور تقاضہ کرنے دیتے +

۸- نیّر۔ نواب ضیاالدین احمد خاں صاحب بہادر جو نیّر تخلص کرتے تھے اور مرزا عارف کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ اچھا مجھ سے تمہیں نفرت تھی اور نیّر سے تمہاری لڑائی تھی کچھ دنوں اور اپنے بچوں کا تماشہ تو دیکھتے +

۹- اے جواں مرگ کچھ دن اور اسی طرح دُنیا میں گزار دیتے۔ بہر حال یہ مدت دوستی یا رنج سے گزر ہی گئی +

۱۰- تم جو کہتے ہو کہ اے غالب تم اب عارف کے بعد کیوں جیتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا

چاہیئے کہ ابھی میری تقدیر میں اور کچھ دنوں زندہ رہنا اور مرنے کی تمنا کرنا رنج اٹھانا ہے ؞

ردیف (ز)

(۶۳)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح و مہر ۱ ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

ہے نازِ مفلسانِ زرِ از دست رفتہ پر ۲ ہوں گلفروشِ شوخیٔ داغِ کہن ہنوز

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں،
۳
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیدادِ فن ہنوز

۱- مرنے کے بعد مجھے غم سے فارغ نہ جان کیونکہ داغِ عشق مانندِ مہر اب بھی جیبِ کفن کی زینت ہے - داغِ عشق کو مہر سے اور کفن کو صبح سے تشبیہ دی گئی ہے

۲- مفلس لوگ کھوئے ہوئے مال پر فخر کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اتنا کثیر مال برباد کر دیا - اسی طرح میں بھی اپنے داغِ کہنہ عشق کا ذکر کیا کرتا ہوں ؞

۳- میرے جگر کے میخانے میں اب کچھ بھی نہیں - لیکن وہ بتِ بیداد فن ابتک جمائیاں ہی لے رہا ہے - مطلب یہ کہ میرے جگر میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا مگر معشوق اب بھی سیر نہیں ہوا ؞

(۶۴)

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز ۱ دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز

نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجود ۲ ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصالِ جلوہ تماشہ ہے پر دماغ کہاں ۳ کہ دیجئے آئینۂ انتظار کو پرواز

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست ۴ گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالبؔ ۵ جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

۱۔ عاجزی اور خوشامد کے جادو سے کوئی مشکل مقصد تو بر نہ آیا۔ اب خدا سے یہ دُعا مانگیں گے کہ الٰہی عمرِ خضر دراز کر) یعنی یہ ایسی چیز ہے جو پہلے ہی دی جا چکی ہے۔ (اقتباس از یادگار غالب)

۲۔ مطلب یہ ہے کہ وجود اشیائے عالم میں بیہودہ طرز پر کیوں بیاباں نوردی کر رہا ہے یعنی مشغول ہے۔ معلوم ہُوا کہ ابھی تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی تجھے وجودِ وحدت سے لو لگانی چاہیئے ÷

۳۔ اس میں شک نہیں کہ وصالِ جلوۂ یار عجیب بہار ہے۔ لیکن ہم میں ایسی طاقت کہاں کہ انتظار کے آئینہ کو صیقل کر سکیں۔ یعنی انتظار کر سکیں ÷ پرداز۔ صیقل۔ مطلب یہ کہ دیدارِ یار تماشا ہے۔ لیکن ہم اُس کی بہار نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم دیر تک انتظار نہیں کر سکتے ÷

۴۔ عاشق کی خاک کا ہر ایک ذرہ آفتاب پرست ہے۔ خاک ہوئے پہ بھی حسن پرستی کی خواہش نہ گئی۔ قاعدہ ہے کہ ذراتِ خاک آفتاب کے مقابل ہو کر تاباں و درخشاں ہو جاتے ہیں ÷

۵۔ اے غالب میخانۂ جنوں کی لمبائی چوڑائی نہ پوچھ۔ اس کے مقابلہ پہ یہ آسمان کا پیالہ ایک خاک اندازہ کی مانند ہے ÷ خاک انداز۔ وہ ظرف جس میں گھر کا کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے ÷

(۶۵)

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سرتاسرِ خاک — گزرے ہے آبلہ پا ابرِ گہر بار ہنوز

یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت

نقش پا میں ہے تپِ گرمیِ رفتار ہنوز

۱۔ ابر کی سعیِ کرم کی وسعت دیکھ کہ تمام زمین پر یعنی بہت دُور تک باوجود آبلہ پا ہونے کے گہرباری کرتا ہُوا گزر جاتا ہے ÷ ابر کو آبلہ پا اُس کے قطراتِ آب برسانے

کی بنا پر کہا گیا تھا۔ قطرہ کو آبلہ سے تشبیہہ دی گئی ہے ٭ مطلب یہ کہ ابر باوجود آبلہ پائی کے دُور تک موتی برساتا ہوُا یعنی بارش کرتا ہوُا چلا جاتا ہے ٭

۲- میں نے اس قدر دشت نوردی کی ہے کہ تپ گرمی رفتار ابتک میرے نقش پا میں موجود ہے اور صفحۂ دشت سراسر کاغذ آتش زدہ کی مانند بن گیا ہے ٭ گرمی۔تپ آتش۔کاغذ۔صفحہ اور قلم کی لفظی رعائتیں ملاحظہ ہوں ٭

(۶۶)

کیونکر اُس بُت سے رکھوں جاں عزیز ۱ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ۲ ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز ۳

۱- اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز رکھوں گا تو وہ ایماں لے لیگا اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا۔ دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جان قربان کرنی تو عین ایمان ہے پھر اس سے جان کیونکر عزیز رکھی جاسکتی ہے (از یادگار غالب)

۲- اگرچہ تیرے تیر کا پیکاں میرے دل سے نکل گیا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے عزیز ہے اُس کا خیال ابتک دل سے نہیں نکلا اور اُس کی محبت میرے دل میں موجود ہے ٭

۳- کسی سخت واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں اے غالب آخر صبر ہی کرنا ہوگا کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور جان عزیز ہے۔ یعنی جان کا دے دینا آسان نہیں ہے ٭

(۶۷)

نہ گُلِ نغمہ ہوُں نہ پردہ ساز ۱ میں ہوُں اپنی شکست کی آواز
تو اور آرائشِ خمِ کاکل ۲ میں اور اندیشہ ہائے دُور و دراز
لاف تمکیں فریبِ سادہ دلی ۳ ہم ہیں اور رازہائے سینہ گداز

ہُوں گرفتارِ الفتِ صیّاد ۴ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے ۵ ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں ۶ جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز
اے ترا غمزہ یک قلم انگیز ۷ اے ترا ظلم سر بسر انداز
تو ہُوا جلوہ گر مُبارک ہو ۸ ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز
مجھ کو پُوچھا تو کچھ غضب نہ ہُوا ۹ میں غریب اور تُو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہُوا
۱۰
اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

۱- میری آواز نہ گلِ نغمہ ہے نہ پردۂ ساز۔ بلکہ میرے درد کا اظہار ہے۔ مطلب یہ کہ میرے کلام میں محض اظہارِ جذباتِ دلی کیا گیا ہے۔ کوئی نغمہ یا ساز نہیں ہے۔

۲- تُو تو ہر وقت آرائشِ خمِ کاکل میں مصروف رہتا ہے۔ اور میں اندیشہ ہائے دُور و دراز میں غرق رہتا ہوں۔ مثلاً یہ کہ ابتک تو میں اپنے دل کو خمِ کاکل میں گرفتار ہونے سے بچاتا رہا۔ اگر آرائش کا یہی حال رہا تو میں کب تک دل کو بچاتا رہوں گا آخر ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

۳- یہ ہماری سادہ دلی کی دلالت ہے کہ ہم صبر و تمکیں کا دعوے کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے دل میں سینکڑوں رازہائے سینہ گداز موجود ہیں۔ یعنی ہم کب تک رازہائے سینہ گداز کو سینے میں رکھ سکتے ہیں آخر عنانِ صبر ہاتھ سے چھوٹے گی اور ہم رازہائے عشق کا انکشاف کرنے پر مجبور ہوں گے۔

۴- صیّاد کی محبّت میں گرفتار ہوں ورنہ کیا مجھے قوّتِ پرواز نہیں۔ مطلب یہ کہ انسان کوشش کرے تو خواہشاتِ نفسانی کو ترک کر سکتا ہے۔

۵- خدا کرے وہ دن جلد آئے کہ اُس ستمگر سے بجائے حسرتِ ناز کھینچنے کے ناز

کھینچوں مطلب یہ کہ وصل حاصل ہو۔ ناز بمعنی خوشی استعمال کیا گیا ہے ۔

۶۔ میرے دل میں کوئی قطرۂ خوں باقی نہیں رہا جس سے پلکوں نے گلبازی نہ کی ہو یعنی میری پلکوں نے دل کے ہر ایک قطرۂ خوں کو آنسوؤں کی صورت میں بہا دیا ۔ آنسو کو گل سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

۷۔ تیرا غمزہ سراسر ناز اور تیرا ظلم سراسر انداز ہے ۔

۸۔ تو ظاہر ہوا اور تیرے آتے ہی جبینِ ناز نے سجدہ کیا۔ یعنی میں نے تجھے سجدہ کیا یہ سجدہ تجھے مبارک ہو ۔

۹۔ غریب نواز کے لئے ایک غریب کو پوچھنا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔

۱۰۔ افسوس صد افسوس اسد اللہ خاں جو کہ رندِ شاہد باز تھا مر گیا ۔

ردیف (س)

(۶۸)

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے ۱ دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا ۲ جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے ۳ خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے ۴ دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہنِ شیر میں جا بیٹھئے لیکن اے دل ۵ نہ کھڑے ہو جیئے خوبانِ دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے ۶ خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
۷
بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

۱۔ اے ذوقِ اسیری یہ خوشخبری تجھکو مبارک ہو کہ مرغِ گرفتار کے پاس خالی دام نظر آرہا

ہے اب اپنا ذوقِ اسیری پورا کر۔ صیاد جال لگا کر ایک اور دام میں پھنسے ہوئے پرندے کا پنجرہ اُس کے برابر رکھ دیتے ہیں تاکہ پرندے کو دیکھ کر دوسرا پرندہ آئے اور خالی دام میں پھنسے۔

۲۔ ہمارے تشنۂ آزار جگر کی تسلی نہ ہو سکی۔ حالانکہ ہم نے ہر بُنِ خار کے پاس خون کی ایک ندی بہا دی۔ تشنۂ آزار۔ تکلیف کا پیاسا یعنی خواہشمند۔ مطلب یہ کہ جنونِ عشق میں ہم نے اس قدر صحرا نوردی کی کہ ہر بُن سرِ خار کے پاس خون کی ندی بہہ گئی لیکن ہمارے جگر کو تکلیف سے سیری نہ ہوئی۔ مطلب یہ کہ عاشق کو درد سے لذت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ تکرارِ الفاظ و مضامین مرزا صاحب کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس مضمون کا شعر پہلے بھی آچکا ہے۔ خوب وقت سے مراد برے وقت ہے۔ طنزاً خوب کہا گیا۔

۴۔ یار مجھے زبان سے برا بھلا کہے جاتا ہے یعنی مجھ پر اپنی زبان کو استعمال کرتا ہے کاش یار کی زبان تیز دشنہ ہوتا تاکہ میں گھُل گھُل کر مرنے کی بجائے تیزِ دشنے کے ایک ہی وار سے مر جاتا۔

۵۔ اے دل خوبانِ دل آزار سے راہ و رسم رکھنے سے یہ بہتر ہے کہ میں تیغ کا لقمۂ اجل بن جاؤں۔ کیونکہ اس طرح مرنے میں تو صرف ایک لمحہ کی تکلیف ہوگی۔ اور معشوقوں سے دل لگی کرنے میں میں گھُل گھُل کر جان دونگا۔

۶۔ اے محبوب تجھے دیکھ کر چمن میں قوتِ نامیہ کا اتنا اضافہ ہوجاتا ہے کہ گُل خوشی کی وجہ سے تیرے دستار کے گوشے تک بلند ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ گُل بھی تیرے رخسار کے قریب پہنچنا چاہتا ہے۔

۷۔ مقطع صاف ہے۔ غالب کا نئی دیوار کے پاس آکر بیٹھنا یاد آتا ہے۔ افسوس وہ سر پھوڑ کر مر گیا۔

ردیف (ش)

(۶۹)

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے ۱ لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروغِ حُسن سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق
۲
نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

۱- اگر خسِ جوہر (جوہر آئینہ) تیرے سبزۂ خط سے طراوت حاصل نہ کرے۔ تو تیرے روئے نگار کا شعلہ خانۂ آئینہ میں آگ لگا دے ٭ جوہر آئینہ چونکہ سبز رنگ کا ہوتا ہے اس لئے اُسے خس سے تشبیہ دی گئی ہے ٭ خس جوہر اور سبزۂ خط کی رعایت بھی ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب کو خاص الفاظ اور جملات سے خاص الفت ہے اس لئے تکرار فرماتے ہیں ٭

۲- فروغِ حُسن یعنی تجلّیِ حُسن سے ہی عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے۔ جیسے کہ آتش یعنی شعلۂ شمع شمع کے پاؤں سے کانٹا (رشتۂ شمع) نکال دیتی ہے یعنی اُس کو جلا دیتی ہے ٭ مطلب یہ کہ آتشِ حسن عاشق کو جلا جلا کر مار ڈالتی ہے اور اس طرح اس کی مشکل حل ہو جاتی ہے تجلّیِ حُسن کو آتش سے۔ عاشق کو شمع سے اور رشتۂ شمع کو خار سے تشبیہ دی گئی ہے ٭

ردیف (ع)

(۷۰)

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع ۱ چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

خور مخفف خورشید ٭ تارِ شعاع وہ سفید لکیر جو غروب آفتاب کے وقت آسمان پر ظاہر ہوتی ہے ٭ ماہِ نو کو آغوش سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک عجیب اور نادر تشبیہ ہے ٭ شعر کا مطلب یہ ہے کہ خورشید کے لئے وقت شام تارِ شعاع

جادۂ رہ بنا ہوا ہے۔ یعنی خورشید دُنیا سے سفر کر رہا ہے اور آسمان اُسے رخصت کرنے کے لئے ماہِ نو کی آغوش کھولے ہوئے ہے ✦ کتنا وسیع مضمون اور خوشنما منظر دو مصرعوں میں سمو دیا گیا ہے ✦

(۷۱)

۱ ہوئی ہے آتشِ گُل آبِ زندگانی شمع	رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع
۲ یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع	زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی
۳ بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع	کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصّہ تمام
۴ ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع	غم اُسکو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ
۵ بجلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع	ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
۶ شگفتگی ہے شہیدِ گُل خزانی شمع	نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پُوچھ
۷ نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع	جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھکو

۱- معشوق کے رُخِ روشن سے شمع کو سوزِ جاودانی حاصل ہوا ہے یعنی اُس کے رشک میں جل رہی ہے۔ گویا آتشِ گُل یعنی آتشِ رخسارِ نگار شمع کی زندگانی کے لئے آبِ بقا ہو گئی ✦ رُخِ نگار کو آتشِ گُل سے تشبیہہ کیا گیا ہے ✦

۲- شعرا شمع کی لو کو زبان تصوّر کیا کرتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اہلِ زبان کی زبان میں خاموشی کا نام مرگ ہے۔ یہ بات بزم میں شمع کی زبانی معلوم ہوئی یعنی جس طرح شمع اُس وقت خاموش ہو جاتی ہے جب اُس کا وجود نہیں رہتا۔ اسی طرح اہلِ زبان کی زبان بھی اُس وقت ہی بند ہوتی ہے جب اُن کی موت آجاتی ہے ✦

۳- صرف شعلہ کے اشارے سے یعنی شعلہ کی وجہ سے شمع اپنا قصّہ تمام کر لیتی ہے یعنی از سرتاپا جل جاتی ہے۔ گویا شمع کی فسانہ خوانی بھی اہلِ فنا کی طریق پر ہے۔ اہلِ فنا سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی ذات کو عشقِ الٰہی میں فنا کر دیتے ہیں ✦ قصّہ تمام اور فسانہ خوانی کی

رعایت ملاحظہ ہو +

۴۔ شعلۂ شمع حسرتِ پروانہ کا غم ہے اور اس لئے اس کی ناتوانی تیرے لرزنے سے ظاہر ہو رہی ہے +

۵۔ اے معشوق تیرے خیال سے روح عاشق میں اہتزاز طرب و سرور پیدا ہو جاتا ہے جس طرح شعلہ شمع ہوا کے چلنے سے جنبش میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح روح عاشق میں بھی خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے + جلوہ ریزیٔ باد۔ ہوا کا چلنا + پرفشانیٔ شمع۔ شعلۂ شمع کا حرکت کرنا +

۶۔ داغِ غم عشق کی خوشی کی بہار کا حال نہ پوچھ شگفتگی خود گلِ خزاں دیدۂ شمع کی شہید ہے گُلِ شعلۂ شمع کی تشبیہہ ہے اور خزانی اس وجہ سے کہ شمع بجھ چکی ہے شگفتگی جس طرح گلِ خزانی شمع کی شہید ہے اسی طرح میرے داغِ عشق کی شہید ہے +

۷۔ اس شعر میں شمع کے لئے "چلے ہے" اور "داغ" کی رعائتیں کیا خوب ہیں +

ردیف (ف)

(۷۲)

ہم رقیب سے نہیں کرتے وِداعِ ہوش ۱ مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے ۲ اے ناتمامیٔ نفسِ شعلہ بار حیف

۱۔ ہم رقیب کے خوف سے ہوش و حواس پر قابو رکھتے ہیں۔ مبادا رازِ عشق افشا ہو جائے۔ اے اختیار افسوس کہ ہم اتنے مجبور ہوئے +

۲۔ ناتمامی۔ نقص۔ کمی + فرماتے ہیں ہم ایک ہی بار نفسِ شعلہ بار سے کیوں نہ جل گئے اے شعلہ برسانے والی آہ کے اثر کی کمی حیف ہے۔ اس بات سے ہمارا دل جلتا ہے +

ردیف (ک)

۷۳

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نمک ۔ ۱ کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل ۲ ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک
مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو ۳ نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک
شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج ۴ گردِ ساحل ہے بزخمِ موجۂ دریا نمک
داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ وا ۵ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک
چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے ۶ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں ہیں اعضا نمک
غیر کی منت نہ کھینچوں گا بے توفیرِ درد ۷ زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے سرتاپا نمک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

۱۔ مطلب یہ ہے کہ میں دیوانہ ہوں اور لڑکے مجھے پتھر مارتے ہیں جن کے صدموں سے میرے جسم پر زخم ہو جاتے ہیں۔ اگر خدائے تعالے پتھر میں نمک کی تاثیر بھی رکھتا تو مجھے اور بھی مزہ آتا۔ کیونکہ میرے زخموں میں زیادہ تکلیف ہوتی۔ لڑکے بے پروا ہیں انہیں چاہئے تھا کہ پتھر بھی مارتے اور میرے زخموں پر نمک بھی چھڑکتے۔ کاش انہیں کوئی بتا دیوے کہ مجھ دیوانے کے زخموں پر نمک بھی چھڑک دیا کریں۔

۲۔ ہمارے زخمِ دل کے لئے گردِ راہِ یار ہی سامانِ ناز ہے۔ ورنہ جہاں میں کس قدر نمک پیدا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ نمک سے اتنا لطف حاصل نہیں ہو سکتا جتنا کہ گردِ راہِ یار سے۔

۳۔ اس شعر میں صنعت لف و نشر مرتب مستعمل ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں مجھ کو نالۂ بلبل کا

درد اور تجھکو اے معشوق خندۂ گل کا نمک مبارک رہے ۔

۴- آج دریا کے کنارے کس کی اسپ دوانی کا شور تھا۔ کہ گردِ ساحل زخم موجۂ دریا کے لئے نمک کا کام کرنے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق نے آج دریا کے کنارے گھوڑا دوڑایا لیکن اُس کے گھوڑے کی جولانی سے اتنا شور پیدا ہوا کہ موجِ دریا بھی اُس پر رشک کرنے لگی اور ساحل کی گرد اُس کے زخموں میں نمک کا کام کرنے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ دریا میں اتنا جوش خروش نہ تھا ۔

۵- میرا محبوب میرے زخمِ جگر کی داد دیتا ہے اور جہاں کہیں نمک دیکھ پاتا ہے مجھے یاد کرتا ہے کہ اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو وہ میرے زخموں میں نمک بھر دیتا ۔

۶- اے معشوق ایسے وقت میں میرا تن مجروح چھوڑ کر تیرا جانا بڑا ظلم ہے۔ کیونکہ میرا دل ابھی اور زخم مانگ رہا ہے اور میرے زخمی اعضا نمک کے خواستگار ہیں۔ مطلب یہ کہ ابھی میرا دل زخموں سے سیر نہیں ہوا تجھے چاہئے کہ اور زخم لگائے اور میرے زخمی اعضا میں نمک بھی بھرے تاکہ درد پوری لذت دے ۔

۷- میں اپنا درد بڑھانے کے لئے غیر کا احسان نہ اُٹھاؤں گا اور اُس سے یہ نہ کہوں گا کہ میرے زخموں پر نمک چھڑک دے۔ کیونکہ میرا زخم تو خندۂ قاتل کی طرح سرتاپا نمک ہے

۸- اے غالبؔ تجھے وہ ایام یاد ہیں جب کہ لذتِ درد کے وجد ذوق میں اگر میرے زخموں سے نمک گر پڑتا تھا تو میں اُسے پلکوں سے چُن کر پھر زخموں میں رکھ لیتا تھا ۔

(۷۴)

۱ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک	آہ کو چاہئے اِک عمر اثر ہونے تک
۲ دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک	دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
۳ دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک	عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
۴ خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک	یہ تو مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ۵۔ میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل ۶ گرمیِ بزم ہے اِک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جُز مرگ علاج

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

۱۔ آہ میں اثر ہونے کے لئے مدتِ دراز درکار ہے۔ تیری زُلف پر اُس کا اثر ہونے تک کون جیتا ہے۔ یعنی ہماری زندگی بہت تھوڑی ہے۔

۲۔ قطرہ کو گوہر ہونے تک بہت سے مصائب جھیلنے ہیں کیونکہ دامِ ہر موج میں حلقہ صد کام نہنگ ہے۔ مطلب یہ کہ اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کے لئے بڑے مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ موج کو حلقوں کی مشابہت سے دام سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ یادگارِ غالب میں اس شعر کا نہایت مختصر اور جامع مطلب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں انسان کو درجۂ کمال تک پہنچنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ عاشقی کے لئے صبر درکار ہے اور تمنائے دل بیتاب ہے۔ جب تک جگر خون ہونے تک دل کو کس طرح صبر دوں۔ یعنی جب جگر کا خون ہو جائے گا تب عشق اپنا کچھ اثر دکھلائے گا۔ میں اتنے عرصے تک اپنے دل کو کس طرح بہلاؤں۔

۴۔ یہ تو ہم نے مانا کہ تم ہمارے مرنے کی خبر سُنکر ہماری میت پہ آنے میں دیر نہ کروگے لیکن ہم جیسے بیکس کے مرنے کی خبر ہی تم تک بہت دیر میں پہنچے گی اور تب تک ہمارا جسم قبر میں خاک بھی ہو جائے گا۔

۵۔ شبنم عکسِ خورشید سے فنا ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ عکسِ خورشید شبنم کو فنا کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر محبوبِ حقیقی سے خطاب ہے کہ میں تجھ سے ایک نظرِ عنایت کا متمنی ہوں جو مجھے فنا کر دے گی جس طرح خورشید کی نظرِ عنایت شبنم کو فنا کر دیتی ہے۔

۶۔ یہ شعر بے ثباتیِ ہستیِ انسان میں کہا گیا ہے۔ اے غافل زندگی کا زمانہ ایک نظر سے

زیادہ نہیں - گرمیٔ بزم رقص شرر تک رہتی ہے - یعنی جس طرح آنکھ کی چنگاری چشم زدن میں بجھ جاتی ہے اسی طرح گرمی بزم ہستی دم بھر میں سرد ہو جاتی ہے ۔

۵ - اے اسد موت کے سوا غم ہستی کا اور کوئی علاج نہیں - شمع صبح ہونے تک یعنی تمام ہونے تک جلتی ہی رہتی ہے - جب تمام ہو چکتی ہے جب اُس کا جلنا جاتا رہتا ہے ۔

ردیف (گ)

(۷۵)

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ ۱ یعنی بغیر یک دلِ بے مُدعا نہ مانگ

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مُجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ ۲

۱ - اگر تجھے اجابتِ دُعا کا یقین ہے تو دُعا نہ مانگ - سوائے ایک دل بے مُدعا کے اور کچھ نہ مانگ کیونکہ اگر دلِ بے مُدعا مل گیا تو پھر دُعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی ۔

۲ - اس شعر کے طرزِ بیان میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے - فرماتے ہیں اے خدا مجھے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ میرے گناہ لاتعداد ہیں - لیکن جب گناہوں کی کثرت تعداد کا خیال آتا ہے تو فوراً ہی مجھے اپنی دل کی حسرتوں کے داغ یاد آجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی تعداد میں کسی طرح گناہوں سے کم نہیں - زندگی میں میری لاتعداد آرزوؤں کا خون ہو گیا اور مفلوک الحالی یا بدقسمتی کی وجہ سے پوری نہ ہو سکیں - بیشک میں اپنے گناہوں کی بنا پر سزا کا مستوجب ہوں لیکن مجھے میری حسرتوں کے خوُن کا خون بہا بھی تو ملنا چاہئے ۔

ردیف (ل)

(۷۶)

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل	۱	بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
آزادیٔ نسیم مبارک کہ ہر طرف	۲	ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گل
جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا	۳	اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گل
خوش حال اُس حریفِ سیہ مست کا کہ جو	۴	رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بپائے گل
ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہار	۵	میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے	۶	مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل
سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی	۷	خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل
تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک	۸	بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
۹
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

۱۔ بلبل اپنی سادگی کی وجہ سے گل کو وفادار سمجھتا ہے اور اس فریب میں ہلاک ہو جاتا ہے اور گل بلبل کی اس حماقت پر خندہ زن ہے۔ مطلب یہ کہ معشوق ہمیشہ بے وفائی کرتا ہے اور عاشق ہمیشہ اپنے معشوق سے امیدِ وفا رکھتا ہے۔

۲۔ اس شعر میں خطاب بوئے گل سے ہے جو محذوف رکھی گئی ہے۔ فرماتے ہیں اے بوئے گل تجھکو آزادیٔ نسیم مبارک ہو کیونکہ ہوائے گل یعنی محبتِ گل کے حلقہ دام ٹوٹے پڑے ہیں۔ مطلب یہ کہ گل نے محبت کی وجہ سے بوئے گل کو حلقہ دام یعنی برگ ہائے گل سے قید کر رکھا تھا۔ اب پھول کھل گیا تو بوئے گل آزاد ہو گئی اس لئے بوئے گل کو آزادیٔ نسیم کی مبارکباد دے رہے ہیں۔

۳۔ ہر ایک پھول کے خوشنما رنگ پر فریفتہ ہو گیا۔ لیکن افسوس در حقیقت وہ پھول کے لبِ خونیں نوا کے نالوں کا رنگ تھا۔ مرزا صاحب پھول کے سرخ رنگ کو اُس کے خونیں نالوں کا رنگ سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ماتمکدۂ دہر میں کوئی شاد و خرم نہیں رہ سکتا۔

۴- اُس حریف سیہ مست کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانا جو سایۂ گُل کی طرح اپنا پاؤں پائے گُل یعنی پائے معشوق پر رکھتا ہو ٭

۵- چونکہ بہار پھولوں کو اس لئے پیدا کرتی ہے کہ وہ تیرے گلے کا ہار بنیں اور شب بھر تجھ سے ہم آغوش رہیں اس لئے میرا رقیب خوشبوئے گُل ہے ٭

۶- مجھے بے شراب کا شیشہ اور سیرِ گل کی خواہش نہ رکھنے والا دل بادِ بہار سے شرمندہ رکھتے ہیں ٭

۷- تیرے حسنِ غیور کے رعب سے گُل کی ادا کا رنگ میری نگاہ میں خون کی مانند نظر آتا ہے - تیرا حُسن غیر تمند یہ نہیں چاہتا کہ اُس کا عاشق کسی اور چیز کو پسند کرے ٭

۸- یہ شعر عشقِ حقیقی میں ہے - فرماتے ہیں تیرا دیدار دیکھنے کے لئے بے شمار پھُول یکے بعد دیگرے دوڑے چلے آرہے ہیں ٭

۹- اے غالب مجھے اُس سے ہم آغوشی کی آرزو ہے جس کا خیال جیبِ قبائے گُل کے لئے فخر ہے - یہ شعر بھی عشقِ حقیقی میں ہے ٭

ردیف (م)

(۷۷)

۱ برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم
غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس

۲ ہیں ورق گردانیٔ نیرنگِ یک بُت خانہ ہم
محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال

۳ ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم
باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں

۴ ہیں دبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم
ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو

۵
دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

۱۔ ہم آزادوں کو ایک لمحہ سے زیادہ غم نہیں رہتا۔ گویا ہم اپنے ماتم خانے کو بجلی سے روشن کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بجلی چمکتی ہے اور فوراً غائب ہو جاتی ہے۔ یہاں غم کو بجلی سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

۲۔ ہمارے خیال کا نجفہ باز محفلیں برہم کرتا ہے یعنی ہمیں برہم شدہ محفلوں کی یاد دلاتا ہے۔ گویا ہم نیرنگ بتخانہ کے ورق الٹنے والے ہیں ۔ مطلب یہ کہ ہمارے سامنے ہزاروں محفلیں برہم ہو چکیں جن کی یاد ہمارے دل میں آتی ہے۔ گویا ہم نیرنگِ بتخانہ کی تصاویر کے ورق الٹنے والے ہیں ۔ بت خانہ سے مراد نقاشی خانہ ۔ ورق گردانی۔ ورق الٹنے والے ۔

۳۔ باوجود کثرت جوش ہنگامہ ظہور نہیں۔ ہم شبستانِ دل پروانہ کے چراغاں ہیں یعنی چراغاں شبستانِ دل پروانہ کی مانند باوجود اس افراط جوش ہنگامہ کے ہماری ہستی کا کچھ پتہ نہیں۔ اس شعر میں دل کو پروانہ تصور کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جس شمع کے عشق نے دل پروانہ میں منور ہو کر شور و ہنگامہ پیدا کر رکھا ہے۔ اُس کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اسی طرح باوجود شور و ہنگامہ ہماری ہستی کا بھی پتہ نہیں ملتا۔ مطلب یہ کہ نہ ہماری ہستی کا پتہ ملتا ہے نہ خدا کی ہستی کا بس ہستی صرف ایک ہی ہے اور وہ خدا کی ہستی ہے ۔ انسان کو چراغاں شبستان دل پروانہ تصور کیا گیا ہے ۔ دل پروانہ ہے شمع معشوقِ حقیقی کا ۔

۴۔ ہمارا ترکِ جستجو ہماری کمزوری کی وجہ سے ہے نہ کہ ہماری قناعت کی وجہ سے یعنی ہم نے جستجوئے محبوبِ حقیقی کمزوری کی وجہ سے چھوڑ دی ہے اور ہم ہمت مردانہ کی تکیہ گاہ کے وبال بنے ہوئے ہیں یعنی مردوں کی طرح ہم نے ہمتِ مردانہ پہ تکیہ تو کیا تھا لیکن کچھ کر نہ سکے بلکہ تکیہ گاہ کے لئے بوجھ ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہماری کمزوری ہے کہ ہم نے ترکِ جستجوئے محبوبِ حقیقی کر دیا ہے ۔

۵۔ مقطع صاف ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے سینے میں لاکھوں حسرتوں کا خون ہو رہا

ہے جن کے نکلنے کی کوئی امید نہیں ۔

(۶۸)

بہ نالہ حاصل دل بستگی فراہم کر
متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

دلبستگی یعنی تعلق کا نالہ حاصل کر۔ خانہ زنجیر کی دولت شورِ زنجیر کے سوا اور کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح خانہ زنجیر میں شور و صدائے زنجیر کے سوا اور کوئی دولت نہیں اسی طرح دل بستگی یعنی عشق میں نالے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یعنی عاشق کے لئے نالہ کشی ضروری ہے تاکہ معشوق سے خاطرِ تعلق رہے ۔ دل بستگی کو زنجیر سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

(۶۹)

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور ، رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

۱۔ پردیس میں مرنا جو ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے اس پر خدا کا شکر اس لئے کرتا ہے کہ اگر وہاں بے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون ہے لیکن وطن میں جہاں ایک زمانہ واقف حال ہو مگر خبر گیر کوئی نہ ہو وہاں مٹی کی اس طرح مٹی خراب ہونی سخت رسوائی کی بات تھی۔ پس خدا کا شکر ہے کہ اس نے پردیس میں مار کر میری بیکسی کی شرم رکھ لی اس میں بظاہر خدا کا شکر ہے مگر فی الحقیقت سراسر اہلِ وطن کی شکایت ہے (از یادگار غالب) ۔

۲۔ معشوق کے حلقہ ہائے زلف گھات لگائے بیٹھے ہیں اے خدا میرے دعوے

وارستگی کی شرم رکھ لیجو یعنی میرے اس دعوے کی کہ میں آزاد ہوں شرم رکھ لیجو اور معشوق کے پھندے سے بچائیو ۔

ردیف (ن)

(۸۰)

یوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

مرزا صاحب کو نیند نہیں آتی ۔ فرماتے ہیں اپنے بخت خفتہ سے ایک میٹھی نیند قرض تو لے لوں لیکن یہ خوف ہے کہ اُس کی ادائگی کس طرح ہوگی کیونکہ میرے پاس تو نیند ہے ہی نہیں ۔ ایسے مضامین کا شکار مرزا صاحب کا پیکانِ خیال ہی کر سکتا ہے ۔ بخت خفتہ سے نیند قرض لینے کا خیال کیا اچھوتا خیال ہے ۔

(۸۱)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں	۱	وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصتِ کاروبارِ شوق کسے	۲	ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا	۳	شورِ سودائے خطّ و خال کہاں
تھی وہ اِک شخص کے تصور سے	۴	اب وہ رعنائیٔ خیال کہاں
ایسا آسان نہیں لہو رونا	۵	دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق	۶	واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں
فکر دُنیا میں سر کھپاتا ہوں	۷	میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قوےٰ غالبؔ
۸
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

۱- فرماتے ہیں نہ وہ فراق کی راتیں نہ وصال کے مزے - اب وہ زمانۂ عشق ہی جاتا رہا

۲- اب عشق کے کاروبار کی فرصت کسے - اور جمال کے نظارہ کا شوق کہاں - پہلے مصرع میں ذوق بمعنی عشق ہے +

۳- دل سے عشق ہی نہیں جاتا رہا بلکہ دماغ سے سودائے خطؔ و خالِ معشوق بھی محو ہو گیا +

۴- یہ ساری چیزیں معشوق کے تصور سے تھیں اب خیال میں وہ رنگینی ہی نہیں

۵- آنسو بہانا آسان کام نہیں - اب نہ دل میں طاقت نہ جگر میں +

۶- ہم سے عشق کا جوا خانہ چھوٹ گیا - وہاں جا کر کیا کریں جب پیسہ پاس نہیں +

۷- میں تو عشق کا بندہ تھا اب فکرِ دنیا کرنا پڑتا ہے - میں کہاں اور یہ وبالِ دنیا کہاں +

۸- جب عناصر میں اعتدال نہیں رہتا تو قوے مضمحل ہو جاتے ہیں اس لئے فرماتے ہیں زمانۂ شباب جاتا رہا ضعیفی آ گئی - عناصر میں اعتدال نہیں رہا +

۱سطر.۷ (۸۲)

کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں ۱ ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اُن سے ۲ کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو ۳ جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے ۴ اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہیں

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود ۵ قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے ۶ خارِ رہ کو ترے ہم مہرِ گیا کہتے ہیں

اِک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائیگا کیا ۷ آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ ۸ اُس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

وحشتؔ و شیفتہؔ اب مرثیہ کہویں شاید ۹ مر گیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

۱- معشوق نے ہم سے وفاداری کی تو رقیب حسد سے اس کو جفا بتلاتے ہیں یہ تو قاعدہ دنیا ہے کہ دشمن اچھوں کو بُرا کہا کرتے ہیں ؂

۲- آج ہم اُن سے اپنی پریشانیٔ خاطر کا حال کہنے تو جاتے ہیں لیکن ہم ایسے پریشان خاطر ہیں کہ ہمارے ہوش و حواس بھی بجا نہیں نہ معلوم ہم اُن سے کیا کہدیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ دیکھئے وہ ہمیں کیا جواب دیں ؂

۳- فرماتے ہیں گذشتہ زمانے کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مے و نغمہ غم کے دُور کرنے والے ہیں۔ مگر ہمارے تجربے میں تو یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔ ہمارا غم تو اور بڑھ جاتا ہے ؂

۴- جب کبھی مجھے غش سے افاقہ ہوتا ہے فوراً تصویرِ یار میرے دل میں آجاتی ہے اس سے زیادہ نالے میں اور کیا رسائی ہو سکتی ہے ؂

۵- بعض لوگ مرزا صاحب کو دہریہ اور لامذہب خیال کرتے ہیں یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ مرزا صاحب کے بہت سے اشعار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اُن کے عقائد ایک پکے مسلمان کے عقائد جیسے تھے اگرچہ عمل میں خامیاں تھیں۔ اس شعر میں فرمایا ہے کہ مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ اُن کا مسجود سرحد ادراکِ فہم سے بھی دور ہے قبلہ سے تو ایک سمت قائم کرنا منظور ہے۔ اور وہ قبلہ نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ قبلے کی سمت قائم کر کے ہم خدائے لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں ؂

۶- مہر گیا ایک بوٹی کا نام ہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص اُسے اپنے پاس رکھتا ہے اس پر لوگ مہربان ہو جاتے ہیں۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔ فرماتے ہیں تیرے راستے میں کانٹا چبھنے سے ہمارا پاؤں زخمی ہو گیا تھا جب سے تجھے اُس پر رحم آیا۔ ہم تیرے خارِ کو مہر گیا کہنے لگے کیونکہ تو اُس کی وجہ سے ہم پر مہربان ہو گیا ؂

۷- ہم ہوا اور آگ کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں کیونکہ عشق کو آتش اور ہوا دونو الفاظ سے

استعارہ کرتے ہیں۔ ہم تیرِ عشق سے کیا گھبرائیں گے۔

۸۔ دیکھئے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ لاتی ہے۔ کچھ تو وہ مغرور تھا ہی کچھ اُس کی تعریف میں ہمارے ایسے جملوں سے جن میں نامِ خدا شامل ہوتا ہے مثلاً سبحان اللہ، ماشاء اللہ وہ اور بھی مغرور ہوتا جا رہا ہے۔ کہیں یہ نوبت نہ آجائے کہ وہ خدائی کا دعوےٰ کر بیٹھے

۹۔ نواب مصطفےٰ خاں صاحب شیفتہ اور غلام علی خاں صاحب وحشت شائد اُس کا مرثیہ لکھیں سُنتے ہیں کہ غالب آشفتہ نوا مر گیا۔ شیفتہ و وحشت مومن صاحب کے شاگرد تھے لیکن مرزا صاحب کی بھی بڑی عزت کرتے تھے اور مومن کی وفات کے بعد مرزا صاحب سے ہی اصلاح لیتے تھے

(۸۳)

آبرو کیا خاک اُس گُل کی کہ گلشن میں نہیں	۱ ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں
ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں	۲ رنگ ہو کر اُڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب	۳ ذرے اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
کیا کہوں تاریکیٔ زندانِ غم اندھیر ہے	۴ پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز ہے	۵ انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں
زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن	۶ غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں
بسکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے	۷ جلوۂ گُل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں
قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا	۸ خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں
لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری	۹ موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں
ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود	۱۰ قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ غربت میں ہو قدر
۱۱
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

۱۔ اُس پھُول کی کیا آبرو جو باغ میں نہ ہو۔ اور وہ گریبان ننگِ پیراہن ہے جو دامن میں نہ ہو۔ مطلب یہ کہ ہر ایک چیز اپنے مقام پر اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہیں اُس کی آبرو ہے۔ پھُول جب باغ سے چلا آیا تو اُس کی کچھ قیمت نہ رہی پیسے میں سینکڑوں پھُول بکنے لگے۔ گریبان جب پھٹ کر نیچے لٹک آیا تو بدنما معلوم ہُوا اور ننگ لباس قرار پایا۔ مطلب یہ کہ پتھر اپنے مقام پر ہی بھاری ہوتا ہے ؎

۲۔ اے گریہ اب مجھے اس قدر ضعف ہوگیا ہے کہ میرے جسم میں کچھ باقی نہیں رہا۔ سب خون آنسو بن کر دامن میں گر پڑا۔ اور تھوڑی سی مقدار جو باقی رہ گئی تھی وہ رنگ چہرہ بنکر اُڑ گیا۔ مطلب یہ کہ میں گریہ سے بہت ضعیف ہو گیا ہوں ؎

۳۔ آفتاب کی شعاعیں جو اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن سے داخل ہوتی ہیں تو ذرات کو روشن کر دیتی ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ یہ ذرے نہیں بلکہ اجزائے نگاہ آفتاب ہیں۔ مطلب یہ کہ آفتاب بھی دیدارِ یار سے مشرف ہونا چاہتا ہے۔ اور چوری چھُپے روزن سے جمالِ معشوق کا تماشا دیکھ رہا ہے ؎ ذروں کو چمک کی وجہ سے اجزائے نگاہ آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے ؎

۴۔ زندانِ غم کی تاریکی کا حال کیا بیان کروں۔ بالکل اندھیرا گُپ رہتا ہے۔ اگر روزنِ دیوار میں روئی رکھ دی جائے تو اُس کی روشنی نورِ صبح سے کم معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ظاہر ہے کہ بہت زیادہ اندھیرے میں اگر تھوڑی سی روشنی بھی لائی جائے تو وہ بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے ؎ (زندانِ غم سے زندانِ غمِ عشق مراد ہے) ؎

۵۔ زندگی کی ترقی عشق سے ہے جو خانہ (جسم) کا ویران کرنے والا ہے۔ دوسرا مصرعہ مثال ہے یعنی اگر خرمن کو جلانے والی برق نہیں جلاتی تو وہ انجمن بے شمع کی مانند ہے مطلب یہ کہ مقصدِ زندگی عشق و محبت ہے اور آتشِ محبت سے جل مرنے کے بعد اپنے اصل ذات خداوند تعالےٰ سے مل سکتا ہے ؎

۶- غیر مجھے میرا زخم سلوانے پر طعنہ زن ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ سوزن سے زخم سلوانے میں بھی بہت تکلیف ہوتی ہے + اذیت سے مراد تکلیف ہے +

۷- ہم اک بہارِ حسن (معشوق) کے ایسے مارے ہوئے ہیں کہ قبر میں بھی ہمارے پیش نظر اسی گل (معشوق) کا جلوہ ہے - گرد و غبار کا کیا کام + لفظ بسکہ نے اس شعر کے معانی کی خوبی کو دو چند کر دیا ہے +

۸- میرے خون کا ہر ایک قطرہ ایک نئے ناسور کا مادہ ہے - یعنی میرا خون بھی ذوقِ درد سے خالی نہیں - مطلب یہ کہ میرا ہر ایک قطرہ خون ایک ناسور بن جائیگا اور یہ میرے عشق کے کامل ہونے کی دلیل ہے +

۹- میری قلزم آشامی نے ساقی کے غرور کو ڈھا دیا - کسی شیشہ شراب کی گردن میں موج باقی نہیں رہی - قاعدہ ہے کہ تھوڑے پانی میں موج نہیں رہتی + قلزم آشامی - دریا کو پی جانا +

۱۰- فشار - بھینچنا - دبانا + فرماتے ہیں کمزوری کے دباؤ میں ناتوانی کا اظہار کس طرح ہو سکتا ہے - میرے تن میں قد کے جھکنے کی بھی گنجائش نہیں - یعنی کمزوری نے چاروں طرف سے مجھے ایسا گھیر رکھا ہے کہ اب میرا قد بھی اور زیادہ نہیں جھک سکتا +

۱۱- مرزا صاحب اپنے آپ کو گھانس پھونس سے تشبیہ دیتے ہیں - فرماتے ہیں جس طرح گھانس پھونس کی قدر نہ تو بھٹی میں ہوتی ہے جو اسے فوراً جلا دیتی ہے اور نہ باہر ہوتی ہے اسی طرح میری قدر نہ تو وطن میں تھی نہ پردیس میں +

(۸۴)

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا ۱ گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں
حلقے ہیں چشمہائے کُشادہ بسُوئے دل ۲ ہر تارِ زُلف کو نگہِ سُرمہ سا کہوں
میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش ۳ تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نکردہ تجھے بے وفا کہوں ۴

۱- میں اس کے ناز و ادا کی تعریف پورے طور پر نہ کر سکا اور نہ کر سکتا ہوں کیونکہ اگر اس میں ایک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا سے تشبیہ دے دوں - وہ تو سینکڑوں اداؤں کا مالک ہے ۔ عہدے سے باہر آنا فارسی محاورہ از عہدہ بیرون آمدن سے لیا گیا ہے ۔

۲- تیری زُلفوں کے حلقے دل کی طرف چشم کُشادہ ہیں کہ موقع ملتے ہی گرفتار کر لیں - اور تیری زلف کا ہر تار رنگ سُرمہ سا ہے - حلقہ اور چشم کی تشبیہ نہایت موزون ہے سُرمہ سا اسم فاعل ہے ۔

۳- میرے لئے تو لاکھوں جگر خراش نالے ہیں اور تیرے لئے وہ نہ سُننا کہ میں اس کو بیان ہی نہیں کر سکتا - تیرے نہ سُننے سے تنگ آ گیا ہوں ۔

۴- اے ظالم (معشوق) میرے گمان سے مجھے منفعل نہ کرانا - کیونکہ میرا گمان تو یہ کہتا ہے کہ تُو بے وفا ہے اور میرا دعوٰی ہے کہ تُو وفادار ہے - توبہ توبہ خدا نہ کرے ایسا نہ کرنا کہ مجھے بھی تم کو بے وفا کہنا پڑے ۔

(۸۵)

مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے چاہو جس وقت ۱ میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے ۲ بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں ۳

۱- گیا وقت پھر کبھی واپس نہیں آتا لیکن میں واپس آ سکتا ہوں اگرچہ میں آپ سے رنجیدہ ہوں پھر بھی آپ جس وقت چاہیں مجھے بُلا لیں - میں تو آپ کی مہربانی کا منتظر ہوں ۔

۲- مجھے طعنۂ اغیار کا کچھ شکوہ نہیں - طعنہ یعنی بات کوئی سر تو نہیں ہے جسے میں ضعف

کی وجہ سے نہیں اُٹھا سکتا۔ میں طعنوں کو برداشت کر سکتا ہوں ✦

۴- جب کہتے ہیں کہ اُس کو فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کو وہ کام کرنے سے انکار ہے۔ پس عاشق معشوق سے ملنے کی قسم کیونکر کھا سکتا ہے کہتا ہے کہ زہر تیرے ملنے کی قسم نہیں کہ کھا نہ سکوں مگر ملتا نہیں ✦ (یادگارِ غالب)

غزل (۸۶)

ہم سے کھُل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن ۱ ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو ۲ اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایکدن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں ۳ رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے ۴ بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن

دَھول دھپّا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
۵
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایکدن

۱- شراب نوشی کے وقت کسی دن ہم سے بے تکلف ہو جاؤ ورنہ خود ہم کسی دن مستی کا بہانہ کر کے تمہیں چھیڑیں گے ✦

۲- عالمِ امکان یعنی دُنیا کی ترقی پر مغرور نہ ہو کیونکہ اس بلندی یعنی دُنیا کے نصیب میں ایک دن پست ہونا ہے یعنی فنا ہونا ہے ✦

۳- یہ شعر مرزا صاحب کے حسبِ حال ہے۔ وہ مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے قرض کی شراب پیتے تھے ✦

۴- شعر صاف ہے۔ دل سے فرماتے ہیں کہ نغمہ ہائے غم کو بھی غنیمت سمجھ کیونکہ ایک دن زندگی ختم ہونے والی ہے ✦

۵- اس شعر میں زبان اور روزمرہ تو اچھا ہے لیکن مرزا صاحب جیسے بلند پایہ شاعر کیلئے ایسا بازاری مضمون لکھنا زیبا نہ تھا۔ شراب کے نشے میں کہدیا ہوگا ✦

(۸۷)

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں	۱ ایک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں
کس مُنہ سے شُکر کیجئے اس لُطفِ خاص کا	۲ پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز	۳ نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
بوسہ نہیں نہ دیجئے دُشنام ہی سہی	۴ آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں
ہر چند جاں گدازیِ قہر و عتاب ہے	۵ ق ہر چند پُشتِ گرمیِ تاب و تواں نہیں
جاں مطربِ ترانۂ ھَلْ مِنْ مَّزِیدْ ہے	۶ لب پردہ سنجِ زمزمۂ الاماں نہیں
ہے ننگِ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو	۷ ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم	۸ دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں
نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب	۹ سَو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں	۱۰ گویا جبیں پہ سجدۂ بُت کا نشاں نہیں
پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی	۱۱ رُوح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
۱۲ غالبؔ کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

۱- ہم پر وہ اس لئے جفائیں نہیں کرتے کہ ہم تنگ آکر وفا چھوڑ بیٹھیں گے۔ اُن کے لئے تو ہم پر جفائیں کرنا اِک چھیڑ کرنا ہے۔ ہمارا امتحان مقصود نہیں۔ یہ تو اُن پر ثابت ہو چکا ہے کہ ہم پورے وفادار ہیں ۔

۲- میں اُن کے اس لطف خاص کا کس مُنہ سے شکوہ ادا کروں کہ وہ الفاظ کے بغیر ہی میری پرسش کرتے ہیں۔ لُطف خاص سے مراد اشارہ یا نگاہ ہے۔ پرسش سے مراد پرسش حال ہے ۔

۳- مطلب یہ ہے کہ ہم کو ستم عزیز ہے اور چونکہ وہ ہم پر ستم کرتا ہے اور ہماری خواہش

پوری کرتا ہے اس لئے وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ اگر مہربان نہیں تو نامہرباں بھی نہیں ہے ٭

۴۔ اگر بوسہ نہیں دیتے تو نہ دیجئے۔ دُشنام تو دیجئے کیونکہ اگر تم دہاں نہیں رکھتے تو زباں تو رکھتے ہو۔ گر دہاں نہیں اس لئے کہا گیا کہ معشوق کا دہاں معدوم سمجھا جاتا ہے ٭

۵-۶۔ ہر چند اُس کا قہر و عتاب میری جان کو پگھلا رہا ہے اور ہر چند مجھے اُس کے مقابلے کی طاقت نہیں لیکن میری جان مزید قہر و عتاب کی خواہشمند ہے اور میرے لب پناہ نہیں مانگتے ٭

۷۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا دل (خنجرِ عشق) دونیم نہیں ہے تو اپنے سینے کو فولادی خنجر سے چیر ڈال کیونکہ وہ بیکار ہے جس میں دلِ دونیم نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں اگر تیری مژہ آنسو برسانے والی نہ ہو تو تُو اپنے دل میں چھُری چبھو لے تاکہ تیرہ مژہ آنسو برسانے لگے ٭

۸۔ وہ سینہ تنگ ہے جس میں دل آتشکدہ نہ ہو یعنی دل آتشِ عشق سے نہ سُلگ رہا ہو۔ اور وہ دل بھی تنگ ہے جس سے آگ برسانے والی آہ نہ نکلتی ہو ٭

۹۔ دیوانہ پن میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہی ہوتا ہے نہ کہ دیوانہ گھر چھوڑ کر بیاباں میں چلا جاتا ہے اور اُس کا گھر خراب حالت میں ہو جاتا ہے۔ پھر اُسے اس صورت میں کیا نقصان ہے۔ وہ سو گز زمین کا مکان کھو کر لاکھوں گز کا بیاباں حاصل کر لیتا ہے ٭

۱۰۔ تم مجھ سے یہ کیوں پوچھتے ہو کہ تیری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ کیا میری پیشانی پر سجدہ بُت کا نشان نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میری قسمت میں بُت پرستی ہے ٭

۱۱۔ ظاہر معنی یہ ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان ایک نہیں ہو سکتی اور در پردہ اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری زبان ہے ویسی روح القدس کی نہیں (از یادگارِ غالب)

۱۲۔ میں جانتا ہوں کہ وہ بوسہ کے بدلے میری جان مانگے گا۔ لیکن ابھی وہ یہ بات کہنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ابھی غالب (عشق سے) نیم جاں نہیں ہُوا وہ اس

وقت میرے سوال بوسہ پر یہ بات کہے گا جب دیکھیگا کہ غالب نیم جان ہو جائیگا اور جان دینے کے قابل نہ رہے گا اور اُس وقت وہ کہہ سکے گا کہ تمہارے پاس تو نیم جاں ہے اور میرے بوسے کی قیمت جان ہے (مرزا صاحب بوسے کے شوقین معلوم ہوتے ہیں یہ اُس زمانے کی شاعری کا رنگ ہے - ورنہ شہنشاہ اقلیم سخن کے لئے بوسہ طلبی ننگ ہے) ⁂

(۸۸)

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ۱ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اُس دشت میں دوڑائے ہے مجھکو کہ جہاں ۲ جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں
حسرت لذّتِ آزار رہی جاتی ہے ۳ جادۂ راہِ وفا جُز دمِ شمشیر نہیں
رنجِ نومیدئ جاوید گوارا رہیو ۴ خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے ۵ لذّتِ سنگ باندازۂ تقریر نہیں
جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے ۶ کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں،

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

۱- لوگوں کی کوئی تدبیر مجھے دشت نوردی سے نہیں روک سکتی - میں اس زنجیر سے کیا رُک سکتا ہوں جو میرے پاؤں میں ڈالی گئی ہے - لوہے کا ایک چکر ہے - دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ زنجیر ہی میرے پاؤں کے چکر کا باعث ہے ⁂ محاوروں کا اس خوبی سے استعمال مرزا صاحب ہی کا حصہ ہے ⁂

۲- عشق حقیقی مجھے اُس دشت میں دوڑا رہا ہے جہاں نگہ اضافت دیدۂ تصویر کے سوا اور کوئی پگ ڈنڈی نہیں - نگہ دیدۂ تصویر سے مراد معدوم ہے کیونکہ تصویر کی آنکھ میں کوئی نگاہ یا روشنی نہیں ہوتی - مطلب یہ کہ عشق حقیقی میں مجھے ایسا کٹھن راستہ طے کرنا ہے جہاں پر کوئی ٹھیا بھی نہیں ⁂

۳- میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ لذتِ آزار جی بھر کر حاصل کروں۔ مگر مجبور ہوں کیونکہ جادہ راہ وفا دمِ شمشیر ہے۔ یعنی شمشیر کی دھار جو ایک دم میں میرا قصہ تمام کر دے گی جادہ راہ وفا ہے۔ بس افسوس ہے کہ لذتِ آزار کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہے ÷ جادہ یعنی بٹیا کو دمِ شمشیر سے تشبیہہ دی گئی ہے ÷ (اقتباس از یادگارِ غالب) ÷

۴- اے رنجِ ناامیدی جاوید مجھے ہمیشہ گوارا رہیو۔ میں اسی حال میں خوش ہوں کہ میرا نالہ تاثیر کی ذلت پسند نہیں کرتا یعنی تاثیر کا احسان نہیں اُٹھاتا ÷

۵- قاعدہ ہے جب کوئی زخم اچھا ہوتا ہے تو اس میں کھجلی ہونی شروع ہو جاتی ہے لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے سر میں جو کھجلی ہوتی ہے وہ دوبارہ زخمِ سنگ کھانے کے شوق کا اظہار ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ لذتِ سنگ احاطۂ تقریر سے باہر ہے۔ بیان نہیں ہو سکتا ÷

۶- جب کرمِ یار رخصتِ گستاخی دے تو اس وقت ارتکابِ خطا سے رُکنے کے سوا اور کوئی خطا نہیں۔ یعنی موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے ÷

۷- مقطع صاف ہے (دوسرا مصرعہ ناسخ کا ہے) ÷

(۱۸۹)

مت مردمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں

آنکھ کی پتلی میں یہ نگاہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سویدائے دلِ چشم میں آہیں جمع ہیں ÷ سویدا۔ ایک سیاہ نشان جو دل پر ہوتا ہے ÷ مردمکِ چشم کو سویدائے دل چشم سے تشبیہہ دی گئی ہے ÷

(۱۹۰)

برشگالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیئے ۔ کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

اُلفتِ گُل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی
سَرو ہے باوصف آزادی گرفتارِ چمن

۱- دیدۂ عاشق کی برسات ہے یعنی عاشق گریہ کر رہا ہے۔ اور اس کے گریہ سے دیوارِ چمن پھول کی طرح سو جگہ سے کھل گئی ہے۔ دیکھئے کثرتِ گل کس حد تک پہنچی ہے کیونکہ عاشق کا گریہ ہے ÷ دیوار کا کھلنا محاورہ ہے ÷

۲- گل سے مراد ہے محبوب ÷ فرماتے ہیں دُنیا میں کوئی شخص اور کوئی شے محبوب سے آزادگی کا دعوےٰ نہیں کر سکتی۔ سَرو بھی باوجود آزاد ہونے کے گرفتارِ چمن ہے ÷

(۹۱)

عشق تاثیر سے نومید نہیں — جاں سپاری شجرِ بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے — جامِ مَے خاتمِ جمشید نہیں
ہے تجلّی تری سامانِ وجُود — ذرّہ بے پرتوِ خورشید نہیں
رازِ معشوق نہ رُسوا ہو جائے — ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے — غمِ محرومیٔ جاوید نہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امّید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امّید نہیں

۱- شجرِ بید ایک شجر ہے جس میں پھل نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ عشقِ صادق ضرور اپنا اثر رکھتا ہے۔ جاں سپاری بید کا شجر نہیں کہ پھل نہ دے ÷

۲- سلطنت ایک سے دوسرے کے پاس آتی ہے اور یونہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سلسلہ بسلسلہ جمشید کا جامِ مَے رندوں کے پاس پہنچ گیا۔ جامِ مَے کوئی خاتمِ جمشید نہ تھا کہ جمشید کے لئے ہی مخصوص رہتا ÷

۳- مطلب یہ ہے کہ موجوداتِ عالم کی ہر ایک چیز سے تیری تجلّی ظاہر ہو رہی ہے

جس طرح ہر ایک ذرہ میں خورشید کا پر تو موجود ہے ۔

۴ - بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں خواہ پوشیدہ مصلحت ہو اور خواہ پوشیدہ قباحت ہو - یہاں پوشیدہ قباحت مراد ہے - اگر مر جانے کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہوتا تو بھید کے معنی مصلحت ہوتے (از یادگارِ غالب) ۔

۵ - ہمیں عیش و عشرت نہیں چاہئے کیونکہ اس میں انقلاب کا اندیشہ ہے - ہمیں جاوید کا غم نہیں کیونکہ یہ انقلاب پذیر نہیں ۔

۶ - لوگ کہتے ہیں کہ امید کے بغیر زندگی ناممکن ہے - ہمیں دُنیا میں کوئی بھی امید نہیں ہے حتیٰ کہ جینے کی بھی امید نہیں پس زندگی سے ناامیدی لازمی ہو گئی ۔

(۹۲)

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں ۱ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے ۲ سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت سے اِک قدِ آدم ۳ قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری ۴ تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سُراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے ۵ کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
۶ تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

۱ - جس جگہ ہم تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں - ہم کثرت سے بہشت دیکھتے ہیں یعنی بہت سے باغ ہائے بہشت ہمارے سامنے آجاتے ہیں ۔

۲ - خالِ کنجِ دہن کے عاشق اپنے سویدائے دل میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں - مطلب یہ کہ دہنِ یار کے عاشق اپنے دل میں معشوق کے تصور سے عدم یعنی دہنِ یار دیکھتے ہیں - دہن معشوق کو عدم سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔

۳- اس شعر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تیرے سروِ قامت سے فتنۂ قیامت کمتر ہے اور دوسرے یہ کہ تیرا قامت فتنۂ قیامت میں سے بنایا گیا ہے اسی لئے وہ ایک قدِ آدم کم ہو گیا (از یادگارِ غالب) قامت اور قیامت میں صنعتِ تجنیس ملاحظہ ہو ٭

۴- اے آئینہ دیکھنے میں محو ہونے والے معشوق ذرا یہ تماشا تو دیکھ کہ ہم تجھے کس تمنا سے دیکھ رہے ہیں ٭ مرزا صاحب فارسی تماشہ کُن کا ترجمہ لفظی فرماتے ہیں تماشہ کُن

۵- شب رَو - رات کو چلنے والا - مطلب یہ ہے کہ نالے کی گرمی کا پتہ داغِ دل سے لے کیونکہ رات کو چلنے والوں کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں ٭ نالہ کو شب رو سے تشبیہ دی گئی ہے - کیونکہ عاشق مزاج عام طور پر شب کو نالہ و فریاد کرتے ہیں ٭

۶- اے غالب ہمارا مقصد بھیک مانگنا نہیں بلکہ ہم تو فقیروں کے بھیس ہیں اہلِ کرم کا تماشا دیکھتے ہیں یعنی اُن کا امتحان لیتے ہیں کہ کون خلوص کے ساتھ بخشش دیتا ہے اور کون دکھلاوے کے لئے ٭

(۹۳)

۱ ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں — کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

۲ کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں — شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

۳ تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر — آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

۴ قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں — میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

۵ مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

۶ جو منکرِ وفا ہو فریب اُس پہ کیا چلے — کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں

۷ میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے — ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

۸ میں اور حظِّ وصل خدا ساز بات ہے — جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

۹ ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے — ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چُرانا نگاہ کا ۱۰ لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
وُہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے ۱۱ جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں
وُہ سحر مُدعا طلبی میں نہ کام آئے ۱۲ جس سحر سے سفینہ رواں ہو سُراب میں

غالبؔ چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
۱۳
پیتا ہُوں روزِ ابر وشبِ ماہتاب میں

۱- آگ گرمئی مزاج میں میرے یار سے ملتی جُلتی ہے۔ اس لئے مجھے عذابِ نار راحت بخش ہے اگر میں غلط کہتا ہوں تو مجھے کافر سمجھو *

۲- فرمایا ہے کہ اگر میں شب ہائے ہجر کو بھی حساب میں رکھوں تو میں اپنی عمر کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتا کیونکہ ایک ایک رات ہزار ہزار برس کی ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس لئے میں بتا ہی نہیں سکتا کہ دُنیا میں کب سے ہوں *

۳- میرے خواب میں آکر پھر آنے کا وعدہ کر گئے تاکہ مجھے آئندہ عمر بھر نیند ہی نہ آسکے*

۴- بطور طنز کہا گیا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے یعنی وہ کچھ نہ لکھیں گے اس لئے قاصد کے آنے سے پہلے ایک اور خط لکھ رکھوں ؛ (از یادگارِ غالب)

۵- پہلے مصرعہ کے بعد اتنا جُملہ محذوف ہے (پھر آج جو خلاف عادت جام کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے) اس حذف نے شعر کا رُتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ ایسا حذف جس پر قرینہ دلالت کرتا ہو اور جو الفاظ حذف کئے گئے ہوں وہ بغیر ذکر کے دونو مصرعوں میں بول رہے ہوں محسناتِ شعر میں شمار کیا جاتا ہے (از یادگارِ غالب) *

۶- میرا دوست تو وفا کا قائل ہی نہیں دشمن اُس کو کیا دھوکا دے سکتا ہے کہ وہ میرے دوست کا وفادار عاشق ہے۔ پھر میں خواہ مخواہ اپنے دوست سے کیوں بدگماں ہوں*

۷- میں وصل میں اس لئے بے چین ہوں کہ میرا رقیب نہ آجائے لیکن تم کس بدگمانی

سے پیچ و تاب کھا رہے ہو - میرا تو سوائے تمہارے اور کوئی محبوب ہی نہیں ۔

۸ - زہے قسمت کہ میں اور خطِ وصل یعنی وہ اور میرے پاس وعدۂ وصل کا خط بھیجے یہ خدا ساز بات ہے یعنی خدا نے میرا کام بنایا ہے - مجھے چاہئے تھا کہ میں اس خط پر اپنی جان نثار کر دیتا لیکن میں جوشِ مسرت میں بھول گیا ۔

۹ - معشوق کے غضب کا اظہار کیا ہے - فرماتے ہیں کہ نقاب کے اندر تیوری چڑھتی ہے تو نقاب پر اس کا اثر آتا ہے - اور شکن پڑ جاتا ہے ۔

۱۰ - معشوق کی نسبت فرماتے ہیں کہ اُس کے ایک نگاہ کے چرانے میں بھی لاکھوں لگاوٹیں ہیں - اور اس کے غصہ میں ایک دفعہ بگڑنے میں بھی لاکھوں بناوٹیں - قاعدہ ہے کہ عاشق کو معشوق کی بُری بات بھی اچھی معلوم ہوتی ہے - اُس کی نگاہ چرانے میں لاکھوں لگاوٹیں اور اس کے بگڑنے میں لاکھوں بناوٹ نظر آتے ہیں - شعر فصاحت اور بلاغت میں بےمثل ہے اور سلاست اور شستگی الفاظ میں نادر - اس پر طرّہ یہ کہ معنوی لحاظ سے بالکل فطرتی ہے ۔

۱۱ - اپنی شومئے قسمت پر تاسّف کرتے ہیں کہ افسوس میرا وہ نالہ جس سے آفتاب میں بھی شگاف پڑ جائے اُن کے دل میں تنکے کے برابر بھی ٹھیس نہیں لگاتا ۔

۱۲ - میرا سحر یعنی میری جادو بیانی بھی جس کے اثر سے سراب میں کشتی رواں ہو جائے میری بدقسمتی کی وجہ سے میری مدعا طلبی میں بیکار ثابت ہوئی ۔ سراب - ریت کا وہ میدان جو دُور سے پانی معلوم ہوتا ہے ۔

۱۳ - (مقطع قابلِ تشریح نہیں)

(۹۴)

کل کے لئے کر آج نہ خسّت شراب میں ۱ یہ سُوئے ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند ۲ گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع ۳ گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

— رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے ۴ نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

— اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ۵ جتنا کہ وہمِ غیر سے ہُوں پیچ و تاب میں

— اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۶ حیراں ہُوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

— ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر ۷ یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی ۸ ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز ۹ پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود ۱۰ ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بُوئے دوست
۱۱
مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بُوتراب میں

۱- کل روزِ قیامت کے لئے آج شراب پینے میں کمی نہ کر۔ یہ خیال ساقی کوثر حضرت علی علیہ السلام کی شان میں سوءِ ظن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ مشہور ہے جو شخص دُنیا میں شراب پئے گا اُس کو آخرت میں ساقی کوثر جام شرابِ خلد عطا نہ فرمائیں گے اس پر یقین نہ کر کیونکہ ایسا خیال کرنا اُن کی شان میں سوءِ ظن ہے۔ ان کی فیاضی سے یہ امر بعید ہے کہ وہ ہر ایک کو جام عطا نہ فرمائیں ۔

۲- ہم آج کیوں اتنے ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ کل تک تو تجھے ہماری اتنی خاطر منظور تھی کہ فرشتے اگر ہماری شان میں گستاخی کرتے تھے تو ہمیں اُن سے سجدہ کرواتا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک کے سیپارہ الٓمٓ میں موجود ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَه

۳- اگر وہ صدا یعنی صدائے معشوق حقیقی چنگ و رباب میں سمائی ہوئی ہے تو گانا سُننے کے وقت تن سے جان کیوں نکلنے لگتی ہے۔ مطلب یہ کہ چنگ و رباب میں

اُسی کی آواز ہے اور جان اُس آواز پر فدا ہونے کے لئے نکلنے لگتی ہے ۔ (طرزِ بیان کیا دل کش ہے) ۔

۴ - رخش بھاگا چلا جا رہا ہے - دیکھئے کہاں تھمے - نہ ہمارے ہاتھ میں اُس کی باگ ہے نہ پاؤں رکاب میں یعنی ہمارے قابو سے بالکل باہر ہے - یہ ظاہر ہے کہ عمر کے گھوڑے کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ آگے چلا سکتا ہے ۔ بے قابو گھوڑے سے عمر کی تشبیہ بہترین تشبیہ ہے ۔

۵ - غیر سے یہاں ماسوا اللہ مراد ہے جو صوفیہ کے نزدیک معدوم ہے کیونکہ وہ وجودِ واجب کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں - کہتا ہے جس قدر ماسوا کے وہم سے رات دن پیچ و تاب میں رہتا ہوں - اُتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجود واجب سے بُعد ہے (یادگارِ غالب) ۔

۶ - جب شہود و شاہد و مشہود کی اصل ایک ہے تو پھر مشاہدہ کس حساب میں ہے۔
شہود - صوفیہ کی اصطلاح میں تمام موجوداتِ عالم اُس کی ذات کا جلوہ دیکھتا ہے ۔
شاہد - دیکھنے والا ۔ مشہود جو دیکھا جائے ۔ مشاہدہ - دیدار ۔ مطلب یہ ہے کہ جب شہود و شاہد و مشہود ایک ہی شے ہیں تو مشاہدہ کس کا ہوگا - شاہد کون ہوگا اور مشہود کون ۔

۷ - وحدتِ وجود اور کثرتِ موہوم کی تمثیل ہے - قطرہ و موج و حباب کے ہیچ و ناچیز ہونے کو ایک عام محاورہ میں اس طرح ادا کرنا کہ یہاں کیا دھرا ہے منتہائے بلاغت ہے - (از یادگارِ غالب) ۔

۸ - شرم خواہ اپنے ہی سے ہو اِک ادائے ناز ہے - جو اس طرح حجاب میں ہیں اور ناز دکھا رہے ہیں یعنی شرم کر رہے ہیں وہ کتنے بے حجاب ہیں اُن کی بے حجابی اس سے بھی ظاہر ہے کہ عالمِ موجودات کی ہر شے میں اُن کا ظہور ہے - یہ شعر بھی عشق حقیقی میں ہے ۔

۹۔ یہ شعر بھی تصوف میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ آرائش جمال سے فارغ نہیں کیونکہ نقاب میں بھی موجوداتِ عالم کا آئینہ پیشِ نظر ہے اور اس میں اپنا جمال دیکھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ موجوداتِ عالم کی ہر شے میں اُس کا عکس جھلک رہا ہے ۔

۱۰۔ سالک کو تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی حق نظر آئے اُس کو شہود کہتے ہیں۔ اور غیب الغیب سے مراد مرتبۂ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصر و بصیرت سے ورأ الورا ہے ۔ کہتا ہے جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیب الغیب ہے اور اُس کو غلطی سے شہود سمجھتے ہیں ۔ ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ میں جاگتا ہوں پس گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب میں ہے (یادگارِ غالب) ۔

۱۱۔ اے غالب دوست کے دوست سے بُوئے دوست آتی ہے ۔ بوتراب کی بندگی میں گویا خدا کی عبادت میں مشغول ہوں ۔ اس شعر میں دوست کے دوست سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہٗ ہیں ۔ جن کا لقب بوتراب بھی تھا ۔ اور دوست سے مراد ذات خداوند تعالٰے ہے ۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی صفات دوست کے دوست میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے جب میں بندگیٔ بوتراب کرتا ہوں تو گویا بندگیٔ خدا کرتا ہوں بندگی سے یہاں مراد عبدیت نہیں ہے بلکہ محبت و اطاعت ہے ۔ بو اور بوتراب میں صنعت تجنیس ملاحظہ ہو ۔

(۹۵)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں ۱ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ۲ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار ۳ اے کاش جانتا نہ تری رہگذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے ۴ کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے ۵ یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ ۶ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار ۷ کیا پوجتا ہوں اس بُت بیداد گر کو میں
پھر بیخودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار ۸ جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا ۹ سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہُنر کو میں

غالبؔ خُدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز
۱۰
دیکھوں علی بہادرِ عالی گُہر کو میں

۱۔ میرے دل اور جگر دونو کا خون ہو چُکا۔ میں حیران ہوں کہ دل اور جگر دونو کا ماتم کس طرح کروں اگر مقدور ہو تو میں ایک نوحہ گر ملازم رکھ کر ساتھ رکھوں تاکہ ہم دونوں میں سے ایک دل کا ماتم کرتا رہے اور ایک جگر کا ؞

۲۔ رشک مجھے اجازت نہیں دیتا کہ کس کے سامنے تیرے گھر کا نام لُوں کیونکہ میں کسی دوسرے کو تیرا نام سُنانا نہیں چاہتا۔ پس میں ہر اک سے یہ پوچھتا ہُوا جا رہا ہوں کہ مجھے کدھر کو جانا چاہئے۔ لوگ مجھے تیرا عاشق جانتے ہی ہیں وہ مجھے تیرے گھر کا راستہ بتا ہی دینگے مرزا صاحب یہ جتانا چاہتے ہیں کہ بیخودی عشق میں محبوب کے مکان کا راستہ بھی بھول جاتا ہوں ؞

۳۔ افسوس کہ مجھے تیری تلاش میں ہزار بار رقیب کے دروازے پر بھی جانا پڑا کاش کہ میں تیرے گھر کے راستے سے واقف نہ ہوتا یعنی تیرے عشق میں نہ پھنستا۔ نہ تیرے عشق میں مُبتلا ہوتا نہ رقیب کے دروازے پر تیرا انتظار کرنا پڑتا ؞

۴۔ تم جو مجھے دھمکی دے رہے ہو کہ میں نے تمہیں قتل کرنے کے لئے کمر کس لی ہے سو میں اس دھمکی سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہاری کمر کو جانتا ہوں کہ وہ بہت نازک ہے اور تم مجھکو قتل نہ کرسکو گے ؞

۵- پہلے مصرعہ میں اظہار افسوس کیا گیا ہے فرماتے ہیں افسوس جن کے عشق میں میں گھر بار لٹا کر مفلس اور قلاش ہو بیٹھا وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو بے عزت ہے - اگر مجھے یہ خبر ہوتی تو میں اپنے گھر کو نہ لٹاتا ❊

۶- غالب اوّل اوّل جس شخص میں کوئی کرشمہ یا وجد و سماع وجوش وخروش دیکھتا ہے تو اُسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے پھر جب کوئی اس سے بڑھکر نظر آتا ہے تو اس کا تعاقب کرتا ہے - اور وجہ اس تذبذب اور تزلزل کی یہی ہوتی ہے کہ وہ کاملین کو نہیں پہچان سکتا (ازیادگارِ غالب) ❊

۷- مجھے اُس بتِ بیداد گر کی خواہش یعنی چاہ ہے اور بیوقوف لوگ سمجھنے لگے کہ میں اُس کا پوجنے والا ہی ہوں یعنی بُت پرست ہوں - مگر ایسا نہیں ہے ❊

۸- بیخودیٔ عشق نے پھر مجھے اپنے آپ سے بیخبر کر دیا اور ایسا مدہوش بنا دیا کہ کوئے یار کا راستہ بھی مجھے یاد نہ رہا - ورنہ ایک دن کوئے یار میں جاکر اپنی خبر لاتا یعنی کوئے یار میں پہنچکر ہی میں اپنے سے باخبر ہو سکتا ہوں ❊

۹- چونکہ میں متاعِ ہنر کو دل پسند سمجھتا ہوں اس لئے قیاس کرتا ہوں کہ اہلِ دنیا کو بھی متاعِ ہنر پسند ہے - لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے - اہلِ دنیا کی نظروں میں متاعِ ہنر کی کوئی وقعت نہیں ❊

۱۰- اے غالب خدا کرے میں سوارِ سمندِ ناز علی بہادر عالی گہر کو دیکھوں ❊ سوارِ سمندِ ناز - عزت کے گھوڑے کا سوار ❊

(۹۶)

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں ۱ غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق ۲ مژدۂ قتل مقدّر ہے جو مذکور نہیں

شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم ۳ لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ۴ ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں

حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی ۵ عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

میں جو کہتا ہُوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں ۶ کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو ۷ تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ ۸ وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
۹
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

۱- میرے معشوق کو میرا ذکر برائی میں بھی منظور نہیں یعنی وہ مجھ سے اتنا ناراض ہے کہ میرا ذکر سننا ہی نہیں چاہتا اور رقیب چونکہ مجھے بُرا کہنے کا عادی ہے اس لئے میرے معشوق اور رقیب کا جھگڑا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی کچھ تعجب نہیں کہ اُن کا قطع تعلق ہو جائے اور رقیب کی بنی بنائی بات بگڑ جائے ۔

۲- معشوق نے میرے ہمراہ سیر گلستاں کا وعدہ کیا ہے ۔ خوشا طالع عشق کیونکہ قتل کی خوشخبری اس میں مضمر ہے جس کا ذکر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے میرے ہمراہ سیر گلستاں وعدہ فرما لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میرا بخت رسا ہونے لگا ہے۔ اور وہ میرے قتل پر بھی رضامند ہو جائیں گے۔ طالع اور مقدر کی لفظی رعایت ملاحظہ ہو ۔

۳- لوگ کہتے ہیں کہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے یعنی عالم اتنا موہوم ہے جتنی کہ شاہد حقیقی کی کمر۔ (معشوق کی کمر کو شعرا موہوم مانتے ہیں) مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس بات پر بھی رضامند نہیں کہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے۔ ہم تو اُس کا وجود ہی نہیں مانتے ۔ محض وہم ہے ۔ عالم کی نسبت یہ کہنا کہ "ہے" ہی غلط ہے ۔

(اس مبالغہ کو مبالغہ مردود کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا) ۔

۴۔ ایک جز میں بھی کُل کی صفات ہوتی ہیں اور انسان واجب ہستی کا جُز ہے اسلئے ہم بھی منصور کی طرح خدا ہونے کا دعوے کر سکتے ہیں لیکن ہم منصور جیسے تنگ ظرف نہیں کہ انا الحق پکارتے پھریں ۔

۵۔ اسے ذوق خرابی افسوس کہ ہم میں اب ایسی طاقت نہیں رہی کہ شورشِ عشق کو برداشت کر سکیں ۔ ذوق خرابی سے مراد ذوقِ خرابی عشق ہے ۔

۶۔ شعر صاف ہے لیکن معشوق کا رعونت سے یہ کہنا کہ ہم حور نہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ معشوق حور کو اپنے سے بہت کمتر سمجھتا ہے ۔

۷۔ اگر تو مجھکو اس قابل نہیں سمجھتا کہ مجھ پر مہربانی کی جائے تو مجھ پر ظلم ہی کر اور یہی جتنا کر۔ لیکن تغافل نہ کر کیونکہ تو مجھ پر ظلم تو کر سکتا ہے بس تو یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی تعلق قائم رہے ۔

۸۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہم جمشید جیسے اعلیٰ مرتبت بادشاہ کی پیروی میں شراب پیتے ہیں اس لئے ہمارے لئے یہ زیبا نہیں کہ شراب انگور کے سوا اور کسی گھٹیا شراب کا استعمال کریں ۔

۹۔ میں ظہوری کے مقابلے کا شاعر ہوں اور اس کی یہ دلیل ہے کہ وہ مشہور تھا اور میں مشہور نہیں۔ ظہوری اور خفائی میں تضاد معنوی ہے ۔ ظہوری مشہور شاعر گزرا ہے سہ نثر ظہوری اُس کی مشہور کتاب ہے ۔

(۹۷)

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں	۱	ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں
عشق و مزدوریٔ عشرت گہِ خسرو کیا خوب	۲	ہم کو تسلیم نکونامیٔ فرہاد نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم	۳	دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں
اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب	۴	لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں

دائے محرومیٔ تسلیم و بداحالِ وفا ۵ جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں
رنگِ تمکینِ گُل و لالہ پریشاں کیوں ہے ۶ گر چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہیں
سَبدِ گُل کے تلے بند کرے ہے گلچیں ۷ مژدہ اے مُرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں
نفی سے کرتی ہے اثبات تراوِش گویا ۸ دی ہے جائے دہن اس کو دمِ ایجاد نہیں
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کُوچہ سے بہشت ۹ یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس مُنہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
۱۰
تم کو بے مہریٔ یارانِ وطن یاد نہیں

۱۔ اے ستم ایجاد معشوق میرا نالہ شکوہ بیداد نہیں بلکہ میں تجھ پر تقاضائے جفا کرنا چاہتا ہوں اور نالہ حسن طلب ہے تقاضائے جفا کے لئے تاکہ تُو میرے نالے سُنکر مجھ پر اور زیادہ جفائیں کرے ۔

۲۔ کہتے ہیں فرہاد نے کوہ بیستون اس غرض سے بھی کاٹا تھا کہ شیریں زوجہ خسرو کا محل پہاڑ کے پتھروں سے بنایا جائے ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خسرو کے محل کے لئے مزدوری کرنا ایک عاشق کی شان کے خلاف تھا ۔ ہم کو اس کی نیک نامی پسند نہیں یعنی ہم اُس کو نیک نامی کا مستحق نہیں سمجھتے ۔

۳۔ ویرانی کے لحاظ سے میرا گھر بھی دشت سے کم نہیں لیکن وسعت کے لحاظ سے بہت کم ہے ۔ اس لئے دشت میں مجھے وہ عیش حاصل ہے کہ گھر یاد نہیں آتا ۔

۴۔ اہلِ نظر کے لئے طوفانِ حوادث مکتب ہے ۔ موجِ طوفانِ حوادث کا طمانچہ اُستاد کے طمانچے سے کم نہیں ۔ مطلب یہ کہ حادثاتِ دُنیا سبق آموز ہیں ۔

۵۔ ہماری محرومیٔ تسلیم و وفا پر افسوس ہے کہ ہمیں داد نہیں دی جاتی بلکہ ہمارا محبوب یہ سمجھتا ہے کہ اپنی کمزوری کی وجہ سے فریاد نہیں کرسکتے ۔

۶۔ گل و لالہ کے رنگِ تمکیں میں ثبات نہیں ۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ سرِ رہگذرِ باد

کے چراغ ہیں۔ یعنی جس طرح چراغ سرِ رہگذر باد بہت جلد بُجھ جاتا ہے اسی طرح گُل و لالہ بہت جلد پژمردہ ہو جاتے ہیں +

۷۔ گلچیں نے تجھ کو سبدِ گل کے پیچھے بند کیا ہے۔ اے مرغ تجھکو یہ مُژدہ مبارک ہو کہ باغ میں صیاد نہیں ورنہ قفس میں بند کیا جاتا +

۸۔ اُس کو دمِ ایجاد یعنی پیدائش کے وقت دہن کی بجائے لفظ نہیں عطا کیا گیا ہے۔ گویا وہ نہیں سے نفی کو اثبات میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعرا کے قول کے بموجب معشوق دہن نہیں رکھتا۔ لیکن معشوق حسب عادت ہر بار نہیں کہکر دہن کے ہونے کا ثبوت دے دیتا ہے۔ اس لئے گویا وہ نفی سے اثبات ظاہر کرتا ہے +

۹۔ حُسن کی جلوہ گری میں بہشت بھی تیرے کُوچہ سے کم نہیں ہے کیونکہ وہاں بہت سی حوریں ہیں وہاں بھی یہی حالت ہے لیکن بہشت اس قدر آباد نہیں تیرے کُوچے میں ہجومِ عشاق بہت زیادہ ہے۔ اور بہشت میں بہت کم لوگ جائیں گے +

۱۰۔ اے غالب تم کس مُنہ سے پردیس کی شکایت کرتے ہو۔ کیا تم کو اہلِ وطن کی بے وفائی یاد نہیں +

(۹۸)

دونوں جہاں دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا ۱ یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے ۲ تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم
۳
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

۱۔ اپنی فراخ حوصلگی اور اس کے ساتھ شرافتِ نفس کا اظہار ہے۔ یعنی میں جو دونو جہاں لے کر خاموش ہو رہا۔ اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ان پر قانع ہوگیا۔ بلکہ

مجھ کو زیادہ مانگنے اور تکرار کرنے سے شرم آئی اس لئے خاموشی اختیار کی (از یادگار غالب)

۲- ہر ایک منزل عشق پر دو چار سالک تھک تھک کر رہ گئے۔ تیرا پتہ نہ ملے تو مجبوراً کیا کریں یہ شعر بھی عشق حقیقی میں ہے ۔

۳- کیا اہلِ بزم شمع کے خیر خواہ نہیں ہوتے۔ ضرور ہوتے ہیں مگر خیر خواہ کیا کر سکتے ہیں شمع کو ایسا جانگداز غم ہوتا ہے کہ وہ آخر کار فنا ہی ہو جاتی ہے اور خیر خواہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اسی طرح میرے غمخوار بھی میرا غم نہیں بٹا سکتے ۔

(۹۹)

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

غیر کی شیریں بیانی کارگر ہو گئی اور معشوق کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ میرا سچا عاشق ہے برخلاف اس کے ہم بے زبان ہیں اور شیخی نہیں بگھارتے۔ ہماری نسبت معشوق کو عاشق ہونے کا گمان بھی نہیں ۔

(۱۰۰)

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا ۱ تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

دلِ نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالبؔ
نہ کر سرگرم اُس کافر کو الفت آزمانے میں ۲

۱- یہ غضب ہے کہ لیلےٰ کا دشتِ قیس میں (پرسش احوال قیس کے لئے) آنے کا حال سُن کر وہ تعجب سے پوچھتا ہے کہ کیا زمانے میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق پرسش احوال عاشق کے لئے چلا جائے۔ مطلب یہ کہ یہ تو معشوق کی شان کے خلاف ہے ۔

۲- اے غالب مجھے اُس کے دل نازک پر رحم آتا ہے تو اُس کافر کو مبتلائے عشق ہونے کی ترغیب دے چونکہ وہ بہت نازک دل ہے وہ صدمات عشق برداشت نہ کر سکے گا ۔

(۱۰۱)

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا ۱ بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یاں
ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام ۲ مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگزارِ بادیاں

۱- چونکہ وہ بھی عاشق بن گئے ہیں اس لئے وہ بھی میری طرح تنہا اور چُپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی بیکسی کی داد اس دُنیا میں ہی پالی اور وہ ہمارے صبر میں گرفتار ہو گئے۔

۲- سُورج کو اس لحاظ سے کہ وہ بھی اجزائے عالم میں سے ہے اور تمام اجزائے عالم آمادہ زوال وفنا ہیں۔ چراغِ رہگزرِ باد سے تشبیہ دی ہے جو بالکل نئی تشبیہ ہے۔ (از یادگارِ غالب)۔

(۱۰۲)

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں ۱ کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۲ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو ۳ یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
۴
ہم اوجِ طالعِ لعل و گُہر کو دیکھتے ہیں

۱- ہم جو ہجر میں دیوار و در کی طرف دیکھتے ہیں اس کی یہ وجہ ہیں کہ در کی طرف تو ہم اس وجہ سے دیکھتے ہیں کہ شائد ہمارا قاصد خط کا جواب لے کر آ رہا ہو اور دیوار کی طرف اس وجہ سے کہ شائد صبا کوچۂ یار سے ہمارے لئے کوئی پیغام لائے۔

۲- اپنے گھر میں معشوق کے آنے سے جو تعجّب اور حیرت ہوئی ہے دوسرے مصرع میں اُس کی کیا عمدہ تصویر کھینچی ہے یعنی کبھی معشوق کو دیکھتا ہے اور کبھی اپنے گھر کو۔ کہ اس گھر میں ایسا شخص وارد ہوا (از یادگارِ غالب)۔

۳- یہ مجھے اپنے زخم جگر کا فکر نہیں - بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ یہ لوگ میرے زخم جگر کو کیوں دیکھتے ہیں کیونکہ زخم جگر بہت گہرا ہے اور کہیں معشوق کے دست دباز و کو نظر نہ لگ جائے +

۴- ہم اُن جواہر کو نہیں دیکھتے جو تیری کلاہ کے گوشے پر ٹکے ہوئے ہیں بلکہ ہم تو اُنکے نصیبے کی بلندی دیکھ کر اُن پر رشک کر رہے ہیں +

(۱۰۳)

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱ شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

کوئی کہے کہ شبِ ماہ میں کیا برائی ہے ۲ بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

جو آؤں سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہیں ۳ جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں ۴ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب ۵ گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام ۶ دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

۱- یہ نہیں کہ مجھکو قیامت پر اعتقاد نہ ہو - اعتقاد ضرور ہے - میں مانتا ہوں کہ قیامت آئے گی - لیکن مجھے یہ یقین ہے کہ قیامت شبِ فرقت سے زیادہ لمبی اور تکلیف دہ نہیں ہو سکتی +

۲- اگر آج دن میں ابر و باد نہیں رہا تو بلا سے - چاندنی رات میں کیا بُرائی ہے اس کا منظر بھی بڑا لطف انگیز ہوتا ہے +

۳- جب اُن کے پاس جاتا ہوں تو آیئے تشریف لائیے نہیں کہتے اور جب اُن کے پاس سے جاتا ہوں تو خیر باد یعنی خدا حافظ نہیں کہتے یعنی اُن کی نظروں میں میری کوئی توقیر نہیں +

۴- میں اُنہیں کبھی یاد بھی آتا ہوں تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ آج محفل سونی پڑی ہوئی ہے

کچھ فتنہ فساد نہیں۔ گویا وہ مجھے جھگڑالو سمجھتے ہیں +

۵۔ ہمیں عید کے علاوہ اور دنوں میں بھی شراب ملتی ہے۔ گدائے کوچہ میخانہ نامراد نہیں رہتا ساقی پلا دیتا ہے +

۶۔ دُنیا میں غم و شادی ساتھ ساتھ ہوں ہمیں کیا کام۔ مطلب یہ کہ دُنیا میں غم کے بعد شادی اور شادی کے بعد غم ہوتا چلا آیا ہے مگر خدا نے ہم کو تو ایسا دل دیا ہے کہ کبھی شاد ہی نہیں ہوتا۔ لہذا ہمارے حصّے میں تو غم ہی غم ہے +

۷۔ اے غالب تم اُن سے اُن کے وعدوں کا ذکر ہی نہ کرو کیونکہ یہ تو ایک بیکار بات ہے کہ انہیں ان کے وعدے یاد دلاؤ اور وہ جان بوجھکر کہہ دیویں کہ ہمیں تو یاد نہیں +

(۱۰۴)

ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں	۱	تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی اِک اپنی ہوا باندھتے ہیں	۲	آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں	۳	تیری فرصت کے مقابل اے عمر
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں	۴	قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں	۵	نشّہ رنگ سے ہے واشُدِ گُل
لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہیں	۶	غلطی ہائے مضامیں مت پُوچھ
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں	۷	اہلِ تدبیر کی واماندگیاں

ساده پُرکار ہیں خوباں غالبؔ
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں ۸

۱۔ تیرے گھوڑے کو اپنے شعر میں صبا سے تشبیہ دے کر ہم محض اپنے مضمون کی ہوا باندھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تیرا توسن صبا جیسا تیز رفتار نہیں ہے +

ہوا باندھنا۔ حقیقت سے بڑھ کر ظاہر کرنا + شان جتلانا۔ رعب جمانا +

۲- ہماری آہ کا اثر کس نے دیکھا ہے یعنی ہماری آہ میں کوئی اثر نہیں ہم محض اپنی ہوا باندھتے ہیں +

۳- اے اسپِ عمر تیری تیزی کے مقابلے میں ہم برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں یعنی بہت سُست بتلاتے ہیں + پا بہ حنا - مہندی لگائے ہوئے - یعنی چلنے کے ناقابل +

۴- قیدِ ہستی سے رہائی نہیں ہوتی - جیسے کہ اشک کو باوجود اس کے کہ سر و پا نہیں رکھتا شعرا لوگ اپنے شعر میں بے سر و پا باندھتے ہیں - اس شعر میں باندھنا اپنے لفظی اور محاورہ کے دونو معنی دے رہا ہے +

۵- پھول اپنے رنگ کے نشہ میں کھل جاتا ہے - مست اپنی قبا کے بند نہیں باندھتے اسی طرح پھول جو کہ مست ہے کھلا ہوا رہتا ہے +

۶- مضامین کی غلطیاں مت پوچھ - لوگ نالے کو رسا بھی جانتے ہیں اور پھر شعر میں رسا بھی باندھتے ہیں - اگر رسا ہوتا تو بندھتا ہی کیوں + دوسری خوبی یہ ہے کہ اگر رسا کو رسّہ پڑھا جائے تو یہ مضمون نکل سکتا ہے کہ لوگ نالے یعنی سُوت کے ڈورے کو رسّہ (موٹی رسّی) باندھتے ہیں + رسا اور رسّہ میں صنعت تجنیس ہے +

۷- عقلمند لوگوں کی عاجزی یا غلطی دیکھو کہ آبلوں پر حنا باندھتے ہیں جس کے باعث چلنے سے بالکل معذوری ہو جاتی ہے (آبلوں پر حنا باندھنے سے آبلے اچھے ہو جاتے ہیں +

۸ اے غالب معشوق سادگی میں بھی بہت چالاک ہیں اگرچہ ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں لیکن اُن کے پیمان کا کوئی اعتبار نہیں +

(۱۰۵)

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسدؔ
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

اسد کی جان کی قسم زمانہ بہت کم آزار ہے - ہم تو اس سے بہت زیادہ ستم اٹھانے

کے آرزومند ہیں ؎

(۱۰۶)

۱ خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
دائم پڑا ہُوا ترے در پر نہیں ہوں میں

۲ کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

۳ یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

۴ حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

۵ کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

ق

۶ رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبہ میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

۷ کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

۸ غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

۱- ایسی زندگی بیکار ہے کہ میں تیرے سنگِ در کی طرح دائم تیرے در پر بھی پڑا ہُوا نہیں ہوں۔ یعنی تیرا سنگِ در بھی مجھ سے بہتر ہے۔ مجھے تیرے دروازے پر بھی باریابی حاصل نہیں۔

۲- گردشِ مدام سے میرا دل کیوں نہ گھبرا جائے۔ آخر میں انسان ہوں ساغرِ مے تو نہیں ہوں کہ مدام گردش میں رہوں۔

۳- یارب مجھے زمانہ کیوں مٹاتا ہے۔ میں جہاں کی تختی پر حرفِ مکرر تو نہیں ہوں۔ (جو حرف سہواً دوبارہ لکھ دیا جائے وہ مٹا دیا جاتا ہے)۔

۴- میری سزا کے لئے ایک حد مقرر ہونی چاہیئے۔ میں گناہگار ہی ہوں کافر تو نہیں۔ (کافروں کے لئے تو ہمیشہ کا عذابِ دوزخ مقرر ہے)

۵- (ق) یہ شعر اور اگلے دو اشعار نعتِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ آخر الزمان میں ہیں۔ حضور کس واسطے مجھ پر نظرِ التفات نہیں فرماتے۔ میں لعل زمرد زر گوہر تو نہیں

ہوں۔ ان کو تو آپ ہیچ سمجھتے تھے

٦۔ شبِ معراج حضور نے مہر و ماہ کے اوپر قدم مبارک رکھ کر اُن کو قدم بوسی کا شرف بخشا تھا۔ میں اُن سے کمتر تو نہیں ہوں کہ مجھے یہ شرف بھی حاصل نہیں ہوتا +

٧۔ شبِ معراج آپ نے آسمان کو شرفِ قدم بوسی سے مشرف فرمایا کیا میں آسمان کے برابر نہیں ہوں کہ مجھکو قدم بوسی سے بھی حضور منع فرماتے ہیں +

٨۔ شاہ سے مراد جناب مرزا ظفر بہادر شاہ مرحوم خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ ہیں

(۱-۷)

سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں ١ خاک میں کیا صُورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں ٢ لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات النعشِ گردوں دن کو پردہ میں نہاں ٣ شب کو اُن کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہو گئیں

قید میں یعقوبؑ نے لی گو نہ یوسفؑ کی خبر ٤ لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنانِ مصر سے ٥ ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہ کنعاں ہو گئیں

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق ٦ میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

ان پریزادوں سے لیں گے خُلد میں ہم انتقام ٧ قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

نیند اُسکی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُسکی ہیں ٨ تیری زُلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا ٩ بُلبلیں سُنکر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار ١٠ جو مری کوتاہیٔ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

بسکہ روکا میں نے اور سینہ میں اُبھریں پے بہ پے ١١ میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

واں گیا بھی میں تو اُنکی گالیوں کا کیا جواب ١٢ یاد تھیں جتنی دُعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا ١٣ سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رُسوم ١٤ مِلّتیں جب مِٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج ۱۵ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یُوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں [۱۶]

۱۔ سب تو نہیں مگر تھوڑی سی حسین صورتیں لالہ و گل کی شکل میں ظاہر ہو گئیں۔ خدا جانے کیسی کیسی حسین صورتیں اس خاک میں پنہاں ہو گئیں۔

۲۔ اہلِ دُنیا سے خطاب ہے کہ ہم بھی بڑی بڑی رنگین محفلوں کا حظ اُٹھا چکے ہیں لیکن اب ضعیفی میں سب فراموش ہو گئیں۔ رنگیں مزاجی عہدِ شباب میں ہی رہتی ہے۔

۳۔ بنات النعش۔ سات ستاروں کا جھمکا۔ ان میں سے چار ستاروں کو جنازہ اور تین اُس کے اُٹھانے والیاں خیال کی جاتی ہیں۔ بنات جمع بنت یعنی لڑکی۔ فرماتے ہیں دن کو تو بنات النعش گردوں پردہ آسماں میں چھپی ہوئی تھیں۔ رات کو اُن کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہو گئیں۔ لفظ عریاں نے بڑا لطف پیدا کیا ہے۔ نہ صرف بے نقاب یا بے پردہ ہوئیں بلکہ عُریاں ہو گئیں۔

۴۔ یعقوب کی آنکھوں کو روزنِ دیوارِ زنداں قرار دیا ہے اس لئے کہ جس طرح روزنِ زنداں ہر وقت یوسف پر کُشادہ رہتا تھا۔ اسی طرح یعقوب کی آنکھیں شب و روز یوسف کی طرف نگراں رہتی تھیں (از یادگارِ غالب)۔

۵۔ سب عاشق اپنے رقیبوں سے ناخوش ہُوا کرتے ہیں مگر زلیخا اس کے خلاف اپنے رقیبوں یعنی زنانِ مصر سے خوش نظر آتی ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف کے حُسن سے ایسی محو ہو گئیں تھیں کہ لیموؤں کو نہ کاٹ سکیں اور اپنی انگلیاں زخمی کر لیں زلیخا کے خوش ہونے کی یہ وجہ تھی کہ اُنہوں نے اُس کی اس بات کی تصدیق کی کہ حسنِ یوسف ایسا دلکش ہے کہ ہر ایک اُس پر فریفتہ ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس میں اُس کا

کیا قصور +

۶۔ کیا بنا تخیل ہے ۔ فرماتے ہیں شب فراق میں میری آنکھوں سے خون کے آنسو بہنے دو کیونکہ شب فراق کی گہری تاریکی میں زیادہ روشنی کی ضرورت ہے اور میں یہ سمجھوں گا کہ دو شمعیں روشن ہوگئیں ۔ دو شمع سے مراد دونو آنکھیں +

۷۔ اس شعر میں ایک قسم کی تمنا بھی پائی جاتی ہے ۔ فرماتے ہیں اگر ہماری خوش نصیبی سے قدرت حق نے ان معشوقوں کو حوریں بنا دیا تو ہم ان سے ان جفاؤں کا جو انہوں نے ہم پر دنیا میں کی ہیں خوب بدلہ لیں گے ۔ (مرزا صاحب کی شوخ طبعی بھی اس شعر میں صاف نمایاں ہے ۔ گویا انہیں خلد میں جانے کا یقین کامل ہے ÷

۸۔ لاجواب شعر ہے ۔ فرماتے ہیں جس کے بازو پر تیری زلفیں پریشاں ہوگئیں یعنی جس کو تیرا وصل میسر آگیا ۔ اُس کی نیند اُس کا دماغ اور اس کی راتیں قابل رشک ہیں نیند اس لئے قابل رشک ہے کہ شب وصال کا خواب راحت ہے شب فراق کی بےچینی نہیں ۔ دماغ اس لئے کہ بوئے زلف سے معطر ہے اور کامیابی وصل سے مسرور راتیں اس لئے کہ رات آرام کے لئے ہے جو اُسے میسر ہے ۔ علاوہ بریں زلفوں اور راتوں کی مشابہت بھی ملاحظہ ہو +

۹۔ میرے باغ میں جانے سے گویا ایک مکتب کھل گیا ۔ میرے نالے سنکر بلبلیں بھی غزل خواں ہوگئیں ۔ میرے پُردرد اشعار کے اثر نے بلبلوں کو نغمہ سرائی سکھادی

۱۰۔ نگاہوں کے مژگاں ہونے سے یہ مراد ہے کہ شرم کے سبب اوپر نہیں اُٹھتیں بلکہ پلکوں کی طرح ہر وقت نیچے کو جھکی رہتی ہیں (از یادگار غالب) +

۱۱۔ میرے سینے میں آہیں بار بار اُبھریں اور میں نے انہیں بار بار روکا اس لئے میری آہیں بخیہ چاک گریباں ہوگئیں اور میرا گریبان چاک نہ رہا +

۱۲۔ اس شعر میں بھی ایک وسیع مضمون کو سمو دیا ہے ۔ فرماتے ہیں میں در یار پر

پہنچا تو دربان نے اندر جانے کی اجازت نہ دی اور گالیاں دینے لگا میں اُس کی ہر ایک گالی کے عوض ایک دُعا دیتا رہا۔ یہانتک کہ وہ مجھ پر مہربان ہُوا اور مجھے اندر جانے کی اجازت دی۔ اب میں نے سوچا کہ اگر میں یار کے پاس گیا تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب دونگا۔ تمام دُعائیں تو دربان کی گالیوں کے جواب میں صرف ہو چُکیں۔ یار کے واسطے تو دربان سے بہتر دُعائیں ہونی چاہئیں لیکن بہترین دُعائیں بھی میں صرفِ درباں کر چُکا اس شعر میں یار کا گالیاں دینا اس بے تکلفی سے واضح کیا گیا ہے جیسے کہ یار کے لئے گالیاں دینا ایک ضروری بات ہے (افسوس ہے مرزا صاحب جیسے نیک خلق کو بھی بدخلق معشوق سے پالا پڑا)

۱۳۔ دلدادۂ بادہ کے لئے جام بادہ ہاتھ میں آنا واقعی جانفزا ہے۔ فرماتے ہیں جس کے ہاتھ میں جام آگیا بادہ جانفزا ہے۔ گویا اُس کی ہاتھ کی لکیریں رگِ جاں ہو گئیں۔

۱۴۔ تمام ملتوں اور مذہبوں کو منجملہ دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے جن کا ترک کرنا اور مٹانا موحد کا اصل مذہب ہے اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب مٹ جاتی ہیں تو اجزائے ایماں بن جاتی ہیں (از یادگارِ غالب)۔

۱۵۔ انسان جب رنج کا خُوگر ہو جاتا ہے تو رنج بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ مجھ پر اتنی مشکلیں پڑیں کہ آسان ہو گئیں۔ اس شعر میں انسانی فطرت بیان کی گئی ہے۔ واقعی رنج کا خُوگر ہونے کے بعد رنج کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ اور مشکلات کی افراط مشکلات کو سہل بنا دیتی ہے۔

۱۶۔ اے اہلِ جہاں تم دیکھنا کہ اگر غالب اسی طرح روتا رہا تو بستیاں ویران ہو جائینگی (یا تو اس وجہ سے ویران ہو جائیں گی کہ کثرتِ گریہ کا طوفان عمارتوں کو بہا لے جائیگا یا غالب کے رونے سے گھبرا کر لوگ اپنے مکانات چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اِک تار بھی نہیں

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چُکے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

مِلنا اگر ترا نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دُشوار بھی نہیں

بے عشق عُمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں ۴ طاقت بقدرِ لذّتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش ۵ صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف ۶ یاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان ۷ آخر نوائے مُرغِ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے یار کے ضعفِ مژگاں سے روکشی ۸ حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ۹ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا
۱۰
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

۱- ہماری دیوانگی سے ہمارے دوش پر زنّار بھی نہیں یعنی ہمارے گریبان میں دستِ جنوں نے اک تار بھی نہیں چھوڑا اگر دو چار ہی تار رہ جاتے تو وہی ہمارے لئے زنّار کا کام دیتے ؎

۲- حسرتِ دیدارِ یار میں ہمارا دل پامال ہو چُکا۔ اب ہم نے اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ ان کو یار کا جلوہ نصیب بھی ہے تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں۔ کیونکہ دل کے ساتھ قوتِ برداشت بھی رخصت ہو چکی ؎

۳- ایک حقیقت کے بیان میں ایسے متناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا عجیب اتفاق ہے اس مضمون کو چاہو حقیقت کی طرف لے جاؤ اور چاہو مجاز پر محمول کرو دونو صورتوں میں مطلب یہ کہ اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا یعنی دشوار ہوتا تو کچھ دقت نہ تھی۔ اس لئے کہ ہم مایوس ہو کر بیٹھ رہتے اور شوق و آزار کی خلش سے چھوٹ جاتے مگر

مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آسان نہیں اسی طرح دُشوار بھی نہیں اور اس لئے شوق اور آرزو کی خلش سے کسی طرح نجات نہیں ہوتی (از یادگار غالب)۔

۴۔ عشق کے بغیر عمر نہیں کٹ سکتی اور ہم میں لذتِ آزار اُٹھانے کی طاقت بھی نہیں مطلب یہ کہ محبت و عشق کے بغیر عمر بسر ہونی مشکل اور ان میں مصائب کا اٹھانا لازمی شے ہے۔

۵۔ دستِ جنون کے ہاتھ سے گھر چھوڑ کر صحرا میں آئے۔ مگر جنوں بدستور ہے اور سروبالِ دوش ہو رہا ہے۔ مگر صحرا میں سر پھوڑنے کے لئے بھی دیوار نہیں۔

۶۔ گنجائش عداوتِ اغیار تو کہاں ہمارے دل میں کمزوری کے باعث اب یار کی خواہش بھی نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ مصائبِ عشق نے ہمارے دل کو اتنا کمزور بنا دیا کہ یار کا خیال بھی جاتا رہا۔

۷۔ معشوق سے خطاب ہے کہ میرے نالہ ہائے زار سے ڈر اور خدا کو مان۔ کیا میرے نالے مرغِ گرفتار کے نالوں سے بھی کم اثر رکھتے ہیں۔

۸۔ میرے دل کی خواہش تو یہ ہے کہ یار کی صفِ مژگاں سے مقابلہ کروں مگر طاقت خلشِ یار کی بھی نہیں۔ ضعفِ دل بیان کرنا مقصود ہے۔

۹۔ مرزا صاحب کا مشہور شعر ہے۔ فرماتے ہیں معشوق کی اس سادگی پر کون فریفتہ نہ ہو جائے کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ مطلب یہ خنجر ابرو اور پیکان مژگان سے لڑتے ہیں۔

۱۰۔ پہلا مصرعہ صاف ہے دوسرے میں فرماتے ہیں اگر دیوانہ نہیں ہے تو اُسے ہشیار بھی نہیں کہا جا سکتا۔ نیم مجنوں ضرور ہے۔

(۱۰۹)

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں ۱ ہُوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی ۲ کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوش ہائے مژگاں ہوں ۳ نگینِ نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی ۴ شبِ مہ ہو جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکوہش مانعِ بے ربطیٔ شورِ جنوں آئی ۵ ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

ہوئے اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے ۶ پر افشاں جوہر آئینہ میں مثلِ ذرہ روزن میں

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے ۷ جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

ہزاروں دل دیئے جوشِ جنونِ عشق نے مجھکو ۸ سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسدؔ زندانیٔ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
۹
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

۱- میرے جسم میں کوئی زخم بخیہ کے قابل نہیں یعنی بہت گہرے ہیں اس لئے چشمِ سوزن میں تاگا تارِ اشکِ یاس بن گیا ہے۔ تارِ اشکِ یاس سے تاگے کی تشبیہہ بالکل نرالی اور نادر ہے۔

۲- خانہ ویرانی نے ذوقِ تماشا کو روک دیا ہے یعنی روزنِ دیوار میں روئی کی مانند سیلاب کے کف بھر گئے ہیں۔ یعنی ہم نے چاہا تھا کہ کثرتِ گریہ سے گھر کو ویراں کر دیں لیکن ہمارے گریہ سے جو سیلاب پیدا ہوا تھا اُس کے جھاگوں نے روزن ہائے دیوار کو جھاگوں سے بھر دیا اور اس لئے ذوقِ خانہ ویرانی - ذوقِ تماشا ہو گیا۔

۳- میں بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا امانت خانہ ہوں یعنی میرے جسم کا خون اور گوشت پوست سب یار کی امانت ہے۔ میرے ہر قطرۂ خونِ تن پر معشوق کی مہر لگی ہوئی ہے یعنی اُسی کی امانت ہے۔ مطلب یہ کہ میرے جسم کا ہر قطرۂ خوں اُسی کیلئے ہے۔

۴- میرے گھر کی تاریکی کس سے بیاں ہو سکتی ہے۔ اگر دیواروں کے روزنوں میں روئی رکھ دی جائے تو چاندنی رات معلوم ہونے لگتی ہے (گہری تاریکی میں ذراسی

روشنی بھی بہت تیز معلوم ہُوا کرتی ہے) ۔

۵ - میرے دوستوں کی طعنہ زنی نے میرے جوشِ جنوں میں بے ربطی پیدا کر دی یعنی کمی واقع کر دی - اور اُن کے ہنسی اُڑانے نے میرے دامن و گریباں پر بخیہ کر دیا ہے مطلب یہ کہ میرا جنون کم کر دیا ہے ۔ مطلب یہ کہ بعض دفعہ نکوہش اور طعنہ زنی سے اصلاح بھی ہو جاتی ہے ۔

۶ - اُس مہروش یعنی معشوق کی صُورت کے جلوے کے سامنے جوہر آئینہ میں اس طرح پُرافشاں ہو گئے جس طرح آفتاب کی شعاعوں سے روزنوں کے ذرّات ۔ پُرافشاں ہونا - اُڑ جانا ۔

۷ - میں یہ تو نہیں جانتا کہ نیک ہوں یا بد ۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مجھے صحبت مخالف نصیب ہوتی ہے ۔ یعنی جو لوگ میرے ہمنشیں و احباب ہیں اُن کی سیرت میری سیرت سے بالکل مخالف ہے ۔ اور اسی لئے اگر میں گل ہوں تو گلخن میں ہوں اور اگر گھانس پھونس ہوں تو باغ میں ہوں ۔

۸ - جوشِ جنونِ عشق کی وجہ سے میرا ہر قطرۂ خون تن سیاہ ہو کر دل کی مانند ہو گیا ہے ۔ پس معلوم ہُوا کہ میرے جسم میں ہزاروں دل پیدا ہو گئے ہیں ۔

۹ - اے اسد میں حسینوں کی محبتوں کی تاثیر کا قیدی ہوں - اور ان کی مہربانی کے ہاتھ کا خم میری گردن کا طوق ہو گیا ہے ۔ مطلب یہ کہ میں حسینوں کی محبت کا قیدی ہوں ۔

(۱۱۰)

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں	۱	سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں
مگر غبار ہُوئے پر ہَوا اُڑا لے جائے	۲	وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں
یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے	۳	کہ غیرِ جلوۂ گُل رہگذر میں خاک نہیں
بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا	۴	اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

خیالِ جلوۂ گُل سے خراب ہیں مے کش ۵ شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں
ہُوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ ۶ سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں
ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھُلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

۱- میری نظر میں جہاں کے مزے خاک کے برابر بھی نہیں ۔ صرف خونِ جگر پینے میں مزہ آتا تھا سو اب جگر میں خاک بھی نہیں رہا یعنی ایک قطرۂ خون باقی نہیں رہا +

۲- شائد غبار ہونے پر مجھے ہوا اُڑاتی پھرے ۔ میرے بال و پر میں تواب تاب و تواں بالکل نہیں رہی ۔ مطلب یہ کہ تاب و تواں جاتی رہی ۔ضعیفی کا عالم ہے +

۳- یہ کس بہشت جیسی صورت والے کی آمد آمد ہے کہ راستے میں سوائے جلوۂ گُل کے اور کچھ نہیں ۔ خاک مٹی بھی نہیں ۔ مطلب یہ چونکہ بہشت میں خاک نہیں ہوتی اور جلوۂ گُل ہی ہوتا ہے اس لئے بہشت شمائل کی آمد پر راہگزر میں خاک کس طرح ہو سکتی ہے + (بڑا لطیف شعر ہے +

۴- اگر اُسے میری حالتِ زار پر رحم نہ آیا تو نہ سہی ۔ مجھ ہی کو اپنی حالت پر رحم آتا اور نالہ کشی سے باز آتا ۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے نالوں میں اثر ہی نہیں +

۵ مے کش جلوۂ گُل یعنی جلوۂ ساقی کے خیال سے بدمست ہے ۔ ورنہ شراب خانے کے دَر و دیوار میں کیا رکھا ہے ۔ یہ شعر حقیقت اور مجاز دونو پہلو لئے ہوئے ہے +

۶- عشق کی غارت گری نے مجھے ایسا شرمندہ کیا ہے کہ اب میرے گھر میں سوائے حسرتِ تعمیر اور کوئی چیز باقی نہیں ۔ حسرتِ تعمیر کا یہ مطلب ہے کہ میرے گھر کو تعمیر کی ضرورت ہے +

۷- اے اسد ہمارا شعر کہنا اب صرف دل لگی کی غرض سے ہے ۔ کیونکہ ہم پر یہ واضح

ہو چکا ہے کہ عرضِ ہُنر میں خاک فائدہ نہیں۔ یعنی جب ہم ایسے اشعار کہتے تھے کہ جن میں ہمارے ہُنر کا اظہار ہوتا تھا تو کوئی اُن کی قدر دانی نہ کرتا تھا۔

(۱۱۱)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں ۱ روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

دَر نہیں حرم نہیں دَر نہیں آستاں نہیں ۲ بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں

جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز ۳ آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں

دشنۂ غمزہ جانستاں ناوکِ ناز بے پناہ ۴ تیرا ہی عکسِ رُخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں ۵ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

حُسن اور اس پہ حُسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم ۶ اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

واں وہ غرورِ عزّ و ناز یاں یہ حجابِ پاسِ وضع ۷ راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بُلائے کیوں

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی ۸ جس کو ہو دین و دل عزیز اُسکی گلی میں جائے کیوں

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
۹
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

۱۔ شعر کے طرزِ بیان سے واضح ہوتا ہے گویا مرزا صاحب معشوق کے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ تم روتے کیوں ہو۔ فرماتے ہیں آخر دل ہی تو ہے کس طرح اس پر درد کا اثر نہ ہو اور پانی پانی نہ ہو جائے کوئی اینٹ پتھر تو نہیں۔ پھر فرماتے ہیں ہمیں رونا آئے گا تو ہم تو ہزار بار روئینگے کوئی ہمیں رُلائے کیوں یعنی ہم پر ستم بھی کیوں کیا جائے۔

۲۔ جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں وہ رہگزر ہے نہ مندر ہے نہ مسجد نہ درِ رقیب نہ آستانِ یار۔ پھر کسی کو کیا مجاز ہے کہ ہمیں اُٹھا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو ہم کسی عبادتگاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہمیں کوئی برہمن یا شیخ نکال دیوے۔ نہ انتظارِ یار میں درِ رقیب

پر کھڑے ہیں کہ رقیب ہم کو منع کر سکے نہ آستانِ یار پر بیٹھے ہیں کہ یار نکلوا دے۔ ہم تو راہگزر پر بیٹھے ہوئے ہیں پھر ہمیں کوئی کیوں اٹھائے۔ خلاصہ یہ کہ زمانہ ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ اگرچہ ہم کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے پھر بھی ہمیں چین و اطمینان میسّر نہیں۔ زمانہ خواہ مخواہ درپئے آزار ہے دُنیا میں راحت عنقا ہے +

۳۔ کیا وجد انگیز شعر ہے اس پر سے ہزار ساز قربان! فرماتے ہیں جب وہ دل کو روشن کرتے حُسن یعنی معشوق مجازی مہرِ نیمروز کی طرح آپ ہی نظارہ سوز ہے۔ تو اُسے پردہ میں مُنہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے + مہرِ نیمروز۔ دوپہر کا سُورج + نظّارہ سوز۔ نظّارہ کو جلانے والا یعنی جس کا نظارہ نہ کیا جا سکے + اگر یہ شعر مجاز میں نہ ہوتا تو حسن دلفروز کو مہرِ نیمروز سے تشبیہ نہ دی جاتی۔ جمالِ معشوقِ حقیقی کی تابِ نظّارہ تو حضرت موسےٰ بھی نہ لا سکے اور مہرِ نیمروز کی تابِ نظارہ ہر ایک شخص لا سکتا ہے +

۴۔ تیرا خنجرِ ادا جان کا لینے والا اور تیرا ناوک بے پناہ ہے۔ اس لئے جو کوئی تیرے سامنے آئیگا موت کا شکار بن جائیگا۔ پھر تیرا عکسِ رُخ ہی آئینہ میں تیرے سامنے کیوں آئے۔ اگر آئیگا تو وہ بھی شہیدِ غمزہ جانستان یا مقتولِ ناوک ناز ہو جائیگا + اس شعر میں اگرچہ مبالغہ ہے مگر تخیّل کی نزاکت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے +

۵۔ اس شعر میں جس خوبی سے انسانی فطرت کو بیان کیا گیا ہے اس کی تعریف احاطہ تحریر اور تقریر میں نہیں آسکتی۔ اہلِ مغرب بھی جو انسانی فطرت اور انسانی زندگی کا خاکہ کھینچنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس شعر کے مقابلہ پر کوئی کلام پیش نہیں کر سکتے۔ فرماتے ہیں کہ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پا ہی نہیں سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ درحقیقت قیدِ حیات اور بندِ غم ایک ہی چیز ہے اگرچہ نام دو ہیں۔ اس لئے جب تک قیدِ حیات ہے تب تک بندِ غم کا رہنا لازم ہے +

۶۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق غضب کا حسین ہے اس لئے اُسے اپنے پر حُسنِ ظن اور اعتماد ہے

یعنی سمجھتا ہے کہ میرے حُسن کی کوئی تاب نہیں لاسکتا اور عاشق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پس اُسے رقیب کی آزمائش کی ضرورت نہیں رہی اور اسی طرح بوالہوس یعنی رقیب کی عزت رہ گئی۔ اگر وہ آزما لیتا تو کرکری ہو جاتی ۔

۷- مطلب یہ کہ معشوق تو اپنے غرور عز و ناز کے باعث ہمیں اپنی محفل میں نہیں بُلاتا اور ہم اپنے پاس وضع کی شرم سے رہگذر میں اُس سے ملنا نہیں چاہتے۔ یہ ہماری وضعداری کے خلاف ہے۔ پھر اُس سے ملاقات کی کیا صورت ہو سکتی ہے ۔

۸- مرزا صاحب گویا حضرت ناصح کو اُن کے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ اچھا میرا معشوق خدا پرست نہ سہی وہ تو کافر ہے اور دوسروں کو بھی کافر بنا دیتا ہے اور وہ تو بے وفا ہے دل چھین کر بے وفائی بھی کرتا ہے۔ آپ کو اپنا دین و دل عزیز ہے تو آپ اُس کی گلی میں نہ جائیں۔ ہم تو یہ دونو چیزیں اُس پر قربان کر چکے ہم تو وہاں جانے سے باز نہیں رہ سکتے۔ گویا مرزا صاحب یہ کرخت جواب دے کر ناصح سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں ۔

۹- غالب خستہ کے بغیر کیا کام بند ہیں وہ کس کام کا تھا۔ اُس کے لئے زار زار رونا اور ہائے ہائے کرنا کیا ضرور ہے۔ گویا مرزا صاحب اپنے دوستوں کو تسلی اور دلاسا دے رہے ہیں۔ یہ شعر ایک طعن بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے مرنے سے دُنیا کا کوئی کام بند نہیں ہوتا اور مرنے والے کا ماتم رسمی طور پر کیا جاتا ہے ۔

(۱۱۲)

۱ بوسہ کو پُوچھتا ہوں میں مُنہ سے مجھے بتا کہ یُوں	غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا کہ یُوں
۲ اس کے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یُوں	پرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
۳ آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یُوں	رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے
۴ سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یُوں	غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے
۵ اُسکی تو خامشی میں بھی ہے یہی مُدّعا کہ یُوں	بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھئے

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی ۶ سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یُوں
مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح ۷ دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یُوں
کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی ۸ آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یُوں
گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال ۹ موج محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یُوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
۱۰
گفتہ غالبؔ ایک بار پڑھ کے اُسے سُنا کہ یُوں

۱- اس شعر کا طرزِ بیان نہایت پُر اثر ہے۔ معشوق سے خطاب ہے کہ میں نے تجھ سے بوسہ کے متعلق پوچھا تھا کہ کس طرح لیا جاتا ہے تو نے دُور سے کان کی طرف اشارہ کر دیا کہ بوسہ لینے والے کا مُنہ اس شکل کا ہو جاتا ہے لیکن میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ عملی طور پر میرا بوسہ لے کر بتاؤ کہ بوسہ اس طرح لیا جاتا ہے ÷

۲- اُس سے دل چھیننے کا طریقہ کیا پُوچھیں۔ اُس کے کہنے بغیر ظاہر ہو جاتا ہے یعنی اُس کے ہر اک اشارے سے ایسی ادا نکلتی ہے کہ دل چھین کر بتا دیتی ہے کہ یوں ÷

۳- خدا کرے وہ رات کے وقت مے پئے ہوئے ہمارے گھر آئے۔ لیکن رقیب کو ساتھ لے کر نہ آئے ÷

۴- میں نے معشوق سے یہ پوچھا کہ رات کو رقیب کے کیسے گزری۔ یہ سُنکر وہ میرے سامنے آبیٹھا اور میری طرف دیکھنے لگا کہ میں تو رقیب کے سامنے محض اس طرح سامنے بیٹھا رہا اور اس کو اس طرح دیکھتا رہا ÷

۵- معشوق کا خاموش بیٹھے رہنے سے یہ مُدعا ہے کہ میری بزم میں سب خاموش بیٹھے رہیں ÷

۶- میں نے جب اُس سے کہا کہ تیری بزم غیر سے خالی ہونی چاہیئے تو اُس ظریف طبع نے مجھکو اُٹھا دیا اور کہنے لگا کہ ہاں یوں غیر کو اُٹھا دینا چاہیئے۔ ستم ظریف۔ جس کی

ظرافت میں بھی ستم ہو ۔

۷- جب میرے یار نے مجھ سے پوچھا کہ ہوش وحواس کس طرح سے جایا کرتے ہیں تو میں جس کو دیدارِ یار نے بیخود بنا رکھا تھا کچھ جواب نہ دے سکا۔ مگر مجھے بیخود دیکھ کر ہوا نے چل کر بتا دیا کہ یوں۔ ہوش وحواس اس طرح جاتے ہیں ۔

۸- مجھے کوئے یار میں رہنے کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ میرے نقشِ پا نے مجھے بتا دیا کہ دیکھ میری طرح عاجز اور حیرت زدہ ہو کر کوئے یار میں رہنا چاہیئے ۔

۹- اگر تیرے دل میں یہ خیال ہو کہ وصل میں شوقِ محبّت کو زوال آجاتا ہے (اور اس بہانے سے تو وصل سے انکار کرتا ہے تو تیرا یہ خیال غلط ہے) اور میں تجھے زندہ مثال بتائے دیتا ہوں کہ موجِ دریا کو باوجودیکہ وصلِ دریا میسّر ہے لیکن اگر دریا ذراسی دیر کے لئے بھی اُسے اپنے سے جُدا کرنا چاہتا ہے تو وہ ہاتھ پاؤں مار کر بدستور وصلِ دریا حاصل کر لیتی ہے۔ پس معلوم ہؤا کہ وصال زوالِ شوق ومحبّت کا موجب نہیں ہو سکتا بلکہ آتشِ محبّت کو تیز تر بناتا ہے ۔

۱۰- جو یہ کہے کہ اُردو اشعار کس طرح فارسی اشعار کا رشک بن سکتے ہیں یعنی اُردو اشعار فارسی اشعار سے بہتر نہیں ہو سکتے تو اُسے ایک بار غالبؔ کے اُردو اشعار سُنا دے کہ یُوں ہوتے ہیں ۔ ریختہ - اُردو میں شعر گوئی کرنا ۔

ردیف (و)

(۱۱۳)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو ۱ کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظّارہ سے وا ہو

بقدرِ حسرتِ دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی ۲ بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سروِ قد گرمِ خرامِ ناز آجاوے ۳ کفِ ہر خاکِ گلشن قمری نالہ فرسا ہو

۱- یہ شعر بھی انسانی فطرت کا ایک مرقع ہے۔ مطلب سمجھنے کے لئے غالب سے صرف اقتباس کافی ہے۔ جب تک انسان محدود جماعت اور محدود حلقے میں رہتا ہے کسی کو عمدہ حالت میں نہیں دیکھ سکتا اور حسد کرتا ہے جس قدر اُس کا دائرہ تعارف وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُس کا حسد اور رشک کم ہوتا ہے اور دوسروں کی پیروی کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے (اقتباس از یادگارِ غالب)۔

۲- شوقِ عصیاں بھی حسرتِ دل کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر ساتوں دریاؤں کا پانی جمع ہو کر مجھکو ملے تب میں تردامن کروں یعنی گناہ کروں۔ مطلب یہ کہ میں اپنے دل کی حسرتوں کی تعداد کے مطابق گناہ کرونگا۔ آبِ ہفت دریا سے تو میرے دامن کا صرف ایک گوشہ ہی تر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ میرے گناہوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ گوشۂ دامن بھروں سے مراد تردامنی ہے جس کے معنی گناہ کا مرتکب ہونا ہے۔

۳- اگر وہ سروِ قد (میرا معشوق) باغ میں چلا جائے۔ تو باغ کی خاک کی ہر ایک مٹھی ایک قمری بن جائے اور اُس کے عشق میں نالے کرنے لگے۔

(۱۱۴)

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں ۱ بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو
طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ ۲ دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے ۳ ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو
غالب کچھ اپنی سعی سے ملتا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو ۴

۱- اگر میں کعبہ میں جا رہا ہوں تو مجھ پر طعنہ زن نہ ہو۔ کیا میں نے بُت پرستوں کی صحبت کے حق کو فراموش کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ میں کعبہ میں بھی بُت پرست ہی ہوں (کعبہ پہلے بُتخانہ بھی رہا ہے اس کی طرف اشارہ ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جب تک خواہشات

نفسانی کو ترک نہ کیا جائے کعبہ جانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ۔

۲ ۔ کوئی بہشت کو دوزخ میں ڈال دیوے تاکہ اطاعتِ خدا شراب اور شہد کے لالچ میں نہ رہے ۔ بلکہ اطاعت خلوصِ دل سے ہو جائے (اگر رہے کی رَ کو تا سے ملا کر تار اور ہے پڑھا جائے تو تار اور انگبیں و مے میں لفظی مناسبت بھی حاصل ہوتی ہے) ۔

۳ ۔ میں راہ و رسم ثواب سے منحرف کیوں نہ رہوں ۔ جس قلم سے میری سرنوشت لکھی گئی ہے اُس کو ٹیڑھا قط لگا ہوا ہے (قاعدہ ہے قلم کو ٹیڑھا قط دیا جاتا ہے) ۔

۴ ۔ مقطع میں تدبیر کو تابع تقدیر بتلایا گیا ہے ۔

(۱۱۵)

١ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو — کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

۲ چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا — ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

۳ ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ — ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

۴ پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

۵ ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ — اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

۶ ہے آدمی بجائے خود ایک محشرِ خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

۷ ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال — حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

۸ وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں — اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

۹ مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی — عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

۱۰ اُس فتنہ خُو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسدؔ — اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱ ۔ ہم اس بات سے آزاد ہیں کہ تم ہم سے محبت ہی کرو ۔ ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ تمہارا ہمارا کچھ تعلق ہونا چاہئے ۔ اگر آپ محبت کرنا نہیں چاہتے تو ہم سے عداوت ہی کیجئے تاکہ

تعلق تو قائم رہے ۔

۲۔ میری کمزوری نے میرے دل سے محبت کا رنگ بھی کم اور پھیکا کر دیا ۔ اور اب دل پر صرف نقش محبت باقی ہے کہ وہ بھی دل پر بار ہے (قاعدہ ہے کہ جب جامہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو رنگ پھیکا اور ہلکا ہو جاتا ہے) ۔

۳۔ مجھے تو تم سے یہ گلہ ہے کہ تم نے میرے سامنے غیر کا ذکر ہی کیوں کیا ۔ خواہ بہ سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو یعنی خواہ تم نے غیر کی شکایت ہی کیوں نہ کی ہو ۔

۴۔ لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا میں ہر درد کی دوا موجود ہے ۔ اگر یہ سچ ہو تو غم الفت کی دوا بھی ہونی چاہئے تھی ۔ لیکن چونکہ غم الفت لا دوا ہے اس لئے یہ مقولہ غلط ہے ۔

۵۔ اچھا ہُوا کہ بیکسی کی وجہ سے مجھے کسی سے معاملہ نہیں پڑا ورنہ احسان اُٹھانا پڑتا ۔ میں تو جو کچھ حاصل کرتا ہوں خود حاصل کرتا ہوں ۔ اگر خجالت بھی حاصل کرتا ہوں تو اپنے ہی سے ۔ خجالت بھی دوسروں سے حاصل نہیں کرتا ۔

۶۔ یہ شعر بھی معنوی لحاظ سے فطرتی ہے ۔ انسان خود اک محشرِ خیال ہے ۔ یعنی انسان کے دماغ میں خیالات کی ایک قیامت برپا رہتی ہے ۔ خواہ ہم خلوت میں ہی ہوں لیکن ہم اُسے انجمن سمجھتے ہیں ۔

۷۔ کم ہمتی کا نتیجہ شرمندگی ہے کسی کا احسان نہ اُٹھانا چاہئے ۔ دہر سے عبرت بھی حاصل نہ کرنا چاہئے ۔

۸۔ آزادی ۔ مغائرت اور وحشت کا بہانہ نہیں ہونا چاہئے ۔ اگر تو آزاد ہو گیا ہے ۔ تو لوگوں سے وحشت نہ برت ۔ اگر برتتا ہے تو اپنے سے برت ۔

۹۔ زندگی کے وقت کے ضائع ہونے کا غم نہیں مٹ سکتا ۔ خواہ انسان کی عمر عبادت میں ہی صرف ہوئی ہے یعنی وقت بڑی قیمتی چیز ہے ۔ اگر تُو جھوٹے دل سے خدا کی عبادت کرنے میں بھی اسے ضائع کرتا ہے تو بڑی غلطی ہے ۔

١٠- قیامت کو مُردے بھی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے ۔ لیکن ہم تو اُس فتنہ خو کے در سے اُٹھینگے نہیں خواہ قیامت ہی سر پر آ جائے ۔

(١١٦)

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو ۱ مرا ہونا بُرا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

نہیں گر ہمدمی آساں ہو یہ رشک کیا کم ہے ۲ نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اِک آنسو اس جراحت پر ۳ کیا سینہ میں جس نے خونچکاں مژگانِ سوزن کو

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں ۴ کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں ۵ نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا ۶ کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آئے ۷ سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برقِ خرمن کو

وفاداری بشرطِ اُستواری اصل ایماں ہے ۸ مرے بُتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو ۹ جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لُٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ۱۰ رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے ۱۱ جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
۱۲
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

١- نواسنجانِ گلشن اگر میرے شیون کو اچھا نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں میں تو اُن سے دُور قفس میں پڑا ہُوا ہوں ۔ میرا دُنیا میں ہونا اُن کو کیا تکلیف دیتا ہے ۔ مطلب یہ کہ خوشحال لوگ مجھ مصیبت زدہ سے کیوں بیر رکھتے ہیں ۔

٢- اگر رقیب کو میرے دوست کی ہمدمی میسّر نہیں تو نہ ہو ۔ مجھے یہ رشک کیا کم ہے کہ دشمن میرے دوست کا چاہنے والا ہے ۔

۳- افسوس کہ میرے اُس زخم پر بھی تیری آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا جس کے اثرِ غم سے سوزنِ فولاد نے بھی زخم کو سیتے ہوئے آنسو برسائے - مژگانِ سوزن سے یہاں سوئی کی آنکھ مراد ہے - سوئی کے ناکے کو اُس کی آنکھ تصوّر کیا گیا ہے - دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں - افسوس میرے اُس زخم پر تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا جس کے اثر نے سینہ کے اندر مژگانِ سوزنِ ناوک کو خونچکاں کر دیا - یہاں سوزن سے مراد پیکانِ ناوک ہوگا + (میری رائے میں پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں) +

۴- خدا میرے ہاتھوں کو سمجھے کہ کبھی میرے گریباں اور کبھی دامانِ جاناں کے ساتھ کھینچا تانی رکھتے ہیں +

۵- ابھی ہم قتلگہ کا تماشا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں کیونکہ تیرے گھوڑے کو خون کے دریا میں تیرتا ہُوا نہیں دیکھا - مطلب یہ کہ تُو اتنے قتل کرے گا کہ خون کا دریا بہہ جائیگا اور ہم جب یہ دیکھیں گے کہ باوجود اتنے قتل و خون کے بھی تمہارے قتل کا نمبر نہیں آیا تو ہمارے لئے قتلگہ کا دیکھنا مشکل ہو جائیگا اور ہم اپنی ہی بدنصیبی کے غم میں مُبتلا ہو جائیں گے +

۶- مطلب یہ ہے کہ جوہرِ فولاد نے آہن کو اس لئے بیتاب کیا کہ اُسے میرے پاؤں کی زنجیر بننے کی تمنّا دامنگیر ہوئی +

۷- اس شعر میں اپنی بدنصیبی کا اظہار کیا ہے +

۸- یعنی جب برہمن اپنی ساری عمر بُتخانے میں کاٹ دے اور وہیں مرے تو وہ اس بات کا مستحق ہوگا کہ اُس کو کعبے میں دفن کیا جائے اس لئے کہ اُس نے وفاداری کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور یہی ایمان کی اصل ہے (از یادگارِ غالب) +

۹- تلوار سے مراد عبادت خانہ کی محراب ہے - باقی شعر صاف ہے +

۱۰- رہزن - ڈاکو جو دن میں لوٹتے ہیں + مطلب یہ کہ رہزن نے دن میں ہی لُوٹ لیا اب رات کو چوری کا کھٹکا نہیں رہا - کیونکہ چوری رات کے وقت ہوتی ہے - خلاصہ یہ کہ

مفلسی میں بے فکری ہوتی ہے ۔

۱۱۔ مطلب یہ کہ دماغ سوزی اور کاوشِ جگر سے اشعار کہنا معدن سے جواہر نکالنے سے بہت بہتر ہے ۔ کیونکہ ایسے اشعار جواہر سے زیادہ قیمتی ہیں ۔

۱۲۔ اے غالب میرے شاہ سلیمان جاہ سے فریدوں وغیرہ بادشاہانِ ایران کو کیا نسبت
شاہ سلیمان جاہ ۔ حضرت سلیمان پیغمبر خدا جیسے مرتبے والا بادشاہ ۔

(۱۱۷)

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیم تن کے پانوٗ ۱ رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانوٗ

دی سادگی سے جان، پڑوں کوہکن کے پانوٗ ۲ ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانوٗ

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ ۳ ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانوٗ

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دُور دُور ۴ تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانوٗ

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ ۵ ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانوٗ

ہے جوشِ گُل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف ۶ اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانوٗ

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں ۷ دُکھتے ہیں آج اُس بتِ نازک بدن کے پانوٗ

غالبؔ مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہُوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پانوٗ

۱۔ شعر صاف ہے ۔ ایسی سخت زمین میں معنی خیز اشعار نکالنا مرزا صاحب جیسے قادر الکلام ہی کا کام تھا ۔

۲۔ افسوس کوہکن نے بیوقوفی سے ایک عیار کے دھوکے میں آکر جس نے پیرزن کے بھیس میں کوہکن کو شیریں کی وفات کی خبر سنائی ۔ جاں دیدی ۔ کاش اُس عیار کے پاؤں ٹوٹ جاتے ۔

۳۔ شعر صاف ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں مصیبتوں سے بچنا دشوار ہے ۔

۴- مطلب یہ ہے کہ تقدیر کے خلاف چارہ جوئی نہیں ہو سکتی +

۵- فرماتے ہیں مرنے کے بعد بھی شوقِ دشت نوردی نہ گیا +

۶- جوشِ گل مراد کثرتِ گل - بہار میں پھولوں کی اسقدر کثرت ہے کہ جا بجا پھولوں کے تودے لگ گئے ہیں اور مرغِ چمن کو پرواز بھی مشکل ہو گیا ہے - جا بجا پاؤں الجھتے ہیں +

۷- معشوق کی نازک بدنی مبالغہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے - خیال بھی بہت نازک ہے +

۸- خسرو شیریں سخن سے مراد مرزا بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی ہیں + خسرو شیریں سخن میں خسرو اور شیریں کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو - شیریں زوجہ خسرو شاہ ایران تھی +

(۱۱۸)

واں اُسکو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہُوں شرمسار ۱ یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم کو دیکھ ۲
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

۱- اس شعر میں انتہائے محبت کا اظہار ہے - عاشق یہ بھی چاہتا ہے کہ میری آہ میں تاثیر ہو مگر محبوب کی ذراسی تکلیف بھی گوارا نہیں +

۲- معشوق شکار کی آنکھ کے آئینہ کے سوا اور آئینہ ہی نہیں دیکھتا - ذوقِ ستم تو دیکھو شکار کی آنکھ کا استعارہ آئینہ سے کیا گیا ہے (کیا تلاش ہے)

(۱۱۹)

واں پہنچکر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو ۱ صد رہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو

دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے ۲ کس قدر ذوقِ گرفتاریٔ ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقشِ پئے مور ہے طوقِ گردن ۳ تیرے کوچہ سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو ۴ یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشکِ ہمطرحی و دردِ اثر بانگِ حزیں ۵ نالۂ مرغِ سحر تیغ دو دم ہے ہم کو

۶ ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو	سر اُڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
۷ پاس بے رونقیٔ دیدہ اہم ہے ہم کو	دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
۸ ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو	تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
۹ ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو	لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ق ۱۰ عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو	مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ

۱۱ جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

۱۔ کوچۂ یار میں پہنچکر جو ہمیں پیہم غش [illegible] رہتا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے قدموں کی قدم بوسی کرنی منظور ہوتی ہے۔ جنہوں نے ہمیں کوئے یار تک پہنچا دیا (مضمون آفرینی خود مرزا صاحب کی قدم بوس [illegible] کمزوری سے غش آنے کو قدموں کی قدم بوسی کے لئے تعبیر کیا ہے ۔

۲۔ ہیں اور دل آپس میں ایک دوسرے کو محوِ وفا رکھنا چاہتے ہیں ۔

۳۔ ہماری کمزوری کے باعث چیونٹی کے پاؤں کا نقش بھی ہمارے لئے طوقِ گردن ہے اس لئے ہم کس طرح تیرے کوچے سے بھاگ سکتے ہیں ۔

۴۔ مجھ سے جان بوجھ کر تغافل کرو تو میری امید بندھی رہے۔ لیکن حقیقی طور پر تغافل کرنا میرے لئے [illegible] کا کام کرتا ہے ۔

۵۔ [illegible] وقتِ صبح نالہ کرتا ہے وہ میرے نالہ کی آواز سے مشابہ ہوتا ہے۔ نیز اُس کی پُرملال آواز در د اثر ہوتی ہے۔ ان دونو باتوں کا رشک میرے لئے تیغ دو دم کا کام کرتا ہے ۔

۶۔ چونکہ اُن کے وعدے کا اعتبار نہ تھا اس لئے جب میں نے اُن سے مکرر وعدہ چاہا تو ہنس کے بولے کہ تیرے سر کاٹنے کی تو ہمکو قسم ہے یعنی ہم تیرا سر نہیں کاٹیں گے ۔ قسم

کھانے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے مثلاً جب کہتے ہیں کہ انہیں سچ بولنے کی قسم ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی سچ نہیں بولتے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہمیں تو تیرا سر بہت ہی عزیز ہے کیونکہ قسم اُسی چیز کی کھائی جاتی ہے جو بہت عزیز ہو۔ دونو معنوں سے ظاہر ہے کہ معشوق سر کاٹنے پر رضامند نہیں۔ لطافتِ مضمون ملاحظہ ہو ؛

۷۔ ہم مجبور ہو کر اپنے دل کا خون کرتے ہیں کیونکہ آنکھوں کی بے رونقی کا لحاظ ہمارے لئے ایک بڑی اہم چیز ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ہم اپنی آنکھوں سے آنسو نہ بہائیں تو آنکھیں بے رونق رہتی ہیں ؛

۸۔ تمہاری نازک مزاجی کا تو یہ حال کہ میری خاموشی کو بھی فغاں کرنا بتلاتے ہو۔ اور ہم اتنے کمزور ہیں کہ تمہاری بے پروائی کو بھی ستم کرنا خیال کرتے ہیں

۹۔(ق) ہمکو سیر و تماشا کا شوق نہیں۔ پھر ہمارے لکھنؤ آنے کا کیا باعث ؛

۱۰۔ یہ شہر ہمارے شوق کو قطع کرنے والا نہیں ہے۔ اب ہم طواف کعبہ اور زیارت نجف اشرف کا عزم رکھتے ہیں ؛ نجف اشرف میں حضرت علی علیہ السّلام کا مزارِ اقدس ہے

۱۱۔ اے غالب ہمیں ایک امید کہیں لے جا رہی ہے۔ اور لفظ کرم کے کاف کی کشش ہمارے لئے راستہ کی بٹیا ہے۔ مطلب یہ کہ کرم کی امید پر ہم کہیں جا رہے ہیں ؛

(۱۲۰)

۱	مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو	تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
۲	قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو	بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
۳	مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو	کیا وہ بھی بے گنہ کُش و حق ناشناس ہیں
۴	مرتا ہوں مَیں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو	اُبھرا ہُوا نقاب میں ہے اِن کے ایک تار
۵	مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو	جب میکدہ چُھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
۶	لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو	سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دُنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

۱- پہلا مصرعہ لطافت سے پُر ہے۔ ذومعنی بھی ہے۔ فرماتے ہیں غیر سے تمکو جو رسم وراہ ہے وہ تم ہی جانتے ہو۔ دوسرے یہ معنی ہیں اگر تمہیں غیر سے رسم وراہ ہو تو تم جانو میں معترض نہیں۔ لیکن اگر مجھے بھی پوچھتے رہو تو کیا بُری بات ہے ؎

۲- اگرچہ میرا قاتل رقیب ہے یعنی میری موت اُس سے حسد رکھنے کی بناپر واقع ہوئی ہے لیکن اس معاملہ میں گواہ تم بھی ہو اس لئے روزِ محشر کی باز پُرس سے آپ کو نجات نہیں مل سکتی

۳- اس شعر میں کس خوبصورتی سے اپنے معشوق کو خورشید و ماہ سے استعارہ کیا ہے فرمایا ہے میں یہ مانتا ہوں کہ تم خورشید یا ماہ ہو لیکن کیا خورشید اور ماہ بھی بیگناہوں کو مارنے والے اور حق شناس ہیں ؎

۴- ان کی نقاب میں ایک تار اُبھرا ہوا ہے۔ میں رشک سے مرا جاتا ہوں کہ یہ کسی رقیب کی نگاہ نہو ؎

۵- اس شعر میں ازراہ تہذیب اس کا ذکر نہیں کیا جس کے کرنے کے لئے مسجد و مدرسہ اور خانقاہ کو مساوی قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میکدہ جہاں حریفوں کے ساتھ شراب پینے کا لُطف تھا۔ جب وہی چھُٹ گیا تو اب مسجد میں مل جائے اور مدرسہ خانقاہ میں ہاتھ آجائے تو سب جگہ پی لینی برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تخصیص ازراہِ شوخی کی گئی ہے۔ یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل لائق نہیں ہیں وہاں بھی میکدہ چھٹنے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے۔ اور شراب پینے کی تصریح نہ کرنا عین مقتضائے بلاغت ہے (از یادگار غالب)

۶- بہشت کی ہر ایک تعریف درست مانتا ہوں لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو ورنہ ہمارے لئے بیکار ہے ؎ یہ شعر حقیقت میں ہے اس لئے خدا کرے کے الفاظ نے اس کو نہایت لطیف بنادیا ہے ؎

۷- مقطع صاف ہے ؂

(۱۲۱)

۱ گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو — کہے سے کچھ نہ ہؤا پھر کہو تو کیونکر ہو

۲ ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال — کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

۳ ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے — حیا ہے اور یہی گو مگو تو کیونکر ہو

۴ تمہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا — بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

۵ اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ — جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

۶ جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا — وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

۷ ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر — ہماری بات ہی پُوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

۸ غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا — نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

۹ بتاؤ اُس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار — یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

۱۰ مجھے جنوں نہیں غالبؔ ولے بقولِ حضور — فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

۱- وہ زمانہ تو گیا کہ جب یار کو ہم سے بات کرنے میں بھی عار تھا - اب خدا کا شکر ہے کھُل مِل گیا ہے - بات چیت ہو جاتی ہے اور ہم اپنا حالِ عشق بھی اُنہیں سُنا چکے لیکن بے سُود کوئی اثر نہیں ہؤا اب بتلائیے کیا کیا جائے ؂

۲- ہمارے خیال میں فکرِ وصال ہی کا نام وصال ہے - ہم یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اگر وصال نہ ہؤا تو کیا کریں گے اور وصال میں کامیابی ہو تو کس طرح ہو ؂

۳- ہمیں اگر اُن کا یہی پاسِ ادب رہا اور اپنی تمنائے دل پوری نہ کی تو وصال میں کامیابی نہ ہو گی - اور اگر اُن کو بھی یہی حیا رہی یعنی وہ اقرارِ وصل میں گو مگو کرتے رہے تو بھی وصال ناممکن - مطلب یہ کہ جب تک ہمارا ادب اور اُن کی حیا نہ جائیگی وصال نہ

ہو سکے گا۔

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تم ہی بتاؤ اگر تمام معشوقوں کی ایسی ہی عادتیں ہوں جیسی کہ تمہاری ہیں تو عاشقوں کا گزارہ کس طرح ہو۔

۵۔ تم آئینہ میں بھی اپنا ثانی دیکھ کر بگڑتے ہو۔ اگر شہر میں تم جیسے ایک دو اور حسین ہوں تو نہ معلوم حسد سے تمہارا کیا حال ہو۔

۶۔ اُس دن کی سیاہی کیسی ہوگی جس کے آگے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے۔ (از یادگار غالب)

۷۔ وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں تو ہمیں اُن سے امید اور انہیں ہماری قدر کیونکر ہو اس شعر میں ردیف سے بخوبی کام لیا گیا ہے۔

۸۔ ہمارا یہ گمان غلط نہ تھا کہ اُن کا خط آنے پر ہماری تسلی ہو جائے گی مگر ہماری آنکھیں جو بار کے دیدار کی متلاشی ہیں دیدار کے بغیر مانتی ہی نہیں۔ کیا کیا جائے۔

۹۔ اے ناصح پہلے آپ اُس کی مژگاں دیکھئے پھر آپ کو درست اندازہ ہوگا کہ مجھ کو کس طرح قرار ہو سکتا ہے۔ جبکہ ایسے نیش میری رگ جاں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یقیناً آپ تسلیم کریں گے کہ مجھ کو قرار نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ حضور سے مراد مرزا بہادر شاہ صاحب المتخلص بہ ظفر آخری بادشاہ دھلی ہیں مصرعہ ثانی "فراقِ یار میں" اُن ہی کے فکر کا نتیجہ ہے۔

(۱۲۲)

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو ۱ نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خُو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں ۲ سُبک سر بن کے کیا پُوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

کیا غمخوار نے رُسوا لگے آگ اِس محبت کو ۳ نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا ۴ تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم	٥	گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
یہ کہہ سکتے ہو؟ ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ	٦	کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے	٧	نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے	٨	ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو
یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں	٩	عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی	١٠	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ

١١ ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

١- کوئی عاشق کسی کو دل دے کر فغاں کیوں کرے - جب سینہ میں دل ہی نہ رہے تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو یعنی فریاد و فغاں کیوں کرے ÷ نواسنج (اسم فاعل) نوا + سنج اسم اور امر کے ملانے سے ÷

٢- سبک سر - ذلیل ÷ سرگراں - ناراض - آزردہ ÷ وہ اپنی خفا ہونے کی عادت نہ چھوڑینگے تو ہم ہی اپنی وضع کیوں چھوڑدیں - ہم اُن سے یہ پوچھکر ذلیل کیوں ہوں کہ آپ ہم سے کیوں ناراض ہیں ÷ اس مطلع کی سلاست روزمرہ اور صفائی زبان نہایت پاکیزہ ہے ÷

٣- اس محبت کو آگ لگے کہ میرے غمخوار نے ہی مجھے رسوا کردیا - جو شخص غم کی تاب نہ لا سکے وہ میرا رازداں ہی کیوں بنے - مرزا صاحب اپنے غمخوار دوست کے متعلق اظہارِ ناراضگی فرما رہے ہیں ÷

٤- جب میں سر پھوڑ کر مر جانے کا مصمم ارادہ ہی کر چکا تو وفاداری یار اور عشق کا کیا پاس کروں - اے سنگدل معشوق یہ کیا ضرور ہے کہ میں تیرے ہی سنگ سے ہی سر پھوڑ کر مروں - چاہے جس پتھر سے سر پھوڑ سکتا ہوں - اس شعر میں نہایت روانی اور فصاحت ہے - معلوم ہوتا ہے باتیں کر رہے ہیں - سخن سنجانِ یورپ فرماتے ہیں کہ بہترین نظم وہ ہے جو نثر

سے نہایت قریب ہو۔ مرزا صاحب کے اکثر اشعار نثر معلوم ہوتے ہیں۔

۵۔ اے ہمدم! قفس میں مجھے چمن کے واقعات کہتے ہوئے کیوں جھجھکتا ہے۔ بلا تکلف سب کچھ بیان کر دے۔ پھر اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ کیا ضرور ہے کہ کل جس آشیانے پر بجلی گری ہے وہ میرا ہی آشیانہ ہو۔

۶۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم تمہارے دل میں نہیں ہیں یعنی تم ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے مگر یہ تو بتلائیے کہ جب میرے دل میں تم ہی تم ہو تو آنکھوں سے پوشیدہ کیوں رہتے ہو سامنے آجاؤ۔ اس شعر میں خطاب معشوقِ حقیقی سے ہے۔ (میری رائے میں "تمہیں" کی بجائے "نہیں" پڑھا جائے تب بھی معنی درست اور دلچسپ رہتے ہیں اس صورت میں یہ معنی ہونگے) تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم تمہارے دل میں نہیں ہیں لیکن یہ تو فرمائیے اگر تم ہمارے دل میں نہیں ہو تو آنکھوں سے کیوں نہاں ہو۔ پس معلوم ہوا ضرور دل میں پوشیدہ ہو۔

۷۔ کیا بلیغ شعر فرمایا ہے! فرماتے ہیں تم جو میرے جذبِ دل کی شکایت کرتے ہو کہ تمہارے دل کی کشش ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے یہ غلط ہے۔ اگر ذرا غور کرو گے تو معلوم ہو جائیگا کہ خطا کس کی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو مجھ سے نہ کھینچو یعنی تم مجھ سے بے تکلفی سے ملو تو میرے دل اور تمہارے درمیان کھینچا تانی ہی نہ رہے۔ پس معلوم ہوا کہ دراصل جُرم تمہارا ہے۔

۸۔ کیا یہ فتنہ یعنی تمہارا عشق کسی آدمی کی خانہ ویرانی کے لئے کافی نہیں ہے۔ یعنی بہت کافی ہے۔ پھر جس کے تم دوست ہو گئے یعنی جس کے تم معشوق ہو گئے۔ آسمان کو اُس کا دشمن ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اُس کی خانہ ویرانی کے لئے تو تمہاری دوستی ہی کافی ہے۔

۹۔ مرزا صاحب کے اکثر اشعار میں استفہامیہ فقرے نشتروں کا کام کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اگر آپ کی آزمائش کا طریقہ یہی ہے تو ستانا کس کو کہتے ہیں یعنی یہ آزمائش نہیں یہ تو ستانا ہے۔ کیونکہ جب تم دشمن کے ہو لئے یعنی اُس کا ساتھ نبھانے کی ٹھان لی تو میرا امتحان کیوں لیتے ہو۔ یہ تو صریحاً مجھے ستانا ہے۔

۱۰ - مرزا صاحب نے دوسرے مصرعہ میں بے انتہا فصاحت دکھائی ہے - معلوم ہوتا ہے باتیں کر رہے ہیں (مطلب یہ ہے) تم نے یہ کہا کہ غیر کے ملنے میں رسوائی کیوں ہو یعنی نہیں ہو سکتی - سو تم بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو ہاں پھر کہئے کہ ہاں (رسوائی) کیوں ہو - قاعدہ ہے کہ انسان جب اپنے متعلق غلط اور دلکش بات سنتا ہے تو کہنے والا سے اُسے دوہروانا چاہتا ہے تاکہ شائد وہ شرما کر پھر غلط بات نہ کہے اور دل آزاری نہ کرے - مرزا صاحب کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شائد دوست شرمندہ ہو کر اپنے الفاظ واپس لے لے یا کم از کم بدل ہی ڈالے

۱۱ - اے غالب کیا تو طعنے دے کر معشوق سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے - یہ تیرا خیال خام ہے - تیرے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان نہ ہوگا - تیرا معشوق تو ایسا سنگدل ہے کہ نہ التجا سے نہ طعنوں سے مہربان ہو سکتا ہے ۔

(۱۲۳)

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ۱ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے ۲ کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار

۳

اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

۱ - مرزا صاحب اپنے اعزہ و احباب کی ناقدری اور بے وفائی سے تنگ آ کر فرماتے ہیں کہ وطن چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جانا چاہیئے جہاں ان میں سے کوئی نہ ہو (نیک نفس آدمی کو متعلقین سے بہت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے - اُس کو غیر وطن ہی میں چین مل سکتا ہے جہاں تعلقات نہیں ہوتے) ۔

۲ - شعر کا مطلب صاف ہے ۔

۳ - شعر صاف ہے ۔

ردیف ہائے ہوز

(۱۲۴)

از مہر تا بہ ذرّہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

آفتاب سے ذرّے تک ہر شے معشوق حقیقی کی محبت میں سراپا دل ہے اور دل مانند آئینہ ہے۔ اس لئے طوطی یعنی طالب حق کو ہر سمت آئینہ نظر آرہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسنِ کامل معشوقِ حقیقی ہر ایک شے میں اپنا پرتو ڈال رہا ہے اور طالبِ حق کو ہر شے میں حسنِ کامل کا جلوہ نظر آرہا ہے۔

(۱۲۵)

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ ۱ جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے
دشواریٔ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ ۲

۱۔ مطلب یہ ہے کہ موسم برسات کی وجہ سے یا میرے گریہ کی کثرت سے میرا گھر سبزہ زار بنا ہُوا ہے۔ جس کی بہار یہ ہو اُس کی خزاں کی حالت مت پوچھ یعنی اس سے بھی بدتر ہوگی۔

۲۔ جہاں دل میں اور لاکھوں حسرتیں تھیں مجبوراً بیکسی کی بھی حسرت اُٹھانا پڑی۔ یعنی ایک تو راستے کی دُشواری اور دوسرے ظالم ہمراہیوں کے ساتھ رہنے کی تکلیف یعنی ہمراہیوں کی موجودگی میں بیکسی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ اُس کی بھی حسرت اُٹھانا پڑی (مرزا صاحب ہمیشہ تنہائی اور بیکسی کو پسند فرماتے جیسا کہ اُن کے اکثر اشعار سے ظاہر ہے) مطلب یہ کہ دُنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنا دُشوار ہے۔ بیکسی کی حسرت اس وجہ سے اُٹھانی پڑی کہ دُنیا میں رہتے ہوئے دوستوں اور احبابوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

(۱۲۶)

صد جلوہ رُو برُو ہے جو مژگاں اُٹھائیے ۱ طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے
ہے سنگ پر برات معاشِ جنونِ عشق - ۲ یعنی ہنوز منّتِ طفلاں اُٹھائیے
دیوار بارِ منّتِ مزدور سے ہے خم ۳ اے خانماں خراب! احساں اُٹھائیے
یا میرے زخمِ رشک کو رُسوا نہ کیجئے
۴ یا پردۂ تبسّمِ پنہاں اُٹھائیے

۱ - ہر شے میں یار کا جلوہ موجود ہے ہم ذرا آنکھ اُٹھائیں تو یار کے سینکڑوں جلوے اپنی نظر کے سامنے دیکھ سکتے ہیں - لیکن ہم میں اتنی طاقت کہاں کہ اُن کی تاب دید اُٹھا سکیں

۲ - جنونِ عشق کی غذا کی چٹھیاں پتھروں پر لکھی ہوئی ہیں - ابھی اور کچھ دنوں یعنی تا حیات پتھر مارنے والے لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا - برات تنخواہ کی چٹھی کو کہتے ہیں - مطلب یہ کہ ہمارے جنونِ عشق کی غذا وہ پتھر ہیں جو لڑکے ہمیں مارتے ہیں -

۴ - یا تو آپ میرے زخمِ رشک کو رُسوا نہ کریں یعنی مجھے رُسوا نہ کریں کہ رشک و حسد کا شکار ہے - اور یا تبسّمِ پنہاں کا پردہ اُٹھائیے - مطلب یہ کہ مجھے جو رقیب سے رشک ہوتا ہے وہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ تم اگرچہ ظاہرا طور پر اُس سے ہنسی مذاق نہیں کرتے لیکن تبسّم پنہاں کرتے ہوئے ضرور اُسے محظوظ کرتے ہو - یہ امر میرے لئے بجا طور پر باعثِ رشک ہے - اس لئے یا تو آپ مجھے بدنام نہ کیجے یا رقیب کے ساتھ تبسّمِ پنہاں چھوڑئیے -

(۱۲۷)

ابر

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہئے ۱ بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہئے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اِک اور شخص پر ۲ آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے
دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی ۳ ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات چاہئے
سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لئے ہم مصوّری ۴ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے

اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے ۵ مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے ۶ ہے رنگِ لالہ و گُل و نسریں جُدا جُدا

رُو سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہئے ۷ سر پائے خُم پہ چاہئے ہنگام بیخودی

عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہئے ۸ ق یعنی بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات

نشو و نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو

خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے ۹

۱۔ اے قبلۂ حاجات یعنی اے واعظ جس طرح بھوں کے پاس آنکھ ہوتی ہے اسی طرح مسجد کے زیرِ سایہ شراب خانہ ہونا چاہئے ۔ مسجد کو بھوں سے اور خرابات کو آنکھ سے تشبیہ دی ہے ۔ شعرا مستیٔ چشم کی وجہ سے چشم معشوق کو میخانہ باندھتے ہیں ۔

۲۔ آپ نے مجھ پر جو ظلم کئے ہیں یہ اُن کا بدلہ ہے کہ آپ بھی اک اور شخص پر عاشق ہو گئے ہیں ۔

۳۔ اے فلک میرے دل حسرت پرست کی کچھ تو داد دی ۔ یعنی کچھ حسرتیں تو پوری کر گذری ہوئی باتوں یعنی خوں شُدہ حسرتوں کا کچھ تو بدلہ دینا چاہئے ۔

۴۔ ہم نے چاند جیسے چہرے والوں کے لئے مصوّری سیکھ لی ہے ۔ تاکہ اس ذریعہ سے ہی اُن سے ملاقات ہو سکے اور اُن کا دیدار جی کھول کر کر سکیں ۔

۵۔ مجھے شراب سے سرور حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ مجھے تو دن رات ایک قسم کی بیخودی چاہئے تاکہ آلامِ دُنیا سے محفوظ رہ سکوں ۔

۶۔ ہر ایک پھُول کا رنگ جُداگانہ ہے ۔ بہار اپنی موجودگی کا ثبوت ہر رنگ میں دیتی ہے ۔ مطلب یہ کہ بے بصیرت لوگ کب تک صانعِ حقیقی کی صنعتوں سے منحرف ہو سکتے ہیں ۔

۷۔ (ق) بیخودی کے وقت سر کو پائے خُم پر رکھنا چاہئے اس لئے جب ہم مناجات الٰہی

کرتے ہیں اور بیخود ہوتے ہیں تو ہمارا چہرہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئیے +

۸- یعنی پیمانہ صفات کی گردش کے بموجب عارف کو ہمیشہ ذات الٰہی کی شراب محبت میں مست رہنا چاہئیے +

۹- اے غالب شاخوں کی نشو و نما جڑ سے ہے - جو کام کی بات حاصل ہوتی ہے وہ خاموشی یعنی فکر و غور سے ہی حاصل ہوتی ہے - اور جو بات بے سوچے سمجھے کہی جاتی ہے وہ ناقص ہوتی ہے - مطلب یہ کہ قوت فکر اصل ہے اور الفاظ اُس کی شاخیں +

(۱۲۸)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرۂ خوں وہ بھی ۱ سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

ہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے ۲ تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے ۳ مرے دامِ تمنا میں ہے اِک صیدِ زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم ۴ کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ ۵ مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مئے عشرت کی خواہش ساقیٔ گردوں سے کیا کیجے ۶ لئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۱- میری بساطِ عجز پر صرف ایک دل تھا جس میں صرف ایک قطرۂ خوں تھا - اور وہ دل بھی اس طرح سرنگوں رہتا ہے جس طرح قطرہ ٹپکتے ہوئے - انسانی دل سینہ میں اُلٹا لٹکا ہُوا ہوتا ہے اس لئے سرنگوں کہا گیا - مطلب یہ ہے کہ میرا کل سرمایہ ایک دل تھا سو وہ بھی قطرۂ خوں کی طرح سرنگوں ہے - یعنی غم عشق میں مغموم رہتا ہے اور معلوم کس وقت قطرۂ خون کی طرح ٹپک کر فنا ہو جائے - اس شعر میں جو پڑ کے کمیل کی علامتیں بھی موجود ہیں یعنی بساط اور سرنگوں +

۲- ہم اُس شوخ سے کچھ عرصے تک وضعداری کے خیال سے آزردہ رہے - صاف بات تو یہ ہے کہ وہ بھی ایک اندازِ جنوں تھا ÷ تکلّف برطرف - تکلّف اگر برطرف کیا جائے یعنی صاف بیان کیا جائے ÷

۳- جہاں میری اور ہزاروں خواہشیں ہیں وہاں ایک ادنےٰ سی تمنّا یہ بھی ہے کہ مرجاؤں لیکن خیالِ مرگ سے بھی دلِ آزردہ کو تسکین نہیں ہوتی - کیونکہ یہ یقینی بات نہیں کہ مرنے کے بعد غم و آلام سے نجات ہو جائے گی ÷

۴- مجھے تو یہ خیال تھا کہ نالہ کرنے سے بھڑاس نکل جائے گی اور دردِ دروں کم ہو جائیگا لیکن نالہ کرنے سے میرے دل کو اور صدمہ پہنچا - اور اس کے درد میں ترقی ہو گئی ÷

۵- تیغ کو موج سے تشبیہ دی گئی ہے - اور دریائے بیتابی میں بیتابی کو ایک دریا تصوّر کیا گیا ہے - مطلب یہ ہے کہ میرے بیتابی کے دریا کے سامنے تمہاری تیغِ جفا ایک موج کی مانند ہے اُس کی برش پر اتنا نہ اتراؤ یعنی دریائے عشق میں غوطہ لگا کر لاکھوں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا - برشِ تیغ معشوق کی تکلیف تو ایک معمولی سی تکلیف ہے ÷

۶- ساقیٔ گردوں سے مۓ عشرت کی خواہش کیا کریں - وہ تو صرف اک دو چار اُلٹے جام لئے بیٹھا ہے ÷ ایک دو اور چار کو جمع کیجے تو سات ہوتے ہیں - اس سے سات سیارے مراد ہیں - ظاہر ہے کہ جامِ واژگوں میں شراب نہیں ہو سکتی خالی ہوگا - گردوں کو ساقی سے اور سیارہ کو جام سے استعارہ کیا گیا ہے ÷

۷- مقطع صاف ہے ÷

(۱۲۹)

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے ۱ تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے دَورِ قدح وجہِ پریشانیٔ صہبا ۲ یک بار لگا دو خُمِ مے میرے لبوں سے

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد ۳ زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر ۴
ہر چند مری جاں کو تھا ربط لبوں سے

۱ - معشوقوں کی محفل میں معشوقوں کی بیجا خوشامد کرنی پڑتی ہے اس لئے ہمارا سخن لبوں سے ناراض ہو گیا ہے - ہم ان خوشامد طلب معشوقوں سے تنگ آ گئے - دوسرے معنی یہ کہ سخن لبوں سے ناراض ہو گیا ہے کیونکہ سب ایسے خوشامد پسند ہو گئے ہیں کہ معشوقوں کی محفل میں ہر وقت خوشامدانہ گفتگو کرتے رہتے ہیں اور ہم ان خوشامد طلب لبوں سے تنگ آگئے ہیں

۲ - قاعدہ ہے کہ کسی چیز کو خصوصاً مائع اشیا پانی شراب وغیرہ کو جگہ جگہ تقسیم کرنے سے اُس کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا ہے - اس لئے فرماتے ہیں کہ پیالوں کا دور چلا کر آپ شراب کیوں ضائع کر رہے ہیں - مٹکا ہی میرے مُنہ کو لگا دو کہ میں سب چڑھا جاؤں اور ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہو - مطلب یہ کہ رقیبوں کو شراب نہ پہنچے اور سب مرزا صاحب کے حصہ میں آ جائے ؎

۳ - اے زاہد رندانِ درِ میکدہ بہت گستاخ ہیں - کہیں ایسا نہ کرنا کہ ان بے ادبوں سے اُلجھ پڑو ؎ طرف ہونا - مقابل ہونا - منہ لگنا ؎

۴ - اگرچہ میری جان کو میرے لبوں سے ربط تھا یعنی لبوں پر رہتی تھی لیکن بیدادِ وفا دیکھ کر لبوں سے بھی جُدا ہو گئی ؎

(۱۳۰)

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا ۱ سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

غالب ترا احوال سُنا دیں گے ہم اُن کو ۲
وہ سُن کے بُلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

۱ - اگرچہ وہ ہمارا ذکر نہیں کرتے لیکن اگر کوئی ہمارا ذکر کرے تو سُن لیتے ہیں تا کہ ہم کو شکایت کی جا باقی نہ رہے ؎

۲- اجارہ - طاقت - مجال ۔ ہم یہ ذمّہ نہیں لیتے کہ وہ تمکو بُلا ہی لیں گے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا

وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

ہمارے گھر میں تیرے عشق کی غارت گری کے لئے کوئی چیز ہی نہ تھی جسے وہ غارت کرتا - ہمارے گھر میں ایک حسرت تعمیر تھی سو وہ ابتک باقی ہے ۔

(۱۳۱)

غم دُنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی ۱ فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

کھُلیگا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یا رب ۲ قسم کھائی ہے اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے ۳ ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا ۴ اُٹھے تھے سیر گُل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا ۵ ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

لکد کوبِ حوادث کا تحمّل کر نہیں سکتی ۶ مری طاقت کہ ضامن تھی بُتوں کے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبیٔ اوضاع ابنائے زماں غالبؔ

بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

۱- اگر کبھی غم ہائے دنیا سے سر اُٹھانے کی فرصت ہوتی بھی ہے تو فلک نظر پڑتا ہے - اور فلک چونکہ جفا پیشہ ہے فلک کے دیکھتے ہی تُو یاد آجاتا ہے اور پھر غم عشق ہو جاتا ہے - (اس شعر میں "سر اُٹھانے کی فرصت" کے محاورے سے عجیب کام لیا گیا ہے) ۔

۲- میرے خط کا مضمون اُس پر کس طرح واضح ہو سکتا ہے - کیونکہ میرا خط پڑھنا تو درکنار وہ میرا خط جلائیں گے بھی نہیں اس لئے کہ انہوں نے کاغذ جلانے کی قسم کھائی ہوئی ہے - یعنی کاغذ کو جلانے کا عہد کیا ہُوا ہے - کاش وہ میرے خط کو جلا ہی دیتے اور جب وہ خط کے جلنے کی سیر دیکھتے تو حروف خط خود بخود روشن ہو کر اُن کے پیش نظر ہو جاتے اور میرا مدعا

ان پر واضح ہو جاتا ۔

۳۔ پرنیاں یعنی ریشمی کپڑے میں شعلۂ آتش کا لپٹنا آسان ہے مگر میرے دل میں سوزِ عشق کا چھپنا مشکل ہے۔ یعنی میں بڑی حکمت اور صبر سے اپنے دل میں سوزِ عشق کو چھپائے ہوئے ہوں ۔

۴۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ انہیں سیرِ گل کے بہانے سے اپنے زخمیوں کو دیکھنا منظور تھا۔ لیکن اگر گلوں ہی کو معشوق کے خنجرِ عشق کا گھائل تصور کیا جائے تب بھی معانی میں موزونیت اور خوبی رہتی ہے ۔

۵۔ تیرے التفاتِ ناز کے دھوکے میں آنا ہماری بیوقوفی تھی۔ نیز ہمارے گھر آنا گویا واپس جانے کی تمہید تھی۔ یعنی آتے دیر نہ ہوئی کہ واپس جانے لگے ۔

۶۔ میری طاقت جو بُتوں کے ناز اُٹھانے کی ضامن تھی لکد کوبِ حوادث کا تحمّل بھی نہیں کر سکتی۔ یعنی میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ حادثات کی برداشت کی بھی طاقت نہ رہی۔ یا پہلے بتوں کے ناز اُٹھا سکتا تھا جو بہت ہی مشکل کام ہے ۔

۷۔ ابنائے زمانہ کے ڈھنگ کی خوبیاں (یعنی بُرائیاں) کیا بیان کروں جس سے ہم نے بارہا نیکی کی تھی اُس نے بھی ہم سے بدی کی۔ خوبی طنزاً بُرائی کو کہا گیا ہے ۔

(۱۳۲)

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی ۱ دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے ۲ میں بھی جلے ہُوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

۱۔ اے تمنائے وصلِ یار حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ کیونکہ تُو جو یہ چاہتی تھی کہ گریہ سے مطلب برآری ہو جائے گی یہ ناممکن ہو گیا ہے اور دل جوشِ گریہ میں ڈوبی ہوئی آسامی ہو گیا ہے یعنی اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ڈوبی ہوئی آسامی۔ مفلوک الحال آسامی۔ مطلب یہ کہ جب دل ہی جوشِ گریہ سے ناکارہ ہو گیا ہے تو دلی آرزو بر نہیں آ سکتی ۔

۴- میں بھی اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی تمام ہونے سے پہلے بُجھا دے داغِ ناتمامی ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر شمع کو ختم ہونے سے پہلے بجھا دیا جاتا ہے تو اُس کے اس حصّہ پر جہاں تک جل چکنے پر بجھائی جاتی ہے، داغ پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی ایسے ہی جلے ہوؤں میں ہوں اور مجھ پر بھی ناتمام جلنے کا داغ لگا ہوا ہے یعنی میں عشق میں اپنے آپ کو فنا نہیں کر سکا اور ہمت ٹوٹ جانے کی وجہ سے نصف جلا ہوا رہ گیا۔

(۱۳۲)

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے ۱ جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ۲ پرتو سے آفتاب کے ذرّہ میں جان ہے
حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ ۳ غافل کو میرے شیشہ پہ مے کا گمان ہے
کی اُس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا ۴ آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ۵ بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں ۶ فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا ۷ کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

۱- ہم ستم زدگان کا جہان اتنا چھوٹا ہے کہ چیونٹی کا ایک انڈا بھی اُس کا آسمان بن سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ ستم زدہ اور مفلس لوگوں کے تعلقات بہت کم ہوتے ہیں اس لئے ان کی دُنیا بھی بہت تنگ ہوتی ہے۔

۲- دُنیا کی تمام چیزیں تیری محبت میں حرکت کر رہی ہیں جس طرح ذرّے کی حرکت پرتوِ آفتاب کی وجہ سے ہے۔

۳- غافل آدمی میرے شیشہ دل پر شیشۂ شراب کا گمان کرتا ہے حالانکہ یہ پتھر کی چوٹ سے

خونیں ہؤا ہے - یعنی میرا دل حوادثِ دُنیا سے خونیں ہؤا ہے نہ کہ شرابِ ارغوانی سے ✦ شراب سے یہاں مراد محبّتِ الٰہی ہے - مرزا صاحب اپنی کمزوری بیان فرماتے ہیں کہ ہمارا دل تو دُنیا میں لگا ہؤا ہے - اس میں محبّتِ الٰہی نام کو بھی نہیں ✦

۴ - معشوق نے اہلِ ہوس کے سینہ میں جگہ لے لی ہے - اُسے کیوں پسند نہ آئے کہ ٹھنڈا مکان ہے - اہلِ ہوس کا سینہ چونکہ آتشِ محبت نہیں رکھتا اس لئے ٹھنڈا ہوتا ہے - جاگرم کرنی - جگہ لینی ✦

۵ - ہمارے بھی مُنہ میں زبان ہے - اس میں دو معنی رکھے ہیں - ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر بولنے پر آئیں تو تم کو قائل کر دیں گے - اور دوسرے شوخ - معنی یہ ہیں کہ ہم چلّا کر بتا دیں گے کہ غیر نے بوسہ لیا ہے (از یادگارِ غالب)

۶ - ہندوستان کے لوگوں کا رنگ کالا سمجھا جاتا ہے اور سایہ کا رنگ بھی دھوپ کے مقابلے میں کالا سمجھا جاتا ہے - اس لئے فرماتے ہیں کہ جو شخص سایۂ دیوارِ یار میں بیٹھا ہؤا ہو وہ گویا مُلکِ ہند کا بادشاہ ہے ✦

۷ - غم نے میرے جگر کو مٹا دیا اور داغ کی نشانی صرف ایک داغ رہ گیا اب اگر میں کسی سے کہوں کہ یہ میرے جگر کا نشان ہے تو کوئی یقین نہ کریگا پس معلوم ہوا کہ غمِ عشق نے میرے جگر کی ہستی کا اعتبار بھی مٹا دیا ✦

۸ - اے غالب ہم اس میں بھی خوش ہیں کہ ہمارا یار نامہربان ہے - کیونکہ اُسے ہم پر اعتماد وفاداری تو ہے - اگر یہ اعتماد نہ ہوتا کہ میں محبت نہ چھوڑوں گا تو وہ نامہربان نہیں ہو سکتا تھا ✦

(۱۳۴)

درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے ۱ کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ ۲ تُو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

کیوں مِری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال ۳ دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے

عمر بھر کا تُو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا ۴ عُمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی ۵ یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گُلفشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا ۶ خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرمِ رُسوائی سے جا چھُپنا نقابِ خاک میں ۷ ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مِل گئی ۸ اُٹھ گئی دُنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا ۹ دل پہ اِک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تارِ برشگال ۱۰ ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال ۱۱ ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی وحشت کا رنگ ۱۲
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

۱- معشوق سے خطاب ہے کہ اب تجھے میرے درد سے بیقراری ہے۔ اے ظالم تیری غفلت شعاری کیا ہوئی + غفلت شعاری۔ مجھ سے غافل رہنے کا ڈھنگ + یہ تمام غزل معشوق کا مرثیہ ہے +

۲- شعر صاف ہے + آشوب غم کا حوصلہ۔ غم کی تکلیف کی برداشت + غمگساری۔ دوستی +

۳- تجھے کیوں میری دوستی کا خیال آیا تھا۔ گویا میری دوستی تیرے حق میں دشمنی تھی۔ افسوس

۴- تُو نے مجھ سے عمر بھر کا پیمانِ وفا باندھا تھا۔ لیکن افسوس عمر کے لئے پائداری نہیں اور تجھ کو مجھے چھوڑ کر مُلکِ عدم جانا پڑا +

۵- چونکہ تجھ سے زندگی نے بیوفائی کی۔ اس لئے مجھے بھی آب و ہوائے زندگی زہر لگتی ہے +

۶- تیرے جلوے کے وقت تیرے ناز و انداز کے پھول برسنے کو کیا ہو گیا۔ یعنی اب تیرے جلوے سے پھول نہیں برستے بلکہ تیری قبر پر پھول رکھے جاتے ہیں +

۷- تُو بدنامی کی شرم سے قبر میں جا چھپا۔ تجھ پر محبت کی پردہ داری ختم ہے +

۸ - پیمانِ محبت کی عزت خاک میں مل گئی - افسوس دُنیا دوستی کی راہ و رسم اُٹھ گئی +

۹ - افسوس قاتل کا ہاتھ ہی بیکار ہو گیا کہ میرے دل پر کوئی زخم کاری لگتا - یعنی مجھے زخم کھانے کی تمنا رہ گئی +

۱۰ - ہماری نظر تو ستارے گن گن کر رات کاٹنے کی عادی تھی - اب یہ برسات کی اندھیری راتیں کس طرح کٹیں گی +

۱۱ - میرے گوش پیغام یار اور میری آنکھیں دیدارِ یار سے محروم ہو گئی ہیں - میرے ایک دل پر یہ نا امیدی افسوس افسوس +

۱۲ - اے غالب ابھی میرے عشق نے رنگِ جنوں اختیار نہ کیا تھا - اب ذلت اٹھانے کی تمنا پوری نہ ہوئی تھی کہ افسوس میرا یار مُلکِ عدم کو رخصت ہُوا +

(۱۳۵)

۱ تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے	سر گشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
۲ اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے	لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
۳ ہر مُو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے	کیجے بیاں سرُورِ تپِ غم کہاں تلک
۴ ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے	ہے وہ غرورِ حُسن سے بیگانۂ وفا
۵ اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے	پی جس قدر ملے شبِ ماہتاب میں شراب

۶ ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اُداس ہے

۱ - آوارگی میں زندگی سے یاس ہو گئی ہے - تسکین کے لئے خوشخبری مُبارک ہو کہ مرنے کی آس ہو گئی ہے - (مبارک باد اس لئے کہ مرنے کے بعد سرگشتگی نہ رہے گی) +

۲ - وہ میرے دلِ آوارہ کی خبر نہیں لیتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دل میرے ہی پاس ہے اُسے کیا معلوم کہ میرا دل آوارہ ہو گیا ہے +

۳۔ تپِ غم کے سرور کی کیفیت کہاں تک بیان کروں۔ میرے بدن کا ہر ایک بال تعریف کے لئے زبان بن گیا ہے۔ قاعدہ ہے بخار میں رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے ٭

۴۔ اگرچہ اُس کے پاس سچائی پہچاننے والا دل ہے۔ لیکن غرورِ حُسن اُسے وفاداری کرنے سے مانع ہے۔ یہ حقیقت ہے انسان نیکی کو سمجھتا ہے اور غرورِ حُسن یا غرورِ مال اُسے نیکی کرنے سے باز رکھتا ہے ٭

۵۔ شبِ ماہتاب کو ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے بلغمی کہا گیا ہے ٭ مطلب صاف ہے

۶۔ مقطع بھی غضب کا پُر فصاحت ہے۔ جنگل کی اُداسی کا سبب مجنوں کی سوگواری بتلاتے ہیں ٭

(۱۳۶)

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے ۱	گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
دل فردِ جمع و خرجِ زباں ہائے لال ہے ۲	کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
رحمت کہ عذر خواہِ لبِ بے سوال ہے ۳	کس پردہ میں ہے آئنہ پرداز اے خدا
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے ۴	ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے ۵	مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے ۶	وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ

عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

۱۔ مطلب یہ ہے کہ میری گفتگو اور خاموشی کو مساوی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو کچھ میں کہتا ہوں لوگ اُس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے میں بہت خوش ہوں کہ گفتگو کرتا ہوں اور فائدہ خاموشی کا حاصل کرتا ہوں۔ پہلے بھی فرما چکے ہیں ع

"مُدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا"

۲- دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں اس لئے اظہار مدعا کی حسرت کا گلہ کس کے آگے کروں - میرا دل زبا نہائے لال کے جمع خرچ کی فہرست بن گیا ہے - مطلب یہ کہ میرے دل میں سینکڑوں شکوے موجود ہیں جن کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتا ۔ زبان لال ہونا محاورہ ہے یعنی گونگا ہو جانا - زبان بندی ہونا ۔

۳- اے خدا تیری رحمت جو عذر خواہ لب بے سوال ہے کس پردے میں چھپی ہوئی آئینہ پرداز ہے - مطلب یہ کہ تیری رحمت جو توکل کرنے والوں کو یعنی اُن لوگوں کو جو سوال نہیں کرتے بخش دیتی ہے کہاں چھپی ہوئی ہے - یعنی ہم جو کہ کثرتِ گناہ کی شرم سے سوال نہیں کرتے بخشش چاہتے ہیں ۔

۴- ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور مجھ سے دشمنی کرے - اے عشق تو خواہ مخواہ منفعل ہے کہ تیری وجہ سے مجھے ایک دشمن سے سابقہ پڑ گیا ۔

۵- کعبہ کا لباس حضرت علی علیہ السلام کے قدم کی برکت سے مشک جیسی خوشبو والا ہوا ہے - کیونکہ حضرت علی کعبے ہی میں پیدا ہوئے اور کعبے کو بتوں سے پاک کیا - اگر کعبہ پاک نہ ہوتا تو مسلمانوں کو کس طرح فیض پہنچتا - اس واسطے کعبہ کی خوشبو یعنی کعبہ کا فیض حضرت علی کے قدم کی برکت سے سمجھ - دوسرے مصرعہ میں اس کا ثبوت دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ کعبہ نافِ غزال نہیں ہے بلکہ نافِ زمین ہے اور حضرت علی ابوتراب ہیں - اسلئے ابوتراب کی برکت سے نافِ زمیں مشکیں ہوئی ۔ ابوتراب حضرت علی کا لقب ہے ۔ کہتے ہیں کہ کعبہ ٹھیک وسطِ زمین پر واقع ہے اس لئے کعبہ کو نافِ زمین کہتے ہیں ۔

۶- چونکہ میدانِ دنیا میری وحشت اور صحرا نوردی کے لئے بہت تنگ ثابت ہوا اسلئے زمین شرم سے پسینہ پسینہ ہوگئی اور زمین کے پسینے نے دریاؤں اور سمندروں کی صورت اختیار کر لی ہے ۔

۷- اے اسد دُنیا کے فریب میں نہ آ جانا - تمام دُنیا خیال کے حلقۂ دام کی مانند ہے ۔

(۱۳۷)

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو ۱ حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
۲
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

۱- دبی ہوئی آگ کو کریدنے سے آگ روشن ہو جاتی ہے + فرماتے ہیں تم اپنی شکائتیں کھود کھود کے نہ پوچھو۔ میرے دل سے بچو کہ اس میں آتش عشق دبی ہوئی ہے +

۲- اے دل یہ درد و الم عشق غنیمت ہے کہ آخر کار یعنی کچھ عرصے بعد نہ گریۂ سحری ہوگا نہ آہِ نیم شبی۔ مطلب یہ کہ ہم ہی مر جائیں گے +

(۱۳۸)

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا ۱ ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر کیوں ۲ ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا ۳ ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستیٔ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ ۴ جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی ۵ زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
۶
تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

۱- غلط بردار اس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر سے حروف بآسانی اڑ سکے اور کاغذ پر اس کا نشان باقی نہ رہے مگر یہاں از راہ ظرافت غلط بردار کے یہ معنی لئے ہیں جس پر سے حرف خود بخود اڑ جائے۔ کہتا ہے کہ تو نے اپنے خط میں صرف ایک جگہ حرفِ وفا لکھا تھا سو وہ بھی مٹ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خط کا کاغذ غلط بردار ہے کہ جو بات سچے دل سے اس پر نہ لکھی جائے خود بخود مٹ جاتی ہے (از یادگار غالب) +

۲- اگرچہ ہمارا ہر سانس آتش باز ہے یعنی ہم ہر سانس کے ذریعے اپنی اندرونی گرمی کو تیز کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ذوقِ فنا ناقص ہے کیونکہ اگر ناقص نہ ہوتا تو کبھی کے جل بھن کر خاک ہو جاتے ؛

۳- آگ پانی سے بجھتے وقت یعنی عاجزی کے وقت صدا بلند کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک انسان بھی عاجزی کی حالت میں نالہ بلند کرنے سے لاچار ہے ؛

۴- ہر ذرّہ یعنی ہر مخلوق عذر خواہ معافی چاہنے والا یا معذور رکھنے والا ہے۔ اس شعر میں دعوے ایسے طریقہ سے کیا گیا ہے کہ خود دعویٰ متضمن دلیل واقع ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذراتِ عالم یعنی ممکنات جو فی الحقیقت معدوم محض ہیں ان کی بدمستی و غفلت کا عذر خواہ وہی ہے جس کے پرتو وجودؒ سے یہ تمام معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں ؛ (از یادگارِ غالب) ؛

۵- معشوق سے خطاب ہے کہ تُو مجھ سے یہ مت کہہ کہ تو ہمیں اپنی زندگی کہتا تھا یعنی تُو ہمیں اپنی جان بتلاتا تھا۔ اب وہ زمانہ گیا۔ اب تو میرا جی اپنی زندگی سے بھی بیزار ہے ؛

۶- میں نے لفافۂ خط پر اس لئے آنکھ کی تصویر بنا دی ہے تاکہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ میری آنکھ حسرتِ دیدار رکھتی ہے ؛

پینس میں گزرتے ہیں جو کُوچہ سے وہ میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

(دیگرا) انہیں مجھ سے اتنی بیزاری ہے کہ اگر اُن کی پینس کبھی میرے کُوچہ سے گزرتی ہے تو وہ کہاروں کو کندھا بھی نہیں بدلنے دیتے مُبادا ایک لمحہ کا توقف ہو جائے ؛
پینس - ایک قسم کی ڈولی ؛

(۱۳۹)

مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنّا ہے ۔ جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزاں کیا فصلِ گُل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو ۲ وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم ۳ اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے
نہ لائی شوخئ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی ۴
کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنّا ہے

۱- اس شعر میں انسانی فطرت کا ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ امید و بیم میں انسان پر حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ آہ و نالہ بھی بھول جاتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ میری ہستی تمنّاؤں کی دُنیائے حیرت ہے اور اس دُنیا میں نالہ عنقا ہے یعنی میں ایسا حیرت زدہ ہوں کہ نالہ بھی نہیں کر سکتا۔

۲- ہمارے لئے ہر ایک موسم یکساں ہے خواہ خزاں ہو یا بہار۔ ہمارے لئے تو ہمیشہ قفسِ صیاد ہے اور بال و پر کا ماتم۔ مطلب یہ کہ زندگی میں ہمارے مصائب کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

۳- اس شعر میں واقعیت بیان فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر معشوق کبھی وفاداری کرتا ہے تو وہ ایک اتفاقیہ امر ہے۔ مغموم دل کی فریاد کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ سب کہنے کی بات ہے کہ آہ اثر رکھتی ہے۔

۴- ہماری شوخئ فکر رنجِ نا اُمیدی کی تاب نہیں لا سکتی۔ اس لئے ہمارا کفِ افسوس ملنا نا اُمیدی اور یاس کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ ہم تمنّا کے عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ قاعدہ ہے جس طرح کفِ افسوس ملتے ہیں اسی طرح عہد کرتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ گویا ہم افسوس کی بجائے دوبارہ تمنّا کر رہے ہیں

(۱۴۰)

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے ۱ نبضِ بیمارِ وفا دُودِ چراغِ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بےچین رکھتی ہے ہمیں ۲ ورنہ یاں بےرونقی سُودِ چراغِ کشتہ ہے

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اے ظالم چراغ کُشتہ یعنی بیمار وفا کی زندگی ہی کیا ہے اور بیمار وفا کی نبض چراغ کُشتہ کے دھوئیں کی مانند ہے۔ قریب المرگ کی نبض دودی کہلاتی ہے اس لئے دود دودی کی تجنیس بھی ہے۔ اور چونکہ وہ بہت آہستہ چلتی ہے اس لئے دُود سے تشبیہ دی گئی ہے +

۲۔ آرزوئے دل لگی یعنی آرزوئے محبت ہم کو بیچین رکھتی ہے۔ ورنہ بغیر عشق و محبت یعنی بغیر دل لگی رہنے میں بہت فائدہ ہے جس طرح سے بے رونقی میں یعنی نہ جلنے میں چراغ کشتہ کا فائدہ ہے کیونکہ اُس کا تیل خرچ نہیں ہوتا۔ لفظ دل لگی اس شعر میں بڑا لطیف ہے کیونکہ چراغ کے دل میں بھی جب تک وہ جلتا رہتا ہے آگ لگی رہتی ہے +

(۱۴)

چشمِ خُوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے ۱ سُرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے
پیکرِ عُشّاق سازِ طالع ناساز ہے ۲ نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

دستگاہِ دیدۂ خُونبارِ مجنوں دیکھنا
۳ یک بیاباں جلوۂ گُل فرشِ پا انداز ہے

۱۔ معشوقوں کی آنکھ خامشی میں بھی باتیں کرتی ہے گویا اُن کی آنکھ کا سرمہ شعلہ آواز کا دھواں یعنی کاجل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کی آنکھ کے اشارے گفتگو کا کام کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آنکھوں کا سرمہ (برخلاف اور سرموں کے جو تیل کے شعلہ کا دھواں ہوتے ہیں) آواز کے شعلہ کا دھواں ہے +

۲۔ عاشقوں کا جسم سراپا بدقسمتی کا ساز ہوتا ہے۔ اور ان کے نالے اُن کے سیارۂ بدبختی کی آوازیں ہیں۔ مطلب یہ کہ عشاق کو نالہ و فریاد کی بنا پر مجسم طالع ناساز بتایا گیا ہے اور ان کے نالوں کو سیارۂ بدبختی کی آواز سے تشبیہہ دی گئی ہے +

۳۔ مجنوں کے دیدۂ خونباز کا مرتبہ دیکھئے کہ اُس کے آنسوؤں نے جلوۂ گُل سے بیاباں

جتنا وسیع فرش پا انداز بنا دیا ہے۔ مطلب یہ اُس کے آنسو گل بنکر فرش پا انداز کا کام دے رہے ہیں ÷ یک بیاباں۔ بیاباں جیسا وسیع ÷

(۱۴۲)

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی ۱ میری وحشت تیری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے ۲ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ۳ اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے ۴ غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اگر ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو ۵ آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
عُمر ہر چند کہ ہے بُرق خرام ۶ دل کے خُوں کرنے کی فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں ۷ نہ سہی عشق مُصیبت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف ۸ آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے ۹ بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
۱۰
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تیرے خوں کے بموجب کہ تجھے عشق نہیں وحشت ہے میں مانتا ہوں وحشت ہی سہی۔ لیکن میری وحشت بھی کیا بُری ہے۔ اس سے اور کچھ فائدہ نہیں تو تیری شہرت تو ہے۔ یہی سہی ÷

۲۔ معشوق سے درخواست ہے کہ آپ ہم سے قطع تعلق نہ کیجے۔ اگر محبت نہیں کرتے تو عداوت ہی سہی ÷

۳۔ میرے آپ کے پاس موجودگی میں کیا رسوائی ہوسکتی ہے۔ خواہ محفل میں آپ کے ساتھ ہوں یا خلوت میں دونو مساوی ہیں۔ کیونکہ میری محبت پاک محبت ہے مطلب

یہ کہ خلوت میں ہی اگر مجھے اپنے پاس رکھو تو کیا مضائقہ ہے (مرزا صاحب نے اس شعر میں کمال سادگی اور صفائی سے اپنا دلی مدعا ظاہر فرمایا ہے) +

۴- معشوق سے فرماتے ہیں کہ اچھا تیرے قول کے بموجب غیر کو تجھ سے محبّت ہی سہی پھر اس صورت میں ہم کس طرح تجھ سے دوستی کریں ہم کوئی اپنے دشمن تو نہیں کہ خواہ مخواہ اپنی جان کو غم عشق میں ہلاک کریں۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اچھا غیر کو تجھ سے محبّت ہی سہی۔ ہم مان لیتے ہیں کیونکہ اگر ہم نہ مانیں گے تو تو ناراض ہو جائیگا اور قطع تعلق ہی کرلے گا۔ اب تعلّق تو ہے +

۵- جو کچھ بھی تعلق ہو اپنی ہستی ہی سے ہونا چاہئے۔ اگر اپنی ہستی سے آگہی نہیں تو غفلت ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ اپنی ہستی سے آگہی یا غفلت ہی سے انسان خدا کو پہچان سکتا ہے۔ اگر خود کو پہچان لے گا تو خدا کو بھی جان لیو یگا اور اگر خود سے بے خبر ہو جائیگا تب بھی معرفتِ الٰہی حاصل کرلیگا +

۶- عمر خواہ برق جیسی رفتار ہی رکھتی ہو۔ مگر اتنی فرصت تو مل ہی جاتی ہے کہ ہم اپنے دل کو خوں کرسکیں۔ یعنی خواہشات نفسانی کو فنا کردیں +

۷- ہم ترکِ وفا کرنے والے نہیں ہیں۔ ہم سمجھیں گے کہ عشق نہیں کیا بلکہ مصیبتیں خرید لیں ہیں۔ ہم مصیبتوں سے گھبراکر عشق نہ چھوڑیں گے +

۸- اے فلک، نا انصاف کچھ تو دے۔ یہ تو ہم ہیں کہ چونکہ تو نا انصاف ہے ہم کو ہمارا حق نہ دیگا۔ مگر ہمیں آہ فریاد کرنے کی مہلت تو دے +

۹- معشوق کا قول ہے کہ بے نیازی تو میری عادت ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں ہم تیری عادت تو چھڑا نہیں سکتے بہر حال ہمیں تسلیم کا عادی بننا پڑیگا +

۱۰- اے اسد یار سے چھیڑ چھاڑ رہنی چاہئے یعنی کچھ تعلق ضرور رکھنا چاہئے۔ اگر وصل نہ ہوگا تو حسرتِ وصل ہی سہی +

بے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے ۔ ۱ ۔ صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے
ڈھونڈھے ہے اس مغنّیِ آتش نفس کو جی ۔ ۲ ۔ جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال ۔ ۳ ۔ تا بازگشت سے نہ رہے مُدّعا مجھے
کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں ۔ ۴ ۔ آنے لگی ہے نکہتِ گُل سے حیا مجھے

کُھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے ۔ ۵

۱- میرے آرام طلب ہونے کی بنا پر مجھے ملامت کرنا بجا ہے ۔ اور اسی سے صبحِ وطن میرے اوپر قہقہے اُڑا رہی ہے گویا مجھے ملامت کر رہی ہے ۔ خندہ دنداں نما - ایسی ہنسی جس میں دانت ظاہر ہو جائیں ۔ خندۂ دنداں نما کو باعتبار سفیدی دنداں صبحِ وطن سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

۲- میرا دل ایسے آتش آواز گانے والے کو ڈھونڈتا ہے ۔ جس کی آواز میرے لئے جلوہ برق فنا ہو جائے ۔ یعنی مجھکو فنا کر دیوے ۔ تاکہ غم ہائے دُنیا سے نجات حاصل ہو جائے ۔

۳- میں وادیِ خیال کا راستہ مستانہ وار طے کر رہا ہوں تاکہ واپس ہونا میرا مقصد ہی نہ رہے ۔ مطلب یہ کہ میں اپنے خیالات میں گم ہو جاتا ہوں ۔

۴- اگرچہ نکہتِ گُل بے حیائی کے سبب بدنام ہے مگر تو باغ میں جاکر ایسی بے حجابیاں کرنے لگا ہے کہ مجھے نکہتِ گُل سے شرم آنے لگی ہے ۔

۵- اگر لوگ شعروں کا انتخاب نہ کرتے ۔ اور میرے اشعار پسندیدہ اور منتخب نہ ہوتے تو میرے دل کا راز کیوں کسی پر کھلتا اور کیوں میں رُسوا ہوتا ۔

(۱۴۴)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اے غالب جب ہماری زندگی اس شکل سے یعنی رنج و مصیبت میں گزری ہے تو ہم کس طرح یہ بات فخریہ کہہ سکیں گے کہ ہم بھی خدا رکھتے تھے (اس شعر میں مرزا صاحب کی شوخیٔ طبع جھلک دکھا رہی ہے) ۔

(۱۴۵)

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے ۱ بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہُوا کئے
دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا ۲ میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے
رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے ۳ مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کئے
بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر ۴ حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم ۵ تُو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے
کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو ۶ کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے
صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خُو ۷ دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے
ضد کی ہے اور بات مگر خُو بُری نہیں ۸ بھولے سے اُس نے سینکڑوں وعدے وفا کئے

غالبؔ تمہی کہو کہ ملے گا جواب کیا
۹
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سُنا کئے

۱- بزمِ یار میں مجھے بے حیا اور بے شرم بنکر بیٹھنا پڑتا ہے یعنی اگر بے شرمی اختیار نہ کروں تو بیٹھ ہی نہیں سکتا کیونکہ اغیار مجھے نشانہ بنا کر ازراہ تمسخر آپس میں اشارے کنایے کرتے رہے (گویا اُن کے خیال میں میرا بزمِ یار میں جانا جبکہ یار میری جانب نگہِ التفات ہی نہیں کرتا میری بڑی حماقت تھا) دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ یار میری جانب اشارے کرتا رہا کہ مرزا صاحب آپ بزم سے اُٹھ جائیے مگر میں بیحیائی سے بیٹھا رہا ۔

۲- دل ہی تو ہے بعض وقت ذرا سی بات سے خوف زدہ ہو جاتا ہے ۔ میں درباں

کے دھمکانے سے ڈر گیا ورنہ کب ممکن تھا کہ میں تیرے در سے فقیروں کی طرح صدا لگائے بغیر چلا جاتا ۔

۳۔ سال بھر کے بعد موسم بہار آیا ہے اس کی دعوت کرنی ضروری ہے یعنی شراب پینا ضروری ہے۔ پیسے پاس نہیں اس لئے خرقہ وسجادہ رہن کر کے شراب پیتا ہوں (مرزا صاحب فرماتے تو اپنی نسبت ہیں لیکن طعن زاہد پر ہے کہ موسم بہار میں وہ بھی شراب پئے بغیر نہیں رہ سکتا (خرقہ وسجادہ رہن رکھتا پھرتا ہے۔ ثبوت اس کا یہ کہ خرقہ وسجادہ زاہدوں کے ہی پاس ہوتا ہے) ۔

۴۔ شعر صاف ہے۔ حضرت سے مراد حضرت خضر ہیں ۔

۵۔ گنج ہائے گرانمایہ سے مراد بڑے لوگ یا حسین لوگ ہیں ۔

۶۔ تہمتیں تراشنا۔ تہمتیں لگانا ۔ آرے چلنا۔ ظلم ہونا ۔ آرے اور تراشنا میں رعایت لفظی بھی ہے ۔

۷۔ شعر صاف ہے اگرچہ صاف بازاری ہے ۔

۸۔ اُسے کسی وقت ضد ہی ہو جائے تو اور بات ہے مگر اُس کی عادت بُری نہیں یعنی عادت بُری نہیں کیونکہ اُس نے بھولے سے سینکڑوں وعدے وفا کئے ۔

۹۔ ملے گا جواب کیا۔ یعنی جواب نفی میں ملے گا۔ غالب تم ہی سوچ کر بتاؤ کہ تمہیں وہ کیا جواب دینگے۔ یہ مانا کہ تم کہتے بھی رہے اور وہ سُنتے بھی رہے ۔

(۱۴۶)

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے ۱ اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہارِ مے ۲ بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا ۳ نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

جادادِ بادہ نوشیٔ رنداں ہے شش جہت ۴ غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظّارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حُسن کا ۵ جوشِ بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے
میں نامراد دل کی تسلّی کو کیا کروں ۶ مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے
گزُرا اسدؔ مسرّتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھکو رشکِ سوال و جواب ہے

۱- منجم لوگ سال آئندہ کا حساب رفتارِ آفتاب سے لگاتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ رفتارِ عمر چونکہ رہِ اضطراب کو طے کر رہی ہے اس کا حساب بجائے آفتاب کے برق سے کرنا چاہیئے (برق اور اضطراب میں رعایت لفظی ہے) مطلب یہ ہے کہ عمر کی مدت بجلی کے چمکنے کی مدت کے برابر ہے +

۲- شراب کی بوتل کو سرو سے اور تدرو یعنی چکور کے پَر کو موجِ شراب سے تشبیہ دی گئی ہے + سرو اور تدرو میں رعایت ہے کیونکہ تدرو سرو پر عاشق ہوتا ہے +

۳- پائے ثبات کی ایڑی زخمی ہو گئی ہے۔ اس لئے نہ تو میدانِ عشق سے بھاگ سکتا ہوں اور نہ ٹھہرنے کی تاب ہے +

۴- یہ شعر بھی حقیقت میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام دُنیا رندانِ مے حقیقی کی بادہ نوشی کے لئے جائداد ہے۔ یعنی محبتِ الٰہی کی شراب پینے والے دُنیا کی ہر شے میں جلوہ الٰہی کا دیدار دیکھتے ہیں۔ اگرچہ غافل لوگ خراب سمجھتے ہیں +

۵- قوتِ نظّارہ اُس کے حُسن کی بجلی کی تاب کب لا سکتی ہے جس کے جلوۂ حسن کے لئے جوشِ بہار کا نقاب ہے + جوشِ بہار سے مراد گُل و سبزہ ہے +

۶- نگاہ تو تیرے رُخ کے دیدار سے سیر ہو جاتی ہے لیکن دل کی تسلّی کس طرح ہو یہ تو وصل کے بغیر تسلّی پا ہی نہیں سکتا +

۷- اے اسدؔ میں مسرّتِ پیغامِ یار سے باز آیا۔ مجھ سے تو یہی رشک برداشت ہونا مشکل ہے کہ قاصد اُن سے باتیں کرے گا +

(۱۴۷)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ۱ میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشہ میں ہے ۲ آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے ۳ گر حیا بھی اُسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے ۴ دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دُور چشم بد تری بزم طرب سے واہ وا ۵ نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق ۶ پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اُس کی بزم آرائیاں سُنکر دلِ رنجور یاں ۷ مثلِ نقشِ مُدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بن گیا ۸ رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے

نقش کو اُس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں ۹ کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے اسد
۱۰
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

۱- میری بدنصیبی تو دیکھئے کہ مجھے آپ اپنے اوپر رشک آجاتا ہے۔ بھلا میں کب اس خوشی کو برداشت کرسکتا ہوں کہ میں اُسے دیکھ رہا ہوں یعنی اُس کے حسن کا دیدار کرتا ہوں۔ اسلئے اپنے اوپر رشک کی وجہ سے اُس کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ یہ میری بدنصیبی ہے +

۲- اگر یہی گرمیٔ اندیشہ ہے تو دل سے ہاتھ دھو بیٹھ گویا شیشہ شراب کی تیزی سے پگھلا جارہا ہے + گرمی اندیشہ کو تندی صہبا سے اور دل کو آئینہ سے تشبیہ کیا ہے +

۳- "گر حیا بھی اُس کو آتی ہے" یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بیجا سے اور "شرما جائے ہے" یعنی غیر سے یا اُس کے تکرار کرنے سے (از یادگارِ غالب) +

۴- شوق کو نالہ کرنے کی یہ بیماری کہ ہر دم نالے کھینچتا رہتا ہے۔ اور دل کی یہ حالت کہ سانس لینے سے بھی گھبرا جاتا ہے +

۵ - تیری بزم طرب سے چشم بد دُور رہے - واہ واہ - اگر وہاں یعنی تیری محفل میں تیرا نالہ پہنچتا بھی ہے تو بزم طرب کے اثر سے نغمہ بن جاتا ہے - مطلب یہ کہ نالے کا اثر مخالف ہو جاتا ہے چشم بد دُور طنزاً کہا گیا ہے +

۶ - گرچہ ہمارا طرزِ تغافل رازِ عشق کا پردہ دار ہے یعنی ہم اسلئے معشوق سے تغافل کرتے ہیں کہ رازِ عشق چھپا رہے - مگر ہم اتنے گم ہو جاتے ہیں کہ معشوق کو ہمارے مُبتلائے عشق ہونے کا پتہ چل جاتا ہے +

۷ - معشوق کی بزم آرائیوں کا حال سُنکر میرا رنجور دل رقیب کے نقشِ مدعا کی طرح بیٹھا جا رہا ہے - مطلب یہ کہ رقیب کے ساتھ معشوق کی بزم آرائیاں میرے دل پر ایسا بُرا اثر رکھتی ہیں کہ دل بیٹھا جا رہا ہے - جیسے کہ غیر کے مطلب کا نقش بیٹھا جا رہا ہے - یعنی وہ معشوق کے دل میں گھر کرتا جا رہا ہے +

۸ - وہ پری جیسے چہرے والا معشوق عاشق ہو کر اور بھی نازک بن گیا - علاوہ بریں جتنا اُس کا رنگ اُڑ رہا ہے اُتنا ہی اور کھلتا جا رہا ہے - مطلب یہ کہ غمِ عشق کی وجہ سے معشوق کمزور ہو کر اور نازک ہو گیا اور اُس کا رنگ بھی زیادہ گورا ہو گیا +

۹ - اُس کی تصویر بھی مصوّر سے کیسے کیسے ناز کرتی ہے - مصوّر جس قدر اُس کو کھینچتا یعنی بناتا ہے وہ اتنا ہی مصوّر سے کھینچتی جاتی ہے یعنی غرور کرتی ہے - چونکہ اُس میں غرور اور کشیدگی ہے اس لئے تصویر میں بھی غرور اور تکبّر موجود ہے - کھینچنا سے مراد تصویر کا کھینچنا بھی ہے اور غرور اور کھِچاوٹ بھی +

۱۰ - اے اسد میرا سایہ دھوئیں کی طرح مجھ سے دُور بھاگتا ہے - بھلا میرے پاس جس کی جان و دل میں آگ لگی ہوئی ہے کون ٹھہر سکتا ہے - قاعدہ ہے کہ سایہ انسان سے آگے چلتا ہے +

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے ۱ تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے
نسیۂ نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم ۲ لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریِ وہم ۳ کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

ہوسِ گُل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
۴
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

۱- لیالی۔ جمع لیل۔ فرماتے ہیں تصویر قالیچہ نے مجھے گرم فریاد رکھا کیونکہ تصویر مجھے تیری یاد دلاتی رہی لیکن شبہائے ہجر کی سردی نے مجھے اماں بخشی۔ ورنہ گرمی فریاد سے حالت غیر ہو جاتی۔

۲- نقدِ دُنیا اور نسیہ عقبیٰ کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ میں ان کے ہاتھ کب بک سکتا تھا مجھے تو میری ہمتِ عالی نے خرید لیا۔ مطلب یہ کہ میری ہمت عالی نے مجھے دُنیا کی دولت اور عقبیٰ کے شراب و حور کے وعدوں پر بک جانے سے باز رکھا یعنی میں ان دونوں میں سے کسی کا خواہشمند نہیں۔ نہ دُنیا کا نہ عقبیٰ کا بلکہ میرا مدعا تو معشوق حقیقی ہے (صوفیہ کا قول ہے کہ طالب دُنیا زن ہے۔ طالبِ عقبیٰ مخنّث ہے اور طالبِ الٰہی مرد ہے)

۳- وحدت کو کثرت سے آراستہ کرنا وہم پرستی ہے۔ ان خیالی بتوں نے مجھے کافر بنا دیا مطلب یہ کہ کثرت کو وحدت میں شریک کرنا کافر بنا دینا ہے۔ وحدت وحدت ہے اور کثرت کثرت۔ خدا لاشریک ہے۔

۴- قفس میں بے پر و بال ہونے نے مجھے عجب آرام بخشا ہے۔ کیونکہ ہوسِ گُل کا خیال بھی جاتا رہا۔

(۱۴۹)

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے ۱ برقِ خرمنِ راحت خونِ گرم دہقاں ہے
غنچہ ناشگفتن ہا برگِ عافیت معلوم ۲ باوجودِ دلجمعی خوابِ گُل پریشاں ہے

ہم سے رنج بیتابی کس طرح اُٹھایا جائے
داغ پُشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے ۳

۱- دہقان کی کوشش لالہ کے حق میں اُس کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ دہقان سحرلالہ پر اس قدر سعی کرتا ہے لیکن اُس کا حاصل داغ لالہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وجود ہی موجبِ رنج ہے +

۲- غنچے کے کھلنے تک اُس کی عافیت کا ساز وسامان معدوم ہے۔ باوجود دلجمعی گُل کے اُس کا خواب پریشان ہے یعنی غنچہ کھلنے کے وقت تک عافیت سے نہیں رہ سکتا اور باوجود اس کے کہ گل کی ظاہرا صورت سے اُس کی دلجمعی ظاہر ہوتی ہے لیکن اُس کے خواب یعنی اُس کی خامشی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پریشانی کا مادہ اُس کے اندر موجود ہے (اور بہت جلد اُس کی پنکھڑیاں پریشاں ہو جائیں گی)

۳- ہم بیتابی کا رنج کس طرح اٹھا سکتے ہیں۔ جب بیتابی کی وجہ سے داغ پشت دست عاجزی بنا ہوا اور شعلہ دانتوں میں تنکا لئے ہوئے زبانِ حال سے عاجزی کر رہے ہیں۔ شعلہ کو اُوپر سے پتلا ہونے کی بنا پر خس بدنداں بتلایا گیا ہے۔ اور داغ کو گولائی کی وجہ سے پشت دست عجز سے تشبیہ دی گئی ہے +

(۱۵۰)

اُگ رہا ہے درو دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

اے غالب ہم تو بیاباں نوردی سامان میں ہیں۔ اور گھر میں موسم بہار کی وجہ سے درو دیوار سے سبزہ اُگ آیا ہے اور عجیب بہار دکھلا رہا ہے +

(۱۵۱)

سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے ۱ بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا ۲ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس بُرائی سے وُلے با ایں ہمہ ۳ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مِل جائیگی ۴ یہ جو اِک لذّت ہماری سعیٔ بےحاصل میں ہے

رنجِ رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے ۵ اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی ۶ فتنۂ شورِ قیامت کس کے آب و گِل میں ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب

رحم کر اپنی تمنّا پر کہ کس مشکل میں ہے ۷

۱۔ اُس کی سادگی پر مرجانے کی حسرت ہمارے دل میں ہے۔ لیکن ہمارا بس نہیں چلتا کیونکہ قاتل نے پھر خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خنجر ہی سے قتل ہونا پڑیگا۔ سادگی پر مرنا اس وجہ سے ناممکن ہوگیا کہ خنجر بکف ہونے نے اُس کی سادگی کو دُور کر دیا۔

۲۔ کسی کے حسنِ بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات قائل کے مُنہ سے نکلے۔ وہ سامع کے دل میں اس طرح اُتر جائے کہ اُس کو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی (از یادگارِ غالب)۔

۳۔ اگرچہ اُس کی محفل میں میرا ذکر بہت بُرائی میں ہو رہا ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی میرا ذکر مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اُسے اُس محفل میں باریابی تو حاصل ہو جاتی ہے۔ میں تو ان کی محفل میں قدم بھی نہیں دھر سکتا۔

۴۔ اے ہجومِ ناامیدی بس کر ہماری اُس لذت کو جو ہماری سعیٔ بےحاصل میں حاصل ہوتی ہے خاک میں نہ ملا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری سعی سے کچھ حاصل نہ ہوگا مگر ہمیں اس سعی میں ایک قسم کا لُطف آرہا ہے۔

۵۔ واماندگی کو ہم سے عشق ہے اس لئے راستے کی تکلیف کیوں اُٹھائی جائے اب ہمارا قدم اپنی جگہ سے نہیں اُٹھ سکتا گویا منزل پر پہنچ چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

چونکہ عاجزی کو ہم سے عشق ہے اس لئے کامیابی ناممکن ہے +

۶ ہمارا دل آتشِ دوزخ کا جلوہ زار یعنی نمونہ سہی۔ مگر فتنہ شورِ قیامت کس کے ضمیر میں ہے یعنی آپ فتنۂ قیامت کا نمونہ ہیں +

۷۔ غالب کا دلِ شوریدہ ایک طلسم پیچ وتاب ہے۔ اے معشوق تو اپنی تمنّا پر (یعنی مجھے جو تیری تمنّا ہے) رحم کر اور اسے اس مشکل سے نجات دے۔ مطلب یہ ہے کہ میری تمنّا پوری کر دے +

(۱۵۲)

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی ۱ دونوں کو اِک ادا میں رضامند کر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذّت فراغ ۲ تکلیفِ پردہ دارئ زخمِ جگر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سر مستیاں کہاں ۳ اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی
اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں ۴ بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
دیکھو تو دل فریبئ اندازِ نقشِ پا ۵ موجِ خرامِ یار بھی کیا گُل کتر گئی
ہر بوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی ۶ اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی
نظّارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا ۷ مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی
فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا ۸ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانہ نے اسدؔ اللہ خاں تمہیں
۹
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

۱۔ شعر صاف ہے +

۲۔ میرا سینہ شق ہو گیا اور اب لذّتِ فراق مزے سے اُٹھائیں گے۔ کیونکہ سینہ شق ہونے سے زخمِ جگر کی پردہ داری کی تکلیف جاتی رہی +

۳۔ نہ وہ شباب ہے نہ وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں۔ اب لذّتِ خوابِ سحر بھی جاتی رہی

یعنی پیری آگئی اب نیند بھی رفو چکر ہوئی +

۴ - میری تمنا اب مرنے کے بعد پوری ہوئی یعنی ہوا میری خاک کو اڑا اڑا کر کوئے یار میں پہنچا رہی ہے +

۵ - یار کے نقش پا کے انداز کی دلفریبی تو دیکھو - کہ موج خرام یار کیسے دلفریب نقش بنا گئی

۶ - اب ہر ایک بوالہوس نے بھی حسن پرستی کا طریقہ لے لیا - یوں سمجھئے کہ اہلِ نظر یعنی سچے عاشقوں کے عشق کی آبرو جاتی رہی +

۷ - میری دید نے بھی اُن کے چہرے پر نقاب کا کام کیا کیونکہ ہر ایک نگاہ اُس کے حسنِ رُخ سے مست ہو کر چہرے پر بکھر گئی +

۸ - کہتا ہے کہ تمہارے جاتے ہی خود رفتگی و خود فراموشی کی یہ حالت ہو گئی کہ آج اور کل کی مطلق تمیز نہ رہی اور ایسا ہی قیامت کی نسبت کہا جاتا ہے - کہ وہاں ماضی اور مستقبل دونو مبدل بہ حال ہو جائیں گے - بس تم کیا گئے گویا قیامت گذر گئی - قیامت کے گذرنے کے دونو معنی ہیں نہایت سختی کا زمانہ گزرنا اور خود قیامت کا آجانا (از یادگار غالب) +

(۱۵۳)

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے ۱	حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے
اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل ۲	میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ۳	ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم ۴	میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا ۵	فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے
لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں ۶	جانا کہ اِک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے
اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا ۷	تم کو کہیں جو غالبؔ آشفتہ سر ملے

۱۔ اگر خلد میں نیز دیدار بھی میسّر آجائے تو ہم تسکینِ قلب کی پروا نہ کریں۔ لیکن یہ بھی تو مشکل ہے کہ کسی حُور سے تیری صورت ملے۔ یعنی خلد میں کوئی بھی حُور تیرے جیسی حسین نہ ہوگی ؎

۲۔ تو بعدِ قتل مجھے اپنی گلی میں دفن نہ کر۔ کیونکہ اگر میری قبر تیری گلی میں ہوگی تو تیرے گھر کا پتہ پوچھنے والوں کو لوگ یہ پتہ بتائیں گے کہ جس گلی میں مرزا صاحب کا مزار ہے وہاں چلے جائیے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ رقیبوں کو میرے پتے سے تیرے گھر کا پتہ ملے کیونکہ یہ رشک میں برداشت نہیں کرسکتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب لوگ میرے پتہ سے نیز امکان معلوم کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ میرا قاتل تو ہی ہے اور میں اپنے مرنے کے بعد بھی تیری بدنامی نہیں چاہتا ؎

۳۔ آج اپنی ساقی گری کی شرم کرو اور ہمیں شراب سے سیر کردو۔ تھوڑی بہت تو ہم شب کو روز پی ہی لیتے ہیں ؎

۴۔ اے دوست تجھ سے تو مجھے کچھ شکایت نہیں۔ لیکن اگر کہیں تمہیں میرا نامہ بر مل جائے تو اُسے میری طرف سے جھک کر سلام کرنا (اور کہنا کہ حضرت یونہی شیخی بگھارا کرتے تھے کہ میں ابھی معشوق سے تمہارے نامہ کا جواب لائے دیتا ہوں۔ عرصہ گذرا نامہ لے کر گئے تھے۔ نہ جواب نامہ لائے نہ خود واپس پھرے)

۵۔ اگر غمِ پنہاں کی کشاکش سے ذرا فرصت ملے تو ہم تم کو دکھلائیں کہ مجنوں نے کیا کیا مصائب جھیلے۔ مطلب یہ کہ جب ہم بیاباں نوردی کا ارادہ کرتے ہیں۔ ہمارا غمِ پنہاں ہماری راہ میں مانع ہوتا ہے کہ ایسا نہ کرنا مُبادا راز افشا ہو جائے اور رسوائی ہو ؎

۶۔ ہمارے لئے حضرت خضر کی پیروی ضروری نہیں۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ وہ ایک بزرگ اور ہمارے ہم سفر ہیں۔ ہم کیوں نہ اُن سے آگے نکل جائیں ؎

۷۔ آشفتہ سر۔ پریشان دماغ ؎ مقطع صاف ہے ؎

(۱۵۴)

کوئی دن گر زندگانی اور ہے ۱ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں ۲ سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے
بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں ۳ پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے
دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر ۴ کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم ۵ وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے ۶

۱- ہم نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی ہے کہ اگر کوئی دن زندگی اور ہے تو ہم تم سے قطع تعلق کر دیں گے کیونکہ ہم تمہارے مظالم سے بہت تنگ آ گئے ہیں +

۲- دوزخ کی آگ میں ایسی تیزی کہاں - دل کے غموں کی آگ آتشِ دوزخ سے بھی زیادہ تیز ہے +

۳- وہ ہم سے ناراض ہو چکے ہیں - لیکن اس دفعہ کچھ ایسے ناراض ہوئے ہیں کہ اُنکا رضامند ہونا ممکن نظر نہیں آتا +

۴- نامہ بر مجھے اُن کا خط دینے کے بعد میرا مُنہ تکتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ پیغام زبانی بھی دیا ہے لیکن وہ ایسا فحش اور دل آزار پیغام ہے کہ نامہ بر اُس کے بیان کرنے میں پس و پیش کر رہا ہے اُس کی زبان نہیں کھلتی +

۵- اعمار - جمع عمر + مطلب یہ ہے کہ اکثر نجوم کے اثرات سے عمریں قطع ہو جاتی ہیں لیکن اُس کا عشق سب سے بُری بلا ہے - نجوم کو قاطعِ اعمار ہی ہیں لیکن اس کا عشق انسان کو گھُلا گھُلا کر مارتا ہے +

۶- اے غالب ہم پر جتنی بلائیں آنی تھیں آ چکیں - اب عالمِ ضعیفی ہے - موت کا وقت

قریب ہے۔ بس مرنے کی مصیبت اور باقی ہے۔ لیکن موت کا کوئی وقت معیّن نہیں دیکھئے کب آتی ہے ٭

(۱۵۵)

کوئی اُمید بر نہیں آتی ۱ کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے ۲ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی ۳ اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد ۴ پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ۵ ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں ۶ میری آواز گر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا ۷ بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی ؟

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ۸ کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی ۹ موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس مُنہ سے جاوٴگے غالبؔ
۱۰
شرم تم کو مگر نہیں آتی

۱۔ کوئی امید پوری نہیں ہوتی۔ نہ اُمید پوری ہونے کی کوئی صورت نظر آتی ہے ٭

۲۔ موت کے لئے تو ایک دن معیّن ہے اس لئے معینہ دن سے پہلے نہیں آتی۔ لیکن نیند تمام رات کیوں نہیں آتی اُس کے لئے تو کوئی دن مقرر نہیں ہے۔ (مطلب یہ کہ شبِ فرقت جاگ کر گزاری جاتی ہے) ٭

۳۔ پہلے تو مجھے اپنے دل کے حالِ زار پر بھی ہنسی آجاتی تھی۔ لیکن کب تک مصائب کو مصائب نہ سمجھتا آخر صبر کی حد ہوتی ہے۔ اب اس قدر پریشان و پژمردہ رہتا ہوں کہ کسی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی یعنی ہنسی کی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی ٭

۴- زہد و عبادت خدا کا ثواب جانتا ہوں - لیکن کیا کروں میری طبیعت اُدھر راغب ہی نہیں ہوتی (اس میں میرا کیا قصور ہے) یہ شعر بھی مرزا صاحب کی ظرافت طبع پر دلالت کرتا ہے ۔

۵- میرے دل پر اس وقت نہایت ہی صدمہ ہے جو چُپ بیٹھا ہُوا ہوں ورنہ کیا مجھے بات کرنی نہیں آتی ۔

۶- میں کیوں نہ نالہ کشی کروں کہ جب کبھی چُپکا ہو جاتا ہوں اور میری آواز اُن کے کان میں نہیں پہنچتی تو وہ مجھے یاد کرتے ہیں - گویا مرزا صاحب اپنی رہائش یار کے ہمسائے میں یا زیر دیوار تصور فرماتے ہیں - اور وہاں نالہ کشی کرتے رہتے ہیں - یار ایسا ستمگر ہے کہ اُسے عاشق کی نالہ کشی میں لطف حاصل ہوتا ہے ۔

۷- اے چارہ گر تجھے اگر میرے دل کا داغ نظر نہیں آتا تو کیا میرے جگر کے جلنے کی بُو بھی نہیں آتی - ذرا سونگھ تو کباب ہُوا جاتا ہے ۔ اگر تجھ کو جگر کے جلنے کی بُو نہ آئے تب ہی مجھ کو جھٹلائیو ۔

۸- غم عشق میں ہم ایسے بیخود اور خود فراموش ہو گئے ہیں کہ ہمیں کچھ اپنی خبر بھی نہیں ۔

۹- ہم مرنے کی آرزو میں مر رہے ہیں - لیکن ہمیں موت نہیں آتی - حالانکہ دُنیا میں ہزاروں لاکھوں آدمی روزمرہ مرتے ہیں ۔

۱۰- اے غالب کیا تمہارا مُنہ اس قابل ہے کہ تم کعبہ جانے کا ارادہ کرو - کیا تم کو شرم نہیں آتی - تمام عمر جام شراب تمہارے مُنہ سے لگا رہا اور معشوق پرستی کرتے رہو - اب کعبہ کس مُنہ سے جانے کا ارادہ کرتے ہو ۔ اس شعر میں اعتراف گناہ کی صداقت جھلکتی ہے ۔

(۱۵۶)

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے ۱ آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار ۲ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی مُنہ میں زباں رکھتا ہوں ۳ کاش پوچھو کہ مُدّعا کیا ہے

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود ۴ پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں۔ ۵ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکنِ زُلفِ عنبریں کیوں ہے ۶ نگہِ چشمِ سُرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گُل کہاں سے آئے ہیں ۷ ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید ۸ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہوگا ۹ اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں ۱۰ میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
۱۱
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

۱- اے دلِ ناداں تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تُو نے مجھکو اس قدر بےچین کر رکھا ہے آخر تیرے درد کی دوا کیا ہے۔ تیرا مرض تو لاعلاج معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ستمگر تو وصل پر رضامند ہو نہیں سکتا۔

۲- گویا ابھی عشق کے کُوچہ میں قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں ان سے ناواقف ہے اس لئے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے (از یادگار غالب)۔

۳- تم غیروں سے اُن کے مدعا پوچھتے رہتے ہو۔ کاش تم کسی روز مجھ سے بھی میرا مدعا پوچھو تو کیا میں مُنہ میں زبان نہیں رکھتا کہ جواب نہ دے سکونگا۔ مطلب یہ کہ تم غیروں پر ہی مہربان ہو۔

۴- اے خدا جبکہ تیرے سوا کوئی اور دُنیا میں موجود ہی نہیں یعنی جبکہ دُنیا میں تُو ہی تُو ہے پھر دُنیا میں یہ ہنگامہ آرائی کس لئے ہے۔

۵- یہ حسین لوگ کیا بلا ہیں - اور ان کے غمزہ و عشوہ و ادا کیا وبال ہیں +

۶- زُلف عنبر بُو میں شکن کیوں ہے - اور چشم سرمہ سا کی نگاہ کیا چیز ہے +

۷- سبزہ و گُل کہاں سے لائے گئے ہیں اور ابر و ہوا کیا چیزیں ہیں - یعنی ان چیزوں کی کیا ماہیت ہے - مطلب یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے انوار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں اگر انسان ذرا غور کرے تو ان کی پرستش نہ کرے اور معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول ہو جائے

۸- ہم اُن سے وفا کی کیا امید کریں جو یہ نہیں جانتے کہ وفا کیا چیز ہے +

۹- معشوق نے پوچھا ہوگا کہ دروازے پر کیا بڑ بڑ کر رہے ہو - جواب دیتے ہیں - فقیر کی تو یہی صدا ہے کہ بھلا کر تیرا بھی بھلا ہوگا +

۱۰- میں وفا کی ڈینگیں نہیں مارتا - میں تو عملی طور پر وفا دکھلانا چاہتا ہوں یعنی اپنی جان تم پر نثار کر رہا ہوں +

۱۱- میں نے مانا کہ غالب نکمّا آدمی ہے پھر اگر مُفت تمہارے ہاتھ آئے تو کیا بُرائی ہے - آدمی تو ہے - مُفت را چہ گُفت +

(۱۵۷)

۱ یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے	کتنے تو ہو تم سب کہ بُت غالیہ مو آئے
۲ کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے	ہُوں کشمکش نزع میں ہاں جذبِ محبت
۳ آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے	ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
۴ ہاں مُنہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بُو آئے	ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
۵ ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے	جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
۶ دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے	ہاں اہلِ طلب کون سُنے طعنۂ نایافت
۷ اُس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے	اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
۸ اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے	کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر

اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے ۹

۱- تم سب یہ دعا مانگ رہے ہو کہ وہ بت غالیہ مُو (خوشبو دار بالوں والا معشوق) آئے۔ کاش تم میں سے کوئی اک مرتبہ گھبرا کر یہ کہے کہ لو وہ آگئے۔

۲- اے جذبِ محبت! اب تو کچھ اثر دکھا دے اگرچہ میں کشمکش نزع میں ہوں اور کچھ کہہ بھی نہیں سکتا لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری مزاج پُرسی کے لئے میرے بالیں پر آجائے

۳- آپ کا قیام صاعقہ اور شعلہ اور سیماب کی مانند رہا۔ اگرچہ تم آئے مگر میری سمجھ میں تو آپ کا آنا آنا نہیں۔ مطلب یہ کہ آپ میرے گھر سے بہت جلد تشریف لے گئے۔ صاعقہ گرنے والی بجلی کو کہتے ہیں۔

۴- از راہ شوخی کہتا ہے کہ نکیرین کے سوال و جواب سے بچنے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں کہ شراب پی کر مریں تاکہ نکیرین اس کی بُو کی کراہت سے بغیر سوال و جواب کئے چلے جائیں (از یادگارِ غالب)۔

۵- ہم دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر ایک شے میں خدا موجود ہے۔ اس لئے ہم نہ جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ہیں۔ ہمہ اوست۔

۶- اے اہلِ طلب (طالبانِ خدا) ہم سے تمہاری طرح یہ طعنے نہیں سُنے جاتے کہ برسوں خدا کی تلاش میں رہے اور ناکامی کا منہ دیکھا۔ اس لئے ہم نے تو جب دیکھا کہ خدا نہیں ملتا تو ہم آپ ہی گم ہو گئے یعنی بےخود ہو گئے۔

۷- ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ خدا نہیں ملا تو ہاتھ پاؤں توڑ کر آرام سے بیٹھ جائیں۔ خدا کا پتہ نہیں چلا تو ہم کعبے یعنی خدا کے گھر ہی ہو آئے۔

۸- میرے دوستوں نے معشوق سے اثر گریہ کے متعلق بحث کی۔ مگر اُس سے تقریر میں کون جیت سکتا ہے۔ رعبِ حُسن چھا گیا اور جلد ہی مان گئے کہ گریہ میں کوئی اثر نہیں

ہوتا۔ پس میرے دوست تو اُس سے بھلے بن گئے اور مجھ کو ہمیشہ کے لئے ڈبو آئے۔ کیونکہ اب اگر میں روتے رذتے دریا بھی بہادوں گا تو اُس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ گریہ اور ڈبونے کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو۔

۹- اے غالب تیرے یار کی بزم کی کیا بات ہے۔ بڑی شان وشکوہ کی محفل ہے وہاں بڑے بڑے اُمراء و روساء جمع ہو جاتے ہیں۔ بھلا وہاں تجھ جیسے فقیر کی کیا پوچھ ہونی ہے۔ اس لئے ہم تو تیری تقدیر کو رو کر چلے آئے۔

(۱۵۸)

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے ۱ سینہ جویائے زخمِ کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۲ آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز ۳ پھر وہی پردۂ عماری ہے

چشمِ دلّالِ جنسِ رسوائی ۴ دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی ۵ وہی صد گونہ اشکباری ہے

دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر ۶ محشرستانِ بیقراری ہے

جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے ۷ روزِ بازارِ جاں سپاری ہے

پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں ۸ پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر کھُلا ہے درِ عدالتِ ناز ۹ ق گرم بازارِ فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہاں میں اندھیر ۱۰ زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال ۱۱ ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب ۱۲ اشکباری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا ۱۳ آج پھر اُس کی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں غالب ۱۴ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۱۔ دل میں پھر کچھ بیچینی سی لگی ہوئی ہے ۔ اور سینہ جویائے زخم کاری ہے ۔ زخم کاری سے مراد زخم عشق ہے ÷

۲۔ پھر ناخن نے زخم جگر کو کریدنا شروع کیا ۔ کیونکہ فصل لالہ کاری یعنی موسم گل و لالہ کی آمد ہے ۔ قاعدہ ہے کہ جب برسات کا موسم آتا ہے تو مرطوب ہوا سے پُرانے زخم تازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں سوزش ہو جاتی ہے ۔ اس لئے فرمایا ہے کہ ناخن نے زخم جگر کو کریدنا شروع کیا ÷

۳۔ نگاہِ نیاز یعنی نگاہِ عاشق کے مقصد کا قبلہ پھر وہی پردہ عماری ہے جس کے اندر محبوب سوار ہے ÷ نگاہِ نیاز ۔ نگاہِ عاجز یعنی نگاہِ عاشق ÷

۴۔ (ن) آنکھ دلال جنس رسوائی بن گئی ہے اور ذوق خواری کا خریدار بن گیا ۔ مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے رونا شروع کر دیا اور دل نے نالے بلند کئے ÷

۵۔ دل وہی سو سو طریقہ سے فریاد کر رہا ہے اور آنکھ سینکڑوں طرح سے اشکباری کر رہی ہے ÷

۶۔ ہمارا دل معشوق کے خرامِ ناز کی خواہش میں بیقراری کے حشر کا میدان بن گیا ہے

۷۔ جلوۂ یار پھر ناز دکھا رہا ہے ۔ جان دینے کے بازار گرم ہونے کا زمانہ ہے ÷

۸۔ پھر ہم اُسی بے وفا معشوق کے عشق کا دم بھرنے لگے ۔ اور پھر ہماری زندگی کا وہی حال ہو گیا ÷

۹۔ پھر ناز کی عدالت کا دروازہ کھُل گیا ۔ پھر فوجداری کا بازار گرم ہو گیا ۔ مطلب یہ کہ ناز و انداز کی حکومت ہو گئی ÷

۱۰۔ زلف کو پھر سرشتہ داری مل گئی اور اس لئے جہاں میں اندھیر و ظلم ہونے لگا ÷ سرشتہ دار ۔ عدالت کا بڑا منشی ÷

۱۱۔ پارۂ جگر نے پھر عرض گزرانی ۔ چاروں طرف فریاد آہ و زاری ہے

۱۲- پھر عشق سے گواہ طلب ہوئے۔ اشکباری کو شہادت کے لئے بُلایا گیا ہے۔
اشکباری اور جاری میں لفظی رعایت ملاحظہ ہو۔

۱۳- دلِ عاشق اور مژگانِ یار کے مقدمہ کی آج پھر پیشی ہے۔

(نوٹ) اس قطعہ میں بہت سے عدالتی الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً سرشتہ داری روبکاری۔ حکم۔ سوال۔ فوجداری۔

۱۴- اے غالب تمہاری بیخودی بے سبب نہیں۔ کسی راز کے چھپانے کے لئے تم نے یہ بےخودی کا پردہ ڈال لیا ہے۔ مطلب یہ کہ بیخودی کے پردے میں اپنے عشق کو چھپانا چاہتے ہو۔

(۱۵۹)

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی ۔ ۱ نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی
کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیٔ آزادی ۔ ۲ ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی

پس از مُردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

۱- اگر میں نے تھوڑی دیر کے لئے شادمانی کی تو میرے جنوں پر تسکین حاصل کرنے کی تہمت نہ لگائی جائے کیونکہ زندگی کی لذت دل کے زخم پر نمک چھڑکنے والی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر غم زدہ انسان کو تھوڑی دیر کے لئے راحت یا خوشی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اُسے رنج و غم بہت گراں معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اور ہماری تکلیف کو بڑھا دیا ہے اور تکلیف و غم کے بڑھ جانے ہی کے سبب ہم نے خوشی منائی ہے۔ لہذا ہمارے جنوں پر شادمانی کا خواہشمند ہونے کا الزام نہ لگایا جائے۔

۲- زندگی کی کشاکش یعنی کھینچا تانی سے آزاد ہونے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجے کہ موجِ آب نے پانی سے علیحدہ ہونا چاہا اور تھوڑی دیر اُس کو اُبھرنے

اور چلنے کا موقع بھی مل گیا لیکن اُس کے اُبھار اور روانی نے ہی اُس کو شکلِ زنجیر بنا دیا گویا اس کو پا بہ زنجیر کر دیا۔ پس معلوم ہُوا کہ کشاکش ہائے ہستی سے آزادی حاصل کرنا ناممکن ہے۔

۴۔ دیوانہ مرنے کے بعد زیارت گاہِ طفلاں بنا ہُوا ہے۔ شرارِ سنگ (یعنی وہ شعلہ جو پتھر کی رگڑ سے نکلتا ہے) نے اُس کی قبر پر پھول برسائے۔ مطلب یہ کہ دیوانہ کی زندگی میں جو بچے اُسے پتھر مارا کرتے تھے مرنے کے بعد بھی اُس کی قبر پر آتے ہیں اور پتھر مارتے ہیں جن سے شعلے اُٹھتے ہیں اور گویا قبرِ دیوانہ پر پھول چڑھائے جا رہے ہیں۔

(۱۶۰)

صبا داخندہ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی	۱	نکوہش ہے سزا فریادیٔ بیدادِ دلبر کی
اگر بو دے بجائے دانہ دہقاں نوکِ نشتر کی	۲	رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دَورِ ساغر کی	۳	پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیٔ مے تھا
کہ طاقت اُڑ گئی اُڑنے سے پہلے میرے شہپر کی	۴	کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت

کہاں تک روؤں اس کے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
۵ مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

۱۔ بیدادِ دلبر کے فریاد کرنے والے کی سزا ملامت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صبحِ قیامت بھی اُس پر قہقہے اُڑائے یعنی اُس پر ملامت کرے کیونکہ فریادی ضرور اُس روز یعنی روزِ قیامت فریاد کرے گا۔ صبحِ محشر کو خندۂ دنداں سے سپیدی کے سبب تشبیہ دی گئی ہے اور سپیدی وجہ تشبیہ ہے۔

۲۔ اگر دہقان دانہ کی بجائے دشتِ مجنوں میں نوکِ نشتر کاشت کر دیوے تو لازمی بات ہے کہ وہ نوکِ نشتر رگِ لیلےٰ کو زخمی کر دیوے (مقصود اظہار جذبۂ عشق ہے) جب لیلےٰ و مجنوں زندہ تھے تو ایکبار لیلےٰ نے فصد کھلوائی جذبۂ عشق کے اثر سے مجنوں کے ہاتھ میں بھی اُسی مقام پر فصد کھُل گئی تھی۔

۳- جب مجلس میں شمع روشن ہوئی تو پروانے اُس پر آ کر گرے اور جلنے لگے۔ پر ہائے پروانہ کے جلنے نے مجلس کی گرمی کو اور بڑھایا اس لئے پر پروانہ دَورِ ساغر کی روانی کا باعث اور بادبانِ کشتیٔ مے قرار پایا۔ لفظ "شاید" نے لطافتِ شعر میں دو چند اضافہ کر دیا ہے ؛

۴- پر فشانی - پرواز ؛ میں ذوقِ پر فشانی کی بیداد کو بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اُڑنے سے پہلے ہی میری قوتِ پرواز جاتی رہی تو میرے لئے اُس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ جس چیز سے انسان واقف ہی نہ ہو اُس کو بیان کس طرح کر سکتا ہے ؛

۵- میں اُس کے خیمے کے پیچھے کہاں تک روؤں۔ قیامت ہے یعنی غضب تو یہ ہے کہ میری بدقسمتی سے یار خیمہ میں رہنے لگا۔ اگر پتھر کی دیوار ہوتی تو سر ٹکرا کر ہی مر جاتا کیونکہ یارہ پر تو رونے کا اثر ہوتا معلوم نہیں ہوتا خواہ میں اپنی تمام عمر رونے میں صرف کر دوں؟

(۱۶۱)

۱ جتنے زیادہ ہو گئے اُتنے ہی کم ہوئے	بے اعتدالیوں سے سُبک سب میں ہم ہوئے
۲ اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے	پنہاں تھا دام سخت قریبِ آشیاں کے
۳ یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے	ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
۴ وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے	سختی کشانِ عشق کی پُوچھے ہے کیا خبر
۵ تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے	تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
۶ ہر چند اُس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
۷ اجزائے نالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے	اللہ رے تیری تندیٔ خو جس کے بیم سے
۸ جو پاؤں اُٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے	اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
۹ جو واں نہ کھینچ سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے	نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
۱۰ سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے	چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی

جیسی زندگی نصیب ہو۔ (اس شعر میں بھی مرزا صاحب نے شوخی سے کام لیا ہے فرماتے ہیں "یونہی دُکھ کسی کو دینا" گویا دعا ان کی زبان سے نکلتے ہی شرفِ اجابت حاصل کریگی +

(۱۶۳)

ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے ۔ ۱ اِک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال ۔ ۲ مدت ہوئی کہ آشتیٔ چشم و گوش ہے

مَے نے کیا ہے حُسنِ خود آرا کو بے حجاب ۔ ۳ اے شوق یاں اجازتِ تسلیم و ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا ۔ ۴ کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست ۔ ۵ بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل ۔ ۶ زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو ۔ ۷ میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی ۔ ۸ مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط ۔ ۹ دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ ۔ ۱۰ یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں ۔ ۱۱ نے وہ سرور و سور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۔ ۱۲ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

۱۔ مرزا صاحب نے عودِ ہندی میں خود اس مطلع کی شرح لکھی ہے۔ فرماتے ہیں دوسرا مصرعہ خبر ہے پہلے مصرعہ کی اور پہلا مصرعہ مبتدا شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہے۔ (اندھیرا ظلمت غلیظ) سحر ناپید گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ایک دلیل صبح کی لو دیر ہے۔ یعنی بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھا یا کرتے ہیں لطف اس

مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا ہے وہ خود ایک صبح ہے منجملہ اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھنا چاہئیے جس گھر میں علامت صبح موید ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

۲۔ نہ وصال کا مژدہ سُنتا ہوں نہ نظّارہ جمال سے بہرہ اندوز ہوتا ہوں مدّت ہوئی کہ نہ چشم کو نظّارۂ جمال حاصل ہوتا ہے نہ گوش مژدۂ وصال سے مسرور ہوتا ہے اسلئے دونوں میں اتفاق ہے

۳۔ نشۂ شراب نے حُسن خود آرا کا حجاب دُور کر دیا۔ اے شوق اضافت عشق تجھے بھی اپنے ہوش و حواس حُسن پر نثار کر دینے کی اجازت ہے۔ مطلب یہ کہ جب محبوب بے حجاب ہو گیا ہے تو اگر میں بھی بیخود ہو جاؤں تو بیجا ہے۔

۴۔ گوہر فروش کا ستارہ بہت اوج پر ہے کہ اُسے معشوقوں کی گردن سے ہار میں موتیوں کا دیکھنا میسّر آتا ہے (ہماری قسمت ایسی کہاں)

۵۔ بزم خیال میکدہ بے خروش ہے اس میں دیدار بادہ حوصلہ ساقی اور نگاہ مست ہے مطلب یہ کہ خیالی میکدے کی محفل میں کوئی شور و غل نہیں ہوتا۔

۶۔ (ق) اے خواہشاتِ دل کے تازہ گرفتار و خبردار تم ہی نَے کا سُننا اور شراب کا پینا چاہتے ہو:۔

۷۔ اگر تم عبرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو مجھے دیکھو اور اگر تم نصیحت سُننا چاہتے ہو تو میری بات سُنو۔

۸۔ ساقی اس جلوہ گری کے ساتھ ایمان و معرفت کا دشمن ہے۔ اور مطرب اس نغمے کے ساتھ تمکین و ہوش کا رہزن ہے۔

۹۔ یا تو رات کو یہ دیکھتے تھے کہ فرش کا ہر ایک کونہ باغبان کا دامن اور گلفروش کا ہاتھ بنا ہوا تھا۔

۱۰۔ ساقی کی مستانہ رفتار جنّتِ نگاہ تھی اور چنگ کی آواز کی دلکشی فردوسِ گوشش

بنی ہوئی تھی ؎

۱۱- صبح کے وقت بزم میں نہ وہ گانا بجانا تھا نہ جوش و خروش ؎

۱۲- صرف رات کی جلی ہوئی اِک شمع رہگئی ہے جو داغِ فراق محفل ہے اور خموش ہے

۱۳- اے غالب قلم کی آواز فرشتہ کی آواز ہے اور میرے خیال میں یہ مضامین غیب سے آتے ہیں ؎ صریر - قلم کی آواز ؎

(۱۶۴) لطیفہ

آکہ میری جان کو قرار نہیں ہے ۱ طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے ۲ نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھکو ۳ ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر ۴ خاک میں عشاق کے غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی ۵ غیرِ گل آئینہ بہار نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے ۶ وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تُو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب

تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱- اے معشوق جلد آ کیونکہ میری جان کو چین نہیں ہے - اور انتظار کے ظلم سہنے کی طاقت نہیں رہی ہے ؎

۲- حیاتِ دہر کے بدلے جنت دیتے ہیں - یہ نشہ خمار کے اندازے سے نہیں ہے نشہ سے مراد آرام اور خمار سے مراد تکلیف ہے - مطلب یہ ہے کہ حیاتِ دہر میں جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور جنت اُن کا مناسب بدلہ نہیں ہے ؎

۳- افسوس کہ میرے رونے نے مجھے تیری بزم سے نکالا - ہائے مجھے اپنے رونے پر اختیار نہیں - مطلب یہ کہ معشوق نے مجھے روتا دیکھ کر اپنی بزم سے نکلوا دیا مگر افسوس

مجھے اپنے اوپر قابو نہیں۔ جب میں معشوق کو رقیبوں کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی حالتِ زار پر زار و قطار رونا آجاتا ہے ۔

۴۔ ہم سے گمانِ رنجشِ خاطر عبث ہے۔ عشاق کی خاک میں غبار نہیں ہے مطلب یہ کہ لوگ ہم سے ناحق بدگمان ہیں کہ ہم دل میں رنجش رکھتے ہیں۔ عاشقوں کی خاک میں غبار یعنی رنجش نہیں ہے (کہتے ہیں انسان خاک سے بنا ہے) خاک سے یہاں مراد خمیر ہے ۔ خاک اور غبار کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو ۔

۵۔ جلوہ ہائے معانی کا لطف دل سے اٹھا کیونکہ بہار کا آئینہ گل کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔ مطلب یہ کہ جس طرح گل بہار کا آئینہ ہے اسی طرح دل میں جلوہ ہائے معانی دیکھ سکتا ہے اور اُن کا لطف اٹھا سکتا ہے ۔

۶۔ شکر ہے کہ اُس نے میرے قتل کرنے کا عہد تو کر لیا ہے لیکن اگر عہد مضبوط نہیں ہے تو بڑا افسوس ہوگا ۔

۷۔ اے غالب تو نے شراب نہ پینے کی قسم تو کھائی ہے لیکن چونکہ تو پرانا شرابی ہے اور اکثر مرتبہ عہد توڑ چکا ہے اس لئے تیری قسم کا ہمیں اعتبار نہیں ہے ۔

(۱۶۵)

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے ۱ کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی ۲ سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان میں جلوہ فرمائی کرے غالبؔ

۳ چٹکنا غنچہ و گل کا صدائے خندۂ دل ہے

۱۔ ہجومِ غم سے میرا سر اس قدر جھکا رہتا ہے کہ تارِ نظر اور تارِ دامن میں کوئی فرق نہیں رہتا ۔

۲۔ زخم سلوانے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم زخمِ سوزن کی لذت اٹھائیں نہ کہ زخم

سلوانے سے ہم دردِ زخم دُور کرنا چاہتے ہیں اے غافل یہ نہ سمجھیو کہ میں جو کہ دیوانۂ عشق ہوں درد کی تمنّا نہیں رکھتا ۔

۲- اے غالب وہ گُل یعنی معشوق جس باغ میں جاتا ہے ۔ وہاں غنچہ و گُل کا چٹکنا خندۂ دل کی صدا ہے یعنی غنچہ و گُل کا چٹکنا اُن کا اظہار خوشی ہے ۔

(۱۶۶)

پابدامن ہو رہا ہوں بسکہ مَیں صحرا نورد ۱ خارِ پا ہیں جوہرِ آئینہ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت ۲ ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مُو مجھے
ہُوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پُوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

۱- میں جو کہ صحرا نورد تھا پابوس ہو کر پابدامن ہو گیا ہوں یعنی سرنگوں بیٹھ گیا ہوں اور میرے پاؤں کے کانٹے جو صحرا نوردی کے زمانے میں میرے پاؤں میں چبھے تھے میرے آئینہ زانو کے جوہر کی مانند معلوم ہوتے ہیں ۔ زانو کو آئینہ سے اور خار کو جوہر آئینہ سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

۲- میرے دل کی حالت ہم آغوشی کے وقت دیکھنا ۔ یعنی میرا دل بے انتہا خوش ہوگا کیونکہ تیرا سرِ ہر مُو یعنی تیرے ہر ایک بال کی نوک میرے دل کی نگاہ آشنا ہے ۔

۳- میں سراپا شکایت کے راگ کا باجہ ہوں ۔ میری حالت نہ پوچھ ۔ یہی بہتر ہے کہ تو لوگوں میں مجھے نہ چھیڑے ۔ مطلب یہ کہ میرے دل میں تیری ہزاروں شکائیتیں بھری ہوئی ہیں یہی بہتر ہے کہ تو مجھے ہجوم میں نہ چھیڑے کیونکہ میں تیری شکائیتیں لوگوں کے سامنے نہیں کرنا چاہتا ۔ (ساز کے لئے چھیڑنا رعایت ملاحظہ ہو)

(۱۶۷)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آئے ۱ جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر ۲ تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

تب نازِ گراں مایگیِ اشک بجا ہے ۳ جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے

دے مجھکو شکایت کی اجازت، کہ ستمگر ۴ کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ ۵ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب ۶ اک آبلہ پا وادیِ پُرخار میں آوے

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے، جب وہ تنِ نازک ۷ آغوشِ خمِ حلقۂ زنار میں آوے

غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر ۸ کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

تب چاکِ گریباں کا مزا ہے دلِ نالاں ۹ جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے ۱۰ اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

۱- جس بزم میں تو ناز سے باتیں کرنے لگے اس بزم کی دیوار کی تصویروں میں بھی جان پڑ جائے ۔

۲- سرو صنوبر سایہ کی طرح تیرے ساتھ ساتھ پھریں اگر تو اس قدِ دلکش سے باغ میں آجائے ۔

۳- ہم اُس وقت آنسو کو گرانمایہ سمجھیں گے جب جگر کے ٹکڑے آنسو برسانے والی آنکھ میں آئیں

۴- شعر صاف ہے ۔

۵- اگر آئینہ معشوق کی چشمِ فسوں گر کا اشارہ پائے تو طوطی کی طرح بولنے لگے جوہر آئینہ کو طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں ۔

۶- کانٹوں کی زباں خشک ہو گئی۔ خدایا وادیٔ پرخار میں کسی آبلہ پا کو بھیج دے ۔ تاکہ

کانٹے آبلوں کے پانی سے اپنی تشنگی بجھالیویں +

۷- میں رشک سے کیوں نہ مر جاؤں جبکہ اُس کا نازک جسم میرے آغوش میں نہ ہو اور حلقۂ زنار میں ہو +

۸- اگر ہوس زر عزت کو غارت کرنے والی نہ ہو تو شاہد اضافت گل یعنی گل باغ سے بازار میں بکنے کے لئے کیوں آئے +

۹- اے دلِ نالاں چاک گریبان کرنے کا مزا جب ہے جب ہر تار کے ساتھ اک سانس اُلجھا ہؤا ہو +

۱۰- میرا سینہ رازِ نہاں کی سوزش کی وجہ سے آتشکدہ ہو رہا ہے افسوس اگر یہ راز ظاہر ہو گیا تو غضب ہو جائیگا +

۱۱- اے غالب تیرے اشعار کا ہر ایک لفظ گنجینۂ معنی کا طلسم ہے - مطلب یہ کہ تیرے اشعار کے ہر ایک لفظ سے کئی کئی معانی نکل سکتے ہیں +

(۱۶۸)

۱ حسنِ مہ گرچہ بہنگامِ کمال اچھا ہے — اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

۲ بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ — جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

۳ اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا — ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

۴ بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے — وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

۵ اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

۶ دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض — اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

۷ ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا — جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

۸ قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے — کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

۹ خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز — شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

۱- دوسرے مصرعہ میں دعوے متضمن دلیل ہے معشوق کو مہ خورشید جمال اس لئے کہا ہے کہ اس کو ماہ کامل پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے (از یادگار غالب)۔

۲- معشوق بوسہ دینا تو چاہتا نہیں اور ہر وقت میرے دل کی تاک میں رہتا ہے اُس کا خیال ہے کہ دل مفت حاصل کرلے تو بہتر ہے یعنی بوسہ کبھی نہ دینا پڑے اور دل جیسی دولت بھی حاصل کرلے۔

۳- جام سفال - مٹی کا پیالہ۔ مطلب یہ ہے جام جم تو ہمارے لئے دستیاب کرنا ناممکن ہے اس سے ہمارا جام سفال اچھا ہے۔ اگر ٹوٹ جاتا ہے پیسہ دو پیسہ کا بازار سے لے آتے ہیں۔

۴- مطلب یہ ہے کہ بغیر مانگے ضرورتمند کو دینا بھی اچھا ہے اور وہ فقیر بھی اچھا ہے جس کو مانگنے کی عادت نہ ہو۔

۵- دیدار معشوق سے میرے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس سبب سے میرے منہ پر رونق آجاتی ہے۔ وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ میرا حال اب بہتر ہے حالانکہ مجھ میں کچھ باقی نہیں اور حالت خراب ہوتی جارہی ہے۔

۶- گویا معشوق کی تمنّا میں ایسا مستغرق ہے کہ دُنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہیں یہانتک کہ پنڈت نے جو سال کو اچھا بتایا ہے تو اس کے اچھا ہونے کے یہی معنی سمجھتا ہے کہ شاید اس سال معشوق عاشقوں پر مہربان ہو جائیں نہ یہ کہ اس سال قحط نہیں پڑیگا یا وبا نہیں آئے گی۔ لڑائیاں نہ ہونگی وغیرہ وغیرہ (از یادگار غالب)۔

۷- کمال خواہ کسی نوع کا ہو اچھا ہے۔ فرہاد میں کمال سنگ تراشی ہی تھا اُسی کے اثر نے فرہاد جیسے فرو ورپیشہ کو شیریں زوجہ خسرو بادشاہ سے ہمکلامی کا اعزاز بخشا۔

۸ - بہادر شاہ ظفر بادشاہ دھلی کے شاہزادے خضر سلطان کو دُعا دے رہے ہیں
۹ - قطرہ دریا میں مل کر یعنی جزو اپنی اصل میں مل کر کُل یعنی دریا ہو جاتا ہے پس وہ کام بہت اچھا ہے جس کا کہ نتیجہ اچھا ہے +
۱۰ - اے غالب ہمیں جنّت کی حقیقت معلوم ہے لیکن یہ خیال دل کے بہلانے کیلئے اچھا ہے "حقیقت معلوم ہے" سے دو معنی نکل سکتے ہیں - ایک تو یہ کہ جنّت کوئی چیز نہیں دوسرے یہ کہ ہماری بداعمالی کی وجہ سے ہمیں جنّت میں جگہ ملنا ناممکن ہے لیکن پھر یہ خیال کرنا کہ شائد ہمیں مل جائے محض دل کے بہلانے کے لئے ہے +

(۱۶۹)

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی نہ سہی ۱ امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
خار خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے ۲ شوق گلچینِ گلستانِ تسلّی نہ سہی
مے پرستاں خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے ۳ ایک دن گر نہ ہُوا بزم میں ساقی نہ سہی
نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا ۴ گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق ۵ نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنّا نہ صلہ کی پرواہ ۶ گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

۱ - اگر میرے مرنے سے بھی آپ کی تسلّی نہ ہوئی تو نہ سہی - میرے پاس تو اب صرف جان باقی تھی سو آپ پر نثار کر چکا - اگر اب بھی یعنی مرنے کے بعد بھی آپ میرا کوئی اور امتحان لے سکتے ہیں اور میرا تن مُردہ دے سکتا ہے تو آپ شوق سے امتحان لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں - یہ پچھلا امتحان یعنی میری جان لینے کا امتحان بھی نہ سہی - یعنی بیکار سہی +
۲ - اگر ہمارا شوق یعنی عشق گلستان تسلّی کا گلچیں نہیں ہوُا تو نہ سہی یعنی اگر وصال حاصل

نہ ہوا تو نہ سہی۔ اس کے لئے حسرتِ دیدار کے غم کے کانٹے ہی سہی۔ مطلب یہ کہ ہم عاشق مزاج ہیں۔ ہمیں تو عشق درکار ہے۔ وصال حاصل ہوا تو اچھا نہ ہوا نہ سہی۔ حسرتِ دیدار ہی سہی

۳۔ اے مے پرستو شراب کا مٹکا ہی منہ سے لگانا پڑے گا۔ اگر ایک دن بزم میں ساقی نہیں تو نہ سہی +

۴۔ اگر نفس قیس شمع سیہ خانہ لیلیٰ نہیں تو نہ سہی چشم وچراغ صحرا تو ہے۔ یعنی صحرا کے لئے تو باعثِ رونق ہے + سیہ خانہ لیلےٰ۔ چونکہ لیلےٰ کا خیمہ سیاہ تھا اور لیل کے معنی رات ہیں اس لئے لیلےٰ کے خیمے یا مکان کو سیہ خانہ کہا گیا ہے +

۵۔ گھر کی رونق کے لئے کسی ہنگامے کی ضرورت ہے۔ خواہ نغمۂ شادی ہو یا نوحۂ غم۔ یعنی اگر کسی کے گھر کوئی شادی ہوتی ہے تب بھی ہنگامہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی غم ہوتا ہے تب بھی۔ مطلب یہ کہ میرے گھر میں اگر نغمۂ شادی نہیں نہ سہی نوحۂ غم تو ہے +

۶۔ مرزا صاحب نے اس شعر میں اُن لوگوں کو جواب دیا ہے جو اُن کے کلام کو بے معنی بتاتے تھے۔ فرماتے ہیں شعر گوئی سے میرا مدعا تعریف اور انعام حاصل کرنا نہیں ہے اگر میرے اشعار معنی خیز نہیں نہ سہی +

۷۔ اے غالب معشوقوں کی صحبت کا یہ تھوڑی دیر کا عیش بھی غنیمت سمجھو۔ اگر عمرِ طبیعی حاصل نہ ہوئی تو نہ سہی +

(۱۷۰)

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے ۱ کہ اپنے سایہ سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے
قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت ۲ فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے
غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی ۳ وگرنہ ہم بھی اُٹھاتے تھے لذتِ الم آگے
خدا کے واسطے داد اس جنونِ عشق کی دینا ۴ کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اُٹھائی ہیں ہم نے تمہارے آئیو اے طرّہ ہائے خم بہ خم آگے

دل وجگر میں پرافشاں جو اک موجۂ خوں ہے ۶ ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم جنازہ پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جاں کی قسم آگے

۱- ہم عجب خوشی سے جلاد کے آگے آگے چلے جا رہے ہیں کہ ہمارا سر (سایہ میں) پاؤں سے بھی دو قدم آگے چل رہا ہے یعنی سر کو کٹنے کا اس قدر شوق ہے +

۲- قلم قضا نے مجھے خراب بادۂ الفت لکھنا چاہا تھا لیکن صرف 'خراب' لکھ سکا اور آگے نہ چل سکا- مراد یہ کہ بادۂ الفت کو نہ لکھ سکا- غالباً مست ہو گیا +

۳- شعر صاف ہے- ردیف 'آگے' کے معنی 'پہلے' ہے +

۴- جنونِ عشق کی وجہ سے ہم نامہ بر سے پہلے اُس کے در پر پہنچتے ہیں- خدا کے لئے اس جنونِ عشق کی داد دینا +

۵- اے طرہ ہائے خم بہ خم ہم نے جو تمہاری وجہ سے عمر بھر پریشانیاں اُٹھائی ہیں خدا کرے تمہارے آگے آویں- یعنی خدا کرے تم اس کی سزا بھگتو +

۶- جس کو ہم اپنے زعم میں پہلے سانس سمجھے ہوئے تھے وہ اب دل وجگر کا ایک موجۂ خوں نکلا +

۷- اے غالب جو پہلے یعنی میری زندگی میں مجھے ایسا عزیز سمجھتے تھے کہ میری جان کی قسم کھاتے تھے اب میرے جنازے پہ آنے کی قسم کھاتے ہیں یعنی جنازے پر نہیں آتے +

(۱۷۱)

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے ۱ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہئے تو گلا ہوتا ہے

پُر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجہ ۲ اِک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حُسنِ تلافی دیکھو ۳ شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں چرخ مکوکب کی وہ چال ۴ سُست رَو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم ۵ آپ اُٹھالاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ ۶ کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب ۷ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے
خامہ میرا کہ وہ ہے باربدِ بزمِ سخن ۸ شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
اے شہنشاہِ کواکب سپہ و مہرِ علم ۹ تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے ۱۰ تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
ہر مہینہ میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال ۱۱ آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے
میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزلخوانی میں ۱۲ یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

۱- میرا بے مہر معشوق شکوے کے نام سے خفا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ "شکوے کے نام سے خفا ہوتا ہے" کیونکہ یہ کہنے سے بھی وہ خفا ہوتا ہے +

۲- میں شکوہ سے ایسا پُر ہوں جیسے باجا راگ سے۔ مجھے ذرا چھیڑ کر دیکھو پھر جس طرح باجے سے راگ نکلتے ہیں اسی طرح میں شکایتوں کا دفتر کھول لوں گا + چھیڑنا مذاق کرنے کے معنی میں آتا ہے اور باجا چھیڑنا باجا بجانے کے معنی دیتا ہے +

۳- اگرچہ معشوق نشۂ شباب کی وجہ سے ہمارے شکوے کو پورے طور سے سمجھتا بھی نہیں مگر حسنِ تلافی ملاحظہ ہو کہ شکوۂ جور کرنے سے ہم پر اور زیادہ جفائیں کرتا ہے۔ حسنِ تلافی اس وجہ سے کہ ہم زیادہ جفائیں چاہتے ہیں +

۴- کوکب یعنی ستارے کی مثال آبلہ سے دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کا راستہ طے کرنے میں ستارے والے آسمان ایسی چال ہے جیسے کوئی آبلہ پا سُست رَو ہوتا ہے +

۵- اگر ہم اپنا بھلا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے بُرا ہوتا ہے گویا جو کچھ ہم چاہتے ہیں اُس کے خلاف ہوتا ہے اس لئے اگر ہم پہلے سے اپنے بدخواہ ہوتے تو بہتر ہوتا کیونکہ ہماری خواہش کے خلاف ہمارا بھلا ہو جاتا +

۶- ہم ظلم کے ناوک کا نشانہ کیوں نہ ٹھہریں کیونکہ ہم ظلم اُٹھانے کے ایسے شوقین ہیں کہ اگر ناوک فگن کا کوئی تیر خطا ہو جاتا ہے تو خود اُٹھا لاتے ہیں اور اس کو دیدیتے ہیں؟

۷- پہلے میرا نالہ عرش کے پار ہو جاتا تھا اور اب اگر نالہ بہت ہی رسا ہوتا ہے تو لب تک آجاتا ہے +

۸-(ق) میرا قلم جو بزم سخن کا باربد ہے۔ شاہ کی مدح میں اس طرح گیت گاتا ہے +
باربد - ایک گوئیے کا نام +

۹- اے وہ شہنشاہ جو ستاروں جتنی سپاہ رکھتا ہے اور جس کا علم سورج ہے تیری مہربانیوں کا شکریہ کس سے ادا ہو سکتا ہے +

۱۰- اگر ساتوں اقلیم کی آمدنی جمع کریں تو وہ تیرے لشکر کا نعل بہا کے برابر ہوتی ہے +

۱۱- ہر ایک ماہ جو بدر کم ہوتے ہوتے ہلال ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے آستاں پر اپنی پیشانی رگڑتا رہتا ہے +

۱۲- میں جو تیرے سامنے آئین غزلخوانی میں گستاخ ہوں۔ یہ تیرا ہی کرم میرے ذوق کو بڑھاتا ہے +

۱۳- اے غالب میں جو تلخ مضامین کے اشعار کہہ رہا ہوں اس کے لئے مجبور ہوں کیونکہ آج میرے دل میں زیادہ درد ہو رہا ہے ۔لہذا میں اس کی معافی چاہتا ہوں +

(۱۶۲)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۱ تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے
نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا ۲ کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے ۳ وگرنہ خوفِ بد آموزیٔ عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن ۴ ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا ۵ کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل ۶ جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز ۷ سوائے بادۂ گلفام و مشک بُو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار ۸ یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سُبو کیا ہے

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی ۹ تو کس امید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے

ہُوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
۱۰
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

۱- تم ہر ایک بات پر مجھے یہ کہتے ہو کہ تو کیا (چیز) ہے۔ تم ہی تبلاؤ کہ یہ گفتگو کا طریقہ کیا ہے یعنی بہت بیہودہ طریقہ ہے +

۲- شعر صاف ہے +

۳- مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ عدو تمہیں میرے خلاف بہکاتا ہے۔ میں تو صرف اس رشک میں مرا جاتا ہوں کہ اُسے تم سے باتیں کرنے کا موقع مل جاتا ہے +

۴- شبِ فرقت میں سینہ زنی کے باعث جو ہمارے سینے پر زخم ہو گئے ہیں اُن سے لہو نکلتا رہتا ہے اور خشک ہو کر ہمارے پیراہن کو ہمارے جسم سے چپکا دیتا ہے۔ اسلئے ہمارے گریبان کو اب حاجت اضافت رفو نہیں رہی +

۵- سوزِ عشق نے میرے جسم کو جلا کر خاک کر دیا۔ ساتھ ہی دل بھی خاک ہو گیا۔ اب آپ میری راکھ کیوں کریدتے ہو۔ تمہیں میرا دل نہ مل سکے گا۔ وہ بھی خاک ہو چکا +

۶- لہو جو رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے اُس کے ہم قائل نہیں وہ تو نکمّا ہے۔ لہو تو وہ قابلِ قدر ہے جو یاد یار میں آنسو بنکر آنکھ سے ٹپکے +

۷- ہمیں تو بہشت صرف اس لئے عزیز ہے کہ وہاں پر سُرخ اور مشکبو شراب ہے (حور ہمیں بھلی نہیں لگتی۔ ہمیں تو بہشت میں ہمارا یار ہی مل جائے) ⁂

۸- شیشہ و قدح وغیرہ سے میری تسلی نہیں ہو سکتی اس لئے میں تو اُس وقت شراب پینا شروع کروں گا جب دو چار خم میرے واسطے رکھ دئے جائیں ⁂

۹- اب تو میں ضعف کی وجہ سے گفتگو بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر بات کر بھی سکتا تو کس امید پر یار سے اپنی آرزو بیان کرتا۔ اُس ستمگر سے کوئی اُمید نہیں ہو سکتی ⁂

۱۰- شہر میں غالب کو کون پوچھتا ہے۔ اُس کی کوئی بھی عزت نہیں کرتا۔ اب چند دنوں سے بادشاہ کا مصاحب بن گیا ہے تو اتراتا ہُوا پھرتا ہے ⁂

(۱۷۳)

میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں ۱ چل نکلتے جو مے پئے ہوتے
قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو ۲ کاشکے تم مرے لئے ہوتے
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا ۳ دل بھی یا رب کئی دئے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

۱- تعجب ہے کہ میں نے انہیں چھیڑا اور اُنہوں نے کچھ بُرا نہ کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شراب پئے ہوئے نہ تھے۔ ورنہ ضرور خفا ہو جاتے ⁂

۲- خواہ تم غصہ و غضب کی وجہ سے قہر ہو یا بلا ہو۔ میں سب کچھ سہنے کے لئے تیار تھا۔ کاش کہ تم میرے لئے ہوتے۔ یعنی کاش کاتب تقدیر تمہیں میرے حصہ میں لکھ دیتا ⁂

۳- اگر میری قسمت میں اتنا زیادہ غم اُٹھانا تھا تو اے خدا مجھے دل بھی کئی دئے ہوتے کیونکہ ایک دل سے اتنے غم نہیں اُٹھائے جا سکتے (بیانِ غم میں رنگِ شوخی دبنا مرزا صاحب

کا حصّہ ہے +

۴۔ یار کی جفاؤں سے مرتے ہیں مگر عنانِ امید ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ فرماتے ہیں اے غالب اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو معشوق راہ پر آجاتا۔ یعنی تم سے گھُل مِل جاتا +

(۱۷۴)

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے	۱	ہم رہیں یُوں تشنہ لب پیغام کے
خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ	۲	ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو	۳	ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمزم پہ مَے اور صبحدم	۴	دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر	۵	یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کی ہے غُسلِ صحت کی خبر	۶	دیکھئے کب دن پھریں حمّام کے

عشق نے غالبؔ نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۔ افسوس کہ غیر تو اُس کے ساتھ بیٹھکر جام پیئں اور ہم یوں تشنہ پیغام رہیں۔ یعنی ہم کو نہ بلایا جائے +

۲۔ ہمیں اپنی تباہی کا تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ یہ سب چرخِ نیلی فام کا ظلم ہے + (یا نہ کہ مظالم آسمان کے سر تھوپنا چاہتے ہیں) +

۳۔ ہم تمہیں خط ضرور لکھیں گے خواہ ہمارا خط لکھنے سے کوئی مطلب برآری نہ ہو ہم تو تمہارے نام کے عاشق ہیں اور خط لکھنے میں تمہارا نام ضرور لکھا جائیگا۔ اسلئے ہم تمہیں خط ضرور لکھیں گے +

۴۔ ہم نے رات کو چاہ زمزم پر شراب پی اور صبح ہی جامۂ احرام کے دھبّے دھوئے یعنی احرام باندھنے کی حالت میں شراب پینے سے کپڑوں پر شراب کے دھبّے پڑ گئے

تھے اس لئے وہ صبح ہی دھو ڈالے۔ مطلب یہ کہ ہم ایسے رند ہیں کہ چاہ اضافت زمزم اور بحالت احرام میں بھی شراب پینے سے نہیں چوکتے +

۵- میرے دل کو میری آنکھوں نے مبتلائے عشق کیا کیونکہ نہ میری آنکھیں تمہارا جمال دیکھتیں نہ دل تمہارے عشق میں مبتلا ہوتا گیا میری آنکھیں بھی تمہارے حال کے حلقے ہیں +

۶- خبر ہے کہ بادشاہ غسل صحت لینے والے ہیں - دیکھئے کب حمام کی تقدیر جاگتی ہے یعنی خدا کرے بادشاہ بہت جلد غسل صحت کریں +

۷- اے غالب عشق نے ہمیں کسی کام کا نہ رکھا۔ ورنہ ہم بھی کام کے آدمی تھے +

(۱۷۵)

پھر اس انداز سے بہار آئی ۱ کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک ۲ اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر ۳ رُوکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی ۴ بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گُل کو دیکھنے کے لئے ۵ چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر ۶ بادہ نوشی ہے باد پیمائی
کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی غالبؔ
شاہِ دیندار نے شفا پائی

۱- پھر موسم بہار نے ایسی بہار دکھلائی کہ سُورج اور چاند بھی تماشائی بن گئے +

۲- اے زمین پر رہنے والو دیکھو دُنیا کی آرائشگی اسے کہتے ہیں +

۳- کہ زمین ایک سرے سے دوسرے تک چرخِ مینائی کی سطح کی شرمندہ کرنے والی بن گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زمین پر اس قدر سبزہ و گُل بچھے ہوئے ہیں کہ اس سے ستاروں بھرا آسمان بھی شرمندہ ہو رہا ہے +

۴- سبزہ جب تمام زمین کو گھیر چکا تو رُوئے آب پر بھی کائی بن کر چھا گیا +
۵- چشمِ نرگس کو کور مانتے ہیں۔ لیکن اب نرگس کو بھی بینائی عطا کر دی گئی تاکہ وہ سبزہ وگل کا تماشا دیکھے +
۶- یہ شعر بہار کی تعریف میں ہے - اس میں بادپیمائی کے لفظ نے دو معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ بادپیمائی عبث کام کرنے کو کہتے ہیں پس ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ فصلِ بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہے گویا اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو بادہ نوشی محض بادپیمائی یعنی فضول کام ہے اس صورت میں بادہ نوشی مبتدا ہوگا اور بادپیمائی کو مبتدا اور بادہ نوشی کو خبر قرار دیا جائے - اور جس طرح بادہ پیمائی کے معنی بادہ خواری کے ہیں اسی طرح بادپیمائی کے معنی بادہ خواری کے ہیں - اسی طرح بادپیمائی کے معنی ہوا کھانے کے لئے جائیں اس صورت میں یہ مطلب نکلے گا کہ آجکل ہوا کھانی بھی شراب پینی ہے (از یادگار غالب) +
۷- اے غالب دُنیا کو خوشی کیوں نہ میسر ہو کیونکہ دیندار بادشاہ نے شفا پائی +

(۱۷۶)

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے ۱ اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
۲
بھرے ہیں جس قدر جام وسبو میخانہ خالی ہے

۱- میں تغافل کو پسند کرتا ہوں اور میرا عاجزی کا دماغ بہت بلند ہے یعنی مجھ میں بہت عاجزی ہے اگر مجھ سے پہلو تہی کیجے تو میری جگہ آپ کے دل میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے بے پروائی اور پہلو تہی کرنی چاہیے کیونکہ مجھے یہی باتیں پسند ہیں اور میں عاجزی پسند ہوں
۲- یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گزرا ہو۔ مگر تمثیل نے اس کو بالکل ایک اچھوتا مضمون بنا دیا ہے اور شعر کو نہایت بلند کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ دُنیا میں اگر اہلِ ہمت کا وجود ہوتا جو

دُنیا کو محض ناچیز سمجھکر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دُنیا ویران ہو جاتی پس یہ جاننا چاہئیے کہ عالم اسی سبب سے آباد نظر آتا ہے کہ اہلِ ہمت مفقود ہیں۔ یعنی جس طرح میخانہ میں جام و سبو کا شراب سے بھرا رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ میخانے میں کوئی میخوار نہیں ہے۔ اسی طرح عالم کا آباد و معمور ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں اہلِ ہمت معدوم ہیں (از یادگار غالب) +

(۱۷۷)

۱ کب وہ سُنتا ہے کہانی میری ۱ اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلشِ غمزۂ خونریز نہ پوچھ ۲ دیکھ خونابہ فشانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئینگے یار ۳ مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں زخود رفتۂ بیدائے خیال ۴ بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا ۵ رُک گیا دیکھ روانی میری

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں ۶ سخت ارزاں ہے گرانی میری

گرد بادِ رہ بے تابی ہوں ۷ صرصرِ شوق ہے بانی میری

دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا ۸ کھل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب

۹

ننگِ پیری ہے جوانی میری

۱۔ وہ میری کہانی کب سُنتا ہے یعنی نہیں سُنتا۔ اور پھر میری زبانی تو سُنتا ہی نہیں۔ پس اس صورت میں میں اُسسے اپنی کہانی نہ سُنا سکوں گا +

۲۔ میری خونابہ فشانی یعنی میرا رونا دیکھ پھر تجھے غمزۂ خونریز کی خلش کا حال پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی +

۳۔ جب کوئی مر جاتا ہے تو اُس کے اعزّہ و اقربا اُس کے اوصاف بیان کر کے روتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں مجھ میں تو آشفتہ بیانی یعنی پریشاں بیانی کے سوا اور کوئی وصف

تھا ہی نہیں۔ بس اُسی کو یاد کر کے روئیں گے ۔ اس شعر سے مرزا صاحب کی منکسر مزاجی واضح ہوتی ہے +

۴۔ میں خیال کے صحرا کا از خود رفتہ ہوں ۔ اس لئے بُھول جانا میری نشانی یا خصوصیت ہے ۔ نشانی یہاں اُس چیز سے بھی مراد ہے جو ایک دوست بوقت رخصت دوسرے دوست کو دیا کرتا ہے کہ میری طرف سے نشانی بھول جانا ہے یعنی میں اپنے دوستوں کو بھول جانے کی نشانی دیتا ہوں +

۵۔ مرزا صاحب نے اس شعر کی شرح عود ہندی میں تحریر فرمائی ہے ۔ فرماتے ہیں تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت ۔ شادی و غم ۔ راحت و رنج و وجود و عدم لفظ متقابل اس مصرعہ میں بمعنی مرجع ہیں ۔ جیسے حریف بمعنی دوست بھی مستعمل ہے ۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خوی و عادت ضد ہمدگر ہیں ۔ وہ میری روانی دیکھ کر رُک گیا +

۶۔ گرانی کے معنی بھاری پن کے بھی ہیں اور بیش قیمت ہونے کے بھی ۔ کہتا ہے کہ میری قدر اس پتھر کی سی ہے جو راہ پر پڑا ہوا اور ہر شخص آتے جاتے اس پر پاؤں رکھ کر گزرے یعنی ہوں تو گرانقدر مگر اس پتھر کی طرح بیقدر ہوں پس میری گرانی کس قدر ارزاں ہے + (از یادگار غالب) +

۷۔ میں بیتابی کے راستے کا بگولا ہوں عشق کی آندھی میری بانی ہے + (بگولے آندھی ہی سے پیدا ہوتے ہیں +

۸۔ اُس کا دہن ظاہر نہیں ہوتا یعنی ہیچ ہے ۔ پس میری ہیچمدانی یعنی کچھ نہ جاننا ظاہر ہو گیا

۹۔ اے غالب ضعف نے مجھے عاجز کر دیا ۔ میری جوانی بھی ننگ پیری ہے ۔ یعنی میں جوانی میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ بوڑھے ضعیفی میں بھی نہیں ہوتے +

نقشِ نازِ بُتِ طنّاز بآغوشِ رقیب ۱ پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے
تو وہ بدخُو کہ تحیّر کو تماشہ جانے ۲ غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وہ تبِ عشق تمنّا ہے کہ پھر صورتِ شمع
۳
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

۱- رقیب کے آغوش میں اُس بُتِ طنّاز کی تصویر نازک کھینچنے کے لئے خامہ مانی نقاش کی بجائے پائے طاؤس چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ رقیب بدشکل ہے اور پائے طاؤس بھی بھدے اور بدنما ہوتے ہیں اس لئے آغوشِ رقیب میں اس بُت طنّاز کی تصویر کھینچنے کے لئے پائے طاؤس ہونا چاہیئے۔ پائے اور پے میں صنعت تجنیس ملاحظہ ہو۔

۲- تو ایسا بدخُو ہے کہ تحیّر یعنی میرے حیرت زدہ ہوکر چُپ چاپ بیٹھنے کو تماشہ جانتا ہے اور میرا مذاق اُڑاتا ہے اور اگر میں کچھ بولنا چاہتا ہوں تو میرے پاس بیان کرنے کیلئے افسانۂ غم کے سوا اور کوئی قصہ نہیں جس کے لئے آشفتہ بیانی لازمی شے ہے اور آشفتہ بیانی سے تو خفا ہوجاتا ہے۔ پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے آیا چُپ چاپ بیٹھا رہوں یا اپنا افسانۂ غم چھیڑ دوں

۳- میں ایسی تپِ عشق کی تمنّا رکھتا ہوں کہ جس کا شعلہ تا نبضِ جگر اثر کرنے والا ہو جس طرح کہ شمع میں اثر کرتا ہے۔ اس شعر میں شمع اور ریشہ۔ تپ اور شعلہ کی لفظی رعائتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱۷۹)

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ۱ ہر غنچہ کا گُل ہونا آغوش کشائی ہے
واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر ۲ یاں نالہ کو اور اُلٹا دعوائے رسائی ہے
از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے انداز ے ۳ جو داغ نظر آیا اِک چشم نمائی ہے

۱- باغ کی تیری صحبت بہت پسند آئی۔ اُس کے ہر غنچہ کا کِھلنا گویا تجھ سے بغلگیر ہونے

کی خواہش ہیں ہے ۔

۲۔ اُن کا استغنا ہر بلندی پر ہے یعنی وہ ہر لمحہ زیادہ بے پروا اور بے نیاز ہوتے جاتے ہیں ۔ اور ہمارے نالے کی ترقی معکوس ہے یعنی لب تک آ کر باہر جانے کی بجائے واپس دل میں چلا جاتا ہے ۔

۳۔ غمِ عشق تعلیم اضافتِ ضبط دیتا ہے کیونکہ غم کا ہر ایک داغ چشم نمائی کرتا ہے یعنی چونکہ داغ آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے داغ کو آنکھ تصوّر کر کے اُس کا ضبط سکے لئے چشم نمائی کرنا بیان کیا گیا ہے ۔ نظر اور چشم نمائی کی رعایت ملاحظہ ہو ۔

(۱۸۰)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی ۱ لکھ دیجو یارب اُسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصوّر ۲ دل میں نظر آتی تو ہے اِک بُوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشّاق کی بے حوصلگی سے ۳ یاں تو کوئی سُنتا نہیں فریاد کسُو کی

دشنہ نے کبھی مُنہ نہ لگایا ہو جگر کو ۴ خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اِک عمر سے غالبؔ
۵
حسرت میں رہے ایک بُتِ عربدہ جُو کی

۱۔ یا خدا جو زخم رفو ہو سکتا ہو اُس کو دشمن کی قسمت میں لکھ دیجو ۔ مطلب یہ کہ مجھے تو لاعلاج زخم کی ضرورت ہے ۔

۲۔ لفظ "تو" نے جو دوسرے مصرع میں ہے یہ معنی پیدا کر دئے ہیں کہ آنکھ سے لہو روتے روتے دل میں خون کا ایک قطرہ باقی نہیں ۔ اس لئے دوست کے سرِ انگشت حنائی کے تصوّر کو غنیمت سمجھتا ہے کہ اس کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند تو نظر آتی ہے ۔
(از یادگارِ غالب) ۔

۳۔ بے حوصلگی یعنی کم ظرفی ۔ یاں سے مراد دنیا ۔ معشوق سے کہتا ہے کہ تو اس بات سے

کیوں ڈرتا ہے کہ ہم عاشق لوگ تیرے ظلم و جور سے تنگ آکر حاکم سے یا خدا سے تیری فریاد کریں گے کس لئے کہ اگر ہم ایسا کریں بھی تو کوئی کسی کی فریاد ہی نہیں سُنتا (از یادگار غالب)

۴۔ تیرے دشنہ نے کبھی میرے جگر کو منہ نہ لگایا اور تیرے خنجر نے میرے گلے کی کبھی بات نہ پوچھی یعنی ہماری کوئی حسرت پوری نہ ہوئی ✦ منہ نہ لگانا اور بات نہ پوچھنا ایک ہی شعر میں دو محاوروں کو بخوبی استعمال کیا گیا ہے ✦

۵۔ اے غالب اُس ناکامِ محبت پر صد حیف جو عرصۂ دراز تک کسی بتِ عربدہ جو کی آرزو میں رہے ✦

(۱۸۱)

سیماب پُشت گرمیٔ آئینہ دے ہے ہم ۱ حیراں کئے ہوئے ہیں دلِ بیقرار کے

آغوشِ گُل کشودہ برائے وداع ہے

۲ اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

۱۔ پہلا مصرعہ مثال ہے اور دوسرا ممثل۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح پارہُ شیشہ کو آئینہ بنا دیتا ہے اور اس میں حیرانی پیدا کر دیتا ہے اسی طرح ہم بھی دلِ بیقرار کی وجہ سے حیران و متحیر ہو گئے ہیں ✦ پشت گرمی بمعنی مدد ✦ دلِ بیقرار کو سیماب سے اور اپنے آپ کو آئینہ سے تشبیہ دی گئی ہے ✦

۲۔ اے عندلیب رخصت ہو کیونکہ بہار کے دن جانیوالے ہیں اور پھول بھی تجھے رخصت کرنے کے لئے آغوش کُشادہ ہے یعنی تجھے بغلگیر ہونے کا منتظر ہے ✦

(۱۸۲)

ہے وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں ۱ معشوق شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیئے

اُس لب سے مِل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں

۲ شوقِ فضول و جراُتِ رندانہ چاہیئے

۱- اگر غمہائے ہجر کو صبر و ضبط سے برداشت کیا جائے تو وصل کے برابر مزہ دیتے ہیں اس لئے معشوق شوخ یعنی بیداد گر اور عاشق دیوانہ یعنی غم والم سے بے پرواہونا چاہئے مطلب یہ کہ عاشق کو غم برداشت کرنے کی ایسی عادت ہونا چاہئے کہ کوئی غم اُس کو غم ہی معلوم نہ دے جیسے کہ دیوانہ غم سے آزاد ہوتا ہے ؎

۲- ہاں کثرتِ شوق اور مستیٔ رندانہ کی جرأت حاصل کر۔ لازمی امر ہے کہ کبھی نہ کبھی تجھے لبِ معشوق کا بوسہ مِل ہی جائیگا ؎

(۱۸۳)

چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے ۱ یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے
صحبتِ رنداں سے واجب ہے عذر ۲ جائے مے اپنے کو کھینچا چاہئے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ۳ بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہئے
چاک مت کر جیب بے اَیّامِ گُل ۴ کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہئے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی ۵ منہ چھُپانا ہم سے چھوڑا چاہئے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو ۶ کِس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے
اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی ۷ یار ہی ہنگامہ آرا چاہئے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ۸ نا امیدی اُس کی دیکھا چاہئے
غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے ۹ چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

چاہتے ہیں خوبرُویوں کو اسدؔ
۱۰
آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

۱- محبت جتنی بھی کی جائے حسینوں سے کی جائے۔ اور اگر حسین لوگ تجھ سے محبت کریں تو پھر کیا چاہئے یعنی پھر دُنیا میں کسی اور چیز کی تمنّا نہ کر۔ پہلے مصرع میں دونو "چاہئے" کی معنیٰ "محبت کیجے" ہیں ؎

۲- رندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا ضروری ہے - اور جہاں پر شراب پی جاتی ہو یعنی میخانے سے اپنے آپ کو کھینچنا چاہئے یعنی علیحدہ رکھنا چاہئے - شراب کھینچنا شراب نکالنا یا حاصل کرنا کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے لفظ کھینچنا لطافت سے خالی نہیں مطلب یہ کہ اگر شراب پینی ہے تو اپنے مکان پر پی لے - میخانہ اور صحبتِ رنداں سے پرہیز کر +

۳- میرے دل نے تیری چاہت کو بھی کچھ ہنسی کھیل سمجھا تھا - میں نے بارہا سمجھایا لیکن ہرگز نہ مانا - اے معشوق تجھے چاہئے کہ تو اس کی خوب خبر لے - یہ تیرے ہی قابو میں آئے گا +

۴- پھول کے کھلنے کو چاکِ گریباں سے عموماً تشبیہ دیجاتی ہے - کہتا ہے کہ ہر ایک کام ہنجر کی ہدایت سے کرنا چاہئے پس جب تک پھول اپنا گریبان چاک نہ کرے تو بھی گریباں چاک مت کر اس میں لطف یہ ہے کہ مجنوں کو ہمیشہ بہار میں جوشِ جنوں زیادہ ہوتا ہے - (از یادگار غالب) +

۵- تمہاری بیگانگی یعنی تمہارا پردہ کرنا دوستی یعنی محبت کا پردہ ہے - گویا اظہارِ محبت کرتا ہے لہذا تمہیں چاہئے کہ ہم سے منہ چھپانا چھوڑ دو - کیونکہ تمہارے پردہ کرنے سے لوگ ہم دونو کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چونکہ تمہیں حقیقی طور پر مجھ سے محبت ہے اس لئے تم ظاہر طور پر پردہ کرتے ہو +

۶- میری دشمنی نے غیر کو کھویا یعنی غیر کو کسی کام کا نہ رکھا - یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ میرا کتنا زیادہ دشمن ہے یعنی حالانکہ میری دشمنی کی وجہ اُس کا بہت زیادہ نقصان ہو چکا ہے لیکن میری دشمنی نہیں چھوڑتا +

۷- سعی سے ہم اپنے آپ کو رسوا بھی نہیں کر سکتے - کیونکہ جب تک معشوق ناز و انداز دکھا کر ہمیں از خود رفتہ نہ بنا دیوے ہم کس طرح رسوا ہو سکتے ہیں - دوسرے معنی حقیقت میں یہ ہوتے ہیں کہ جب تک یار یعنی خدا کسی پر نظرِ مہر نہ کرے کوئی شخص کوشش سے

نیکنامی حاصل نہیں کر سکتا + (رسوائی سے مراد نیکنامی ہو گی)

۸- جس شخص کی امید مرنے پر ہو یعنی یہ امید کرتا ہو کہ شائد مرنے کے بعد مصائب برداشت کرنے کی جزا میں میرا معشوق مجھے مل جائے۔ اُس شخص کی نا اُمیدی کا کیا ٹھکانہ +

۹۔(ق) اے غافل شخص تجھے معلوم ہونا چاہئیے کہ ان چاند جیسی صورت والوں کے واسطے عاشق بھی خوبصورت ہونا چاہئیے +

۱۰- جناب اسدؔ بھی خوبصورتی کو چاہنے لگے۔ ذرا ان کی صورت تو ملاحظہ ہو۔ بھلا ایسے بدشکل کو کوئی خوبرُو کیوں مُنہ لگائے گا +

(۱۸۴)

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے ۱ میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا بتغافل خوشتر ۲ ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں ۳ صورتِ دُود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں ۴ کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں ۵ صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

بیخودی بستۂ تمہیدِ فراغت ہو جو ۶ پُر ہے سایہ کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے ۷ ہو نگہ مثلِ گُلِ شمع پریشاں مجھ سے

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے ۸ سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے ۹ آئنہ داریٔ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ
۱۰
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

۱- سفرِ بیابانِ عشق میں ہر قدم پر منزل مجھ سے دُور ہوتی جاتی ہے۔ یعنی جتنا میں چلتا ہوں اُتنا ہی منزل مجھ سے دُور ہوتی جاتی ہے۔ میں اتنی تیز رفتاری سے سفر طے کر رہا ہوں کہ

بیاباں مجھ سے ڈر کر آگے آگے بھاگا چلا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ بیابانِ عشق کا طے کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ تیز رفتاری کے سبب بیابان پیچھے کی طرف دوڑتا ہوا نظر آتا ہے لیکن سفرِ عشق میں بیاباں آگے کی طرف دوڑتا ہے +

۲۔ یار کے مصحفِ رخسار کا تماشا یعنی دیدار کرنا تغافل اور لاپرواہی کے ساتھ ہی اچھا ہے کیونکہ اگر یار کو پتہ لگ گیا تو وہ فوراً منہ پر نقاب ڈال لیویگا اس لئے میری نگہ رشتۂ شیرازہ مژگاں بنی ہوئی ہے یعنی میں نیچی نظریں کئے ہوئے دیدار جمالِ یار کا لطف اٹھا رہا ہوں

۳۔ شبِ تنہائی میں وحشتِ آتشِ دل کی وجہ سے میرا سایہ مجھ سے اس طرح گریزاں رہا جس طرح آگ سے دھواں دُور رہا کرتا ہے۔ قاعدہ ہے اندھیری رات میں انساں کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ آتشِ دل کی وجہ سے سایہ دُور بھاگ گیا۔ اس کو صنعتِ حسنِ تعلیل کہتے ہیں +

۴۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معشوق عاشقوں کے ماتم میں بناؤ سنگار چھوڑ کر سادگی اختیار کرلیں کیونکہ میرے معشوق نے میرے ماتم میں بناؤ سنگار کرنا اور آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے چنانچہ معشوق (میرے ماتم کی وجہ سے) ویران ہو گیا ہے +

۵۔ میرے آبلوں کے اثر سے صحرائے جنوں کی بٹیا رشتۂ گوہر کی مانند روشن ہو گئی ہے مطلب یہ کہ صحرانوردی میں میرے پیروں میں جو چھالے پڑے تھے وہ بعد میں چلتے چلتے پھوٹ گئے اور ان میں سے خون آلود پانی کے قطرے ٹپکنے کی وجہ سے صحرا کی بٹیا پر موتیوں کی لڑیاں سی نمودار ہو گئیں جو صحرا کی چراغاں معلوم ہونے لگیں +

۶۔ 'جو' یہاں یعنی 'اگر' ہے + 'ہے' یہاں 'ہو' ہونا چاہئے۔ مرزا صاحب نے 'ہو' لکھا ہوگا شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیخودی کی بستر تمہید فراغت ہو تو میرا شبستاں سایہ کی طرح مجھ سے پُر ہو جائے یعنی جس طرح تاریکی چپ چاپ میرے مکان پر چھائی رہتی ہے اسی طرح میں بھی چپ چاپ آرام سے پڑا رہوں اور نالہ و زاری نہ کروں اگر بیخودی کا بستر مجھے فراغت

اور آرام بخشتا ہے +

۷ - اگر شوقِ دیدار میں تُو میری گردن بھی کاٹ دے تب بھی میری آنکھیں شوقِ دیدار سے باز نہ آئیں گی بلکہ میری نگاہیں مجھ سے پریشان ہو کر تیری مرکوز ہو جائیں گی جس طرح گلِ شمع سے روشنی پریشان ہو جاتی ہے +

۸ - ہائے میری بیکسی اور میری شبِ ہجر کی وحشت ہئے ہئے - سایہ بھی مجھ سے خوفزدہ ہو کر خورشیدِ قیامت میں پنہاں ہو گیا - (شب کے وقت انسان کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا

۹ - ساغرِ صد جلوۂ رنگیں کی گردش تیری وجہ سے ہے اور دیدۂ حیران کی حیرانی میری وجہ سے ہے - مطلب یہ کہ جلوۂ حسن تیرے دم سے ہے اور حیرتِ عشق میری وجہ سے

۱۰ - اسے اسد میری نگاہ گرم سے آگ ٹپکتی ہے - اور گلستاں کا گھانس پھونس میری وجہ سے چراغاں ہو گیا - مطلب یہ کہ سوزِ عشق کی وجہ سے میری آنکھوں سے نظروں کی بجائے آگ نکلتی ہے اور اس آگ سے خس و خاشاک گلستان میں آگ لگ گئی اور خس و خاشاک گلستان کا چراغاں بن گیا + (مرزا صاحب جن الفاظ سے خاص الفت رکھتے ہیں انہیں بار بار دہراتے ہیں - 'چراغاں' بھی ان میں سے ایک لفظ ہے) +

(۱۸۵)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے ۱ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
میں بُلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل ۲ اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے ۳ کاش یُوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر ۴ کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا ۵ ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے ۶ پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے ۷ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اُٹھے ۸ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
۹ کہ لگائے نہ لگے اور بُجھائے نہ بنے

۱- بات بننا - کام بننا + بات بنانا - جھوٹ بولنا + معشوق نکتہ چیں ہے اور غم اُس کو سنانا ضروری ہے - لیکن وہاں بات کس طرح بن سکتی ہے جہاں بات بنانا لازمی شے ہو یعنی معشوق ہم پر بہت سے اعتراضات کریگا اور کام بننا نظر نہیں آتا +

۲- میں اُسے یعنی معشوق کو بلاتا تو ہوں مگر وہ آتا معلوم نہیں آتا کیونکہ پیشتر بھی وہ کبھی نہیں آیا - اس لئے اے جذبۂ دل تجھ سے مدد چاہتا ہوں تو اپنا کچھ اثر دکھا کہ اُس کو میرے پاس آئے بغیر چین نہ آئے +

۳- ابھی تو معشوق کمسن ہے اس لئے میرے اوپر ظلم کرنا اور مجھے ستانا کھیل سمجھتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ زمانہ شباب کو پہنچکر یہ کھیل بھول جائے اور کھیلنا چھوڑ دے اسلئے میری دعا یہ ہے کہ اُسے کبھی میرے ستائے بغیر چین ہی نہ آئے (قاعدہ ہے کہ زمانہ شباب کو پہنچکر انسان کھیلنا چھوڑ دیتا ہے اور کھیلوں کے کھیلنے کے طریقے بھی بھول جاتا ہے

۴- تُونے جو خط رقیب کے پاس بھیجا تھا وہ اپنی شیخی جتانے کے لئے تیرے خط کو اپنی مٹھی میں دبائے پھر رہا ہے تاکہ لوگ اُس سے پوچھیں کہ یہ مٹھی میں کیا دبائے پھرتے ہو تو وہ تیرا خط انہیں دکھا دیوے اور اس طور پر اپنے آپ کو تیرا سب سے عزیز چاہنے والا ظاہر کرے +

۵- وہ اگر اچھے ہیں تو کیا - اس نزاکت کا بُرا ہو کہ اُن کی نزاکت نے انہیں ہمارے کام کا نہ رکھا - اگر ہاتھ آئیں تو ہم اُنہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے - یعنی وصل حاصل نہیں کر سکتے +

۶- کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس کی جلوہ گری ہے یعنی یہ عالم کس کے نور کا پرتو ہے -

اُس نے ایسا پردہ ڈالا ہے کہ اُسے کوئی نہیں اُٹھا سکتا۔ مطلب یہ کہ جبتک دُنیا کا پردہ دل سے دُور نہ کیا جائے یعنی ترک دُنیا نہ کیا جائے خدا کا دیدار میسّر نہیں آسکتا +

۷۔ میں موت کی راہ کیوں دیکھوں کہ وہ تو ضرور آئے گی۔ اور یہ چاہوں کہ اگر تم نہ آؤ تو تمہیں بلا سکوں یہ ناممکن ہے۔ مطلب یہ کہ موت آنا تو یقینی ہے اور تمہارے آنے کی کوئی امید نہیں لہٰذا تمہارے آنے کی دُعا کرنا چاہیئے +

۸۔ مطلب یہ ہے کہ سخت مشکلات کا سامنا ہے جن کا حل کرنا ہمارے لئے بہت دشوار ہے +

۹۔ اے غالب عشق پر کچھ زور نہیں۔ یہ ایسی آگ ہے کہ نہ بجھائے سے بجھ سکتی ہے نہ لگائے سے لگ سکتی ہے یعنی اگر ہم اپنی آتشِ عشق کو بجھا دیں تو یہ بھی ناممکن ہے اور اگر یہ چاہیں کہ دوسرے یعنی معشوق کے دل میں آتشِ عشق لگا دیویں تو یہ بھی ناممکن ہے

۱۸۶

صبح کی مانند زخمِ دل گریبانی کرے	۱	چاک کی خواہش اگر وحشت بعُریانی کرے
دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے	۲	جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
آبگینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے	۳	ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
مُوئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے	۴	میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
۵
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

۱۔ اگر میری وحشت عریانی میں گریبان کو چاک کرنے کی خواہشمند ہو تو میرا زخمِ دل اُس کی خواہش پوری کرے۔ یعنی صبح کی طرح گریبان بنکر چاک ہو جائے۔ (شعرا صبح کو بوجہ سپیدی صبح چاک گریباں تصوّر کیا کرتے ہیں) +

۲۔ شعر صاف ہے + زیارت گاہ سے مراد جلوۂ معشوقِ حقیقی ہے +

۳۔ ہمارا دل ٹوٹنے سے بھی نا امید ہو گیا۔ یا خدا کب تک آبگینہ یعنی ہمارا دل کوہ پر یعنی معشوق سے عرض کرتا رہے کہ میری جان مجھ کو وبال ہو رہی ہے ۔

۴۔ اگر چشم مستِ ناز میکدہ کو پا شکست کر دیوے تو پیالے کے بال دیدۂ ساغر کے لئے پلکیں بن جائیں ۔ جب آنکھ کسی چیز کو حیرت سے دیکھتی ہے تو پلکیں اُس وقفہ تک بے حرکت رہتی ہیں اور پیالے کے بال جن کو مژگاں بتایا گیا ہے فطرتی طور پر بے حرکت ہوتے ہیں اس لئے شاعر اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ پیالہ کی آنکھ محبوب کی آنکھ کو حیرت سے دیکھ رہی ہے ۔ پیالہ کو بوجہ گولائی کے چشم سے تشبیہ دی گئی ہے

۵۔ میری اُلفت نے زلف کو بذریعہ خط عارض یہ عہد نامہ لکھ دیا ہے کہ خواہ زلف کتنا ہی پریشان کرے مجھے سب منظور ہے ۔ رخسار پر سیاہ بال پیدا ہونے سے جو خط پڑ جاتا ہے اُسے خط عارض کہتے ہیں مگر خطِ عارض سے اس جا تحریر عہد نامہ مراد لی گئی ہے ۔

(۱۸۷)

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے ۱ ولے مجھے تپشِ دِل مجالِ خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا ۲ تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو ۳ نہ دے جو بوسہ تو مُنہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ۴ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
۵
کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

۱۔ یہ تو ممکن نہیں کہ وہ میرے خواب میں آکر مجھے تسکینِ اضطراب دیوے۔ لیکن یہ تو جب ہی ممکن ہے جبکہ میں سو جاؤں۔ مجھے تو تپشِ دل سونے ہی نہیں دیتی ۔

۲۔ محبت میں تیرا رو دینا مجھے قتل کر دیتا ہے ۔ گویا تیرے آنسوؤں سے تیری تیغ نگہ پر آب آجاتی ہے اور وہ تیغ نگہ مجھے قتل کر دینے کے لئے بہت کافی ہے ۔ مطلب

یہ کہ اس طرح کوئی اور معشوق اپنی تیغ نگہ کو آب دیتا ہی نہیں +

۳۔ اے معشوق اگر تو بوسہ نہیں دیتا تو کم از کم انکار ہی کر دے تاکہ تیری جنبشِ لب یعنی تیرا انکار ہمارا کام تمام ہی کر دے۔ اور ہم نا اُمیدی کے صدمے سے مر جائیں +

۴۔ اے ساقی اگر تجھے ہم سے نفرت ہے اور پیالے کے نجس ہونے کے خیال سے ہمیں پیالہ نہیں دینا چاہتا تو ہمیں شراب اوک سے ہی پلا دے (جن لوگوں کو نجس سمجھا جاتا ہے انہیں پانی وغیرہ اوک سے پلایا جاتا ہے) +

۵۔ مقطع صاف ہے +

(۱۸۸)

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے ۱ مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العینِ دامن ہے ۲ دلِ بیدست و پا اُفتادہ برخوردارِ بستر ہے

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ۳ فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی ۴ شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

ابھی آتی ہے بُو بالش سے اسکی زلفِ مشکیں کی ۵ ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالبؔ
کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

۱۔ میری تڑپ اور بےچینی سے میرے بستر کا ہر ایک تار کشمکش میں ہو رہا ہے میرا سر تکیہ کے لئے تکلیف دہ اور میرا جسم بارِ بستر ہو رہا ہے +

۲۔ میرا آوارہ آنسو دامن کا نور العین ہے اور میرا عاجز دل بستر کا پیارا ہے۔ مطلب یہ کہ میں کثرت سے گریہ کر رہا ہوں اور میرا دل بہت نحیف و زار ہو گیا ہے +

۳۔ میری بیماری بڑی اقبال والی ہے کہ تم مزاج پُرسی کے لئے تشریف لائے تمہاری تشریف آوری سے شمع بالیں کی روشنی بستر کا طالع اضافت بیدار بن گئی ہے +

۴- شب فرقت کے جوشِ اضطراب کے طوفان گاہ میں یعنی میرے شبستانِ غم میں بستر کا ہر ایک تار صبح قیامت کے آفتاب کی شعاع بن گیا ہے۔ (تاریکی میں سپید چیز بھی روشن معلوم ہوتی ہے)۔

۵- معشوق کی زلف مشکیں کی خوشبو ابتک ہمارے تکیہ سے آرہی ہے۔ یعنی گذشتہ رات ہی ہم نے معشوق کا وصل کیا۔ زلیخا کی طرح محبوب کو محض خواب میں دیکھنا ہمارے بستر کے لئے عار ہے۔

۶- مقطع صاف ہے۔

(۱۸۹)

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جاوے ۱ غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب

۲ اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

۱- اے معشوق تجھے میری دوستی پر اتنا غرور ہو گیا ہے کہ مجھے یہ اندیشہ ہوتا جارہا ہے کہ رشتۂ الفت مبدل بہ دشمنی نہ ہو جائے۔ رگِ گردن حالت غرور و غضب میں پھول جایا کرتی ہے۔

۲- اے غالب اگر اس فصل گل میں پھولوں کا اس قدر انبار نہ لگ جائیں کہ تمامت سرو ان میں پوشیدہ ہو کر پھول سرو کا لباس نہ بن جائیں تو یہ سمجھو کہ قوتِ نامیہ کی کوتاہی ہے (بندش اچھی ہے مبالغہ بیحد ہے)۔

(۱۹۰)

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۱ نالہ پابندِ نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے ۲ گر باغ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے ۳ پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی ۴ ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے ۵ اُردی جو نہ ہو تو دَے نہیں ہے
کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد ۶ مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ
آخر تو کیا ہے اَے "نہیں ہے"

۱- فریاد میں کوئی لے یعنی راگ راگنی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نالہ بھی بانسری کا محتاج نہیں مطلب یہ کہ فریاد و نالہ بناوٹ سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اس میں اثر کا ہونا ضروری ہے

۲- (تونبوں سے بھیک مانگنے کے کشکول اور ظروف شراب بنائے جاتے ہیں)۔ مطلب یہ ہے کہ باغ میں تونبوں کا پیدا ہونا اس بات کی دلالت ہے کہ باغ بھی گدائے مے ہے۔ مدعا یہ ہے کہ شراب کے بغیر باغ کے پھولوں میں مستی نہیں آسکتی +

۳- اگرچہ ہر ایک شے میں تیرا جلوہ موجود ہے۔ لیکن تیری مانند تو کوئی چیز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدا جسمانیت نہیں رکھتا اس لئے کوئی چیز اُس کی مانند نہیں ہو سکتی

۴- خبردار ہستی کے ہونے کا دھوکہ نہ کھانا۔ خواہ لوگ کتنا ہی کہیں کہ ہستی کوئی شے ہے مگر درحقیقت نہیں ہے +

۵- مطلب یہ ہے کہ خوشی منانا چھوڑ دے تاکہ تجھے غم کا احساس بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر بہار نہ ہوگی تو خزاں بھی نہ آئے گی۔ اُردی بہشت بہار کے مہینہ کا نام ہے اور دَے خزاں کا مہینہ ہے + (بڑا فلسفیانہ شعر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنے مختصر شعر میں اتنی وسیع مضمون کی ادائیگی مرزا صاحب کا ہی کام ہے۔ فطرتی بات ہے کہ شادی کا احساس نہ ہوگا اور غم ہی غم ہوگا تو غم کا بھی احساس نہ رہے گا) +

۶- مگس کی قے یعنی شہد۔ زاہد جو شہد پینے کو موجب ثواب جانتا ہے اور شراب سے نفرت کرتا ہے اس کو شراب کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جتاتا ہے نفرت کی چیز شراب نہیں ہے بلکہ وہ چیز ہے جو مگس کی قے کرنے سے حاصل ہوتی ہے (از یادگار غالب) +

۷- اے غالب تو ہر ایک چیز کو کہہ دیتا ہے کہ نہیں ہے نہ ہستی ہے نہ عدم ہے۔ آخر تو کیا چیز ہے "نہیں ہے" ۔ تیرا نام رکھ دیا جائے تو بجا ہے ۔ چونکہ اس غزل میں "نہیں ہے" ردیف ہے اور اس کی تکرار ہوئی ہے اس وجہ سے فرماتے ہیں کہ تیرا نام "نہیں ہے" ہے ۔

(۱۹۱)

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا ۱ کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے ۲

۱- دل کے زخم کا نسخہ مرہم نہ پوچھ۔ اس نسخے میں ہیرے کی کنی بڑا جزو ہے۔ مطلب یہ کہ دل کے زخم کا علاج یہی ہے کہ زخم بڑھتا جائے (ہیرے کی کنی کا استعمال زخم کو بڑھاتا ہے)

۲- پہلے عرصہ تک تو تو نے ہم سے تغافل ہی رکھا۔ اب بہت دنوں بعد صرف اتنا ہوا ہے کہ تو صرف ایک نگاہ ہمیں دیکھنے لگا ہے جو اتنی خفیف ہے کہ اس کو نگاہ کہا بھی نہیں جاسکتا۔ یعنی محض ایک سرسری نگاہ ڈالتا ہے ۔

(۱۹۲)

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے ۱ مرتے ہیں و لے اُن کی تمنا نہیں کرتے

در پردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی ۲ ظاہر کا یہ پردا ہے کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیٔ اربابِ ہوس ہے
غالبؔ کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے ۳

۱- ہم اپنے سے بھی ایسا رشک کرتے ہیں کہ ناقابل برداشت ہے۔ مرتے ہیں یعنی قریب المرگ ہو گئے ہیں مگر اُن کے دیدار کی تمنا نہیں کرتے کیونکہ ہمیں خود اپنے اوپر رشک آتا ہے کہ ہم اور اُس کا دیدار دیکھیں ۔

۲- یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ غیر سے اُنہیں دلی محبت ہے۔ وہ جو غیر سے پردہ نہیں کرتے

یہ دلی محبت کے چھپانے کے لئے ایک پردہ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ غیر سے پردہ کرتے اور پھر گاہ بگاہ غیر سے ملتے بھی رہتے تو موجبِ رسوائی تھا۔ اس لئے انہوں نے غیر سے پردہ اُٹھا دیا تاکہ وہ بلا تکلیف غیر سے ملتے رہیں اور لوگوں کو کچھ شُبہ نہ ہونے پائے ۔

۳۔ تم غالب کو بُرا کہتے ہو یہ اچھا نہیں کرتے ۔ کیونکہ رقیب لوگ جو کہ بوالہوس ہیں نا اُمید ہو جائیں گے اور تمہیں بے وفا سمجھیں گے ۔ کیونکہ جب تم اپنے سچے وفادار غالب ہی کو بُرا کہتے ہو تو وہ تم سے کیا اُمید رکھ سکتے ہیں ۔

(۱۹۳)

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ ۱ خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے ۲ کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
بجا ہے گر نہ سُنے نالہ ہائے بُلبلِ زار ۳ کہ گوشِ گُل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے
اسدؔ ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا
۴ مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

۱۔ شراب تیرے لب سے (سُرخ) رنگ حاصل کرتی ہے ۔ اور خطِ پیالہ نگاہِ گلچیں بنکر تیرے گلزارِ لب سے بادہ کے واسطے رنگِ گل حاصل کر رہا ہے پس پیالہ گلچیں اور خط پیالہ نگاہ گلچیں قرار پائی ۔

۲۔ میرا دلِ مجنوں ایک مدت دراز سے تکیہ کا آرزو مند ہے یعنی کثرت سودا سے ہی عرصہ دراز سے آرام نہ کر سکا ۔ کبھی تو اس کا بھی انصاف ہونا چاہئے ۔ مطلب یہ کہ آپ پہلو میں آئیں تو میرا سرِ شوریدہ آرام پائے ۔

۳۔ گوشِ گل میں جو شبنم کے قطرے کی روئی بھری ہوئی ہے یہ بجا اور درست ہے ۔ اسلئے ہے تاکہ گُل بلبل زار کے نالے نہ سُن سکے ۔ نم شبنم کو سپیدی کی وجہ سے پنبہ سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

۴- اے بیوفا معشوق اسد نزع کی حالت میں ہے اب تو چل اور اُس سے وداع ہو لے اب تو وقت ایسا ہے کہ تجھے حجاب اور تمکیں کو رخصت کر دینا چاہئے +

(۱۹۴)

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو ۱ یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے
مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی ۲ وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے
عارضِ گُل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے ۳

۱- چشمِ محبوباں تغافل سے پُر کیوں نہ ہو۔ ضرور ہوتی ہے۔ چونکہ یہ بیمار ہے اس لئے اسے (چشمِ محبوب) نظّارہ سے پرہیز ہے (چشمِ معشوق کو بیمار سے تشبیہ دیا کرتے ہیں) +

۲- مرتے وقت بھی دیدارِ یار کی آرزو رہجائیگی۔ کیونکہ اُس کا خنجر تیز ہے اور جلد ہی میری گردن جُدا ہو جائے گی کاش اُس کا خنجر تیز ہوتا تو اُس کا دیدار سیر ہو کر کرتا (اور لذّتِ درد بھی زیادہ وقفہ تک اُٹھاتا) +

۳- مقطع صاف ہے +

(۱۹۵)

دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہئے ۱ ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہئے
یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے ۲ قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہئے
رہے ہے یُوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب ۳ اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہئے
زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب ۴ کہ بن کہے ہی اُنہیں سب خبر ہے کیا کہئے
سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال ۵ کہ یہ کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہئے
تمہیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال ۶ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہئے
اُنہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیئے ۷ ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہئے

حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہئے

کہا ہے کس نے کہ غالبؔ بُرا نہیں لیکن

سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہئے ۹

۱- اگر نامہ بر نے محبوب کو دل دیدیا ہے تو آخر بشر ہے۔ کیا کہا جائے کیونکہ اُس کا حُسن ہی ایسا دلکش ہے کہ کوئی آدمی اُس سے اپنا دل صحیح سلامت لیجا ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ ہمارا رقیب بھی ہو گیا تو کیا کہیں ہمارا نامہ بر ہے ہم اُسے کیا کہہ سکتے ہیں +

۲- ہمیں قضا آئے گی ضرور مگر اُسے یہ ضد ہو گئی ہے کہ آج نہ آئے جبکہ ہم شبِ فرقت میں جاں سے عاجز آ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں قضا سے بہت زیادہ شکوہ ہے +

۳- دشمن وقت بے وقت کوئے دوست میں ہی پڑا رہتا ہے۔ اس لئے اب اگر کوئے دوست کو دشمن کا گھر نہ کہیں تو اور کیا کہیں +

۴- اُن کا ہر ایک کرشمہ ہمیں یوں فریب دیتا ہے یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں بغیر کہے ہی ہمارا سب حال معلوم ہے اُن سے کہنے کی کیا ضرورت ہے +

۵- وہ مجھ سے خلوت میں تو کبھی میرا حال پوچھتے نہیں۔ ارادتاً بازار میں پرسشِ حال کرتے کرتے ہیں تاکہ میں یہ کہہ دوں کہ بازار میں اپنا حال کیا بیان کروں۔ مطلب یہ کہ میں بازار میں اپنا حال بیان نہ کر سکونگا +

۶- معشوق سے خطاب ہے کہ تمہیں سر رشتۂ وفا کا خیال بھی نہیں۔ اچھا بتاؤ ہمارے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ عاشق کا مقصد یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ میں سر رشتۂ وفا ہے اور کہتا یہ ہے کہ سر رشتۂ وفا کا خیال نہیں گویا اُس نے پہلے ہی بتلا دیا لیکن معشوق کو اس قدر بیگانہ وفا سمجھتا ہے کہ بتانے پر بھی وہ نہ بتا سکیگا کہ عاشق کے ہاتھ میں کیا ہے (بھلا اور کس شاعر کو یہ خوبیِ طرزِ ادا میسّر ہے)

۷- انہیں میرے سوال سے میرے مجنوں ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ اور ہمیں اُن سے کسی

جواب کی اُمید نہیں کیا کہا جائے ٭

۸۔ کمالِ سخن کو حسد کی سزا دی جاتی ہے کیا کیا جائے۔ اور متاعِ ہنر کا بدلہ ستم ہے کیا کہا جائے۔ مطلب یہ کہ کاملانِ اضافتِ سخن سے حسد کرتے ہیں۔ اور اہلِ ہُنر لوگوں پر ستم ٹوٹے جاتے ہیں ٭

۹۔ کسی نے کہا کہ غالب بُرا نہیں ہے اور اس میں سوائے آشفتہ سری کے اور کوئی عیب بھی نہیں ٭ کسی سے مراد ملہم اضافت غیبی ہے ٭

(۱۹۶)

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے ۱ کر گئی وابستۂ تن میری عُریانی مجھے

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں ۲ مرحبا میں کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے

کیوں نہ ہو بے التفاتی اُس کی خاطر جمع ہے ۳ جانتا ہے محوِ پُرسشہائے پنہانی مجھے

میرے غمخانہ کی قسمت جب رقم ہونے لگی ۴ لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے ۵ اس قدر ذوقِ نوائے مرغ بُستانی مجھے

وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا ۶ لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے ۷ تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ وا ۸ پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی

۹ میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

۱۔ مجھے در پردہ ترکِ تعلق میں مصروف دیکھ کر میری عُریانی مجھے گرفتارِ جسم کر گئی۔ مطلب یہ کہ عُریانی سے بھی ترکِ دُنیا نہیں ہو سکتا پھر بھی انسان پابندِ جسم رہتا ہے۔ دُنیا میں رہتے ہوئے ترکِ دُنیا دشوار ہے ٭

۲۔ میری سخت جانی میرے لئے کیسی مبارک ہو گئی ہے کہ میں تیغِ اضافت نگاہِ یار کا سنگِ فساں

بن گیا ہے ۔ سنگ فساں ۔ وہ پتھر جس پر تلوار، چھری چاقو وغیرہ تیز کئے جاتے ہیں مطلب یہ کہ مجھے پے در پے تیغ نگاہ یار سے زخمی ہونے کا فخر حاصل ہو گیا ہے ۔

۳۔ محبوب مجھ سے بے التفاتی کیوں نہ کرے اس کو اطمینان کلی حاصل ہے کہ میں اُس کے دام عشق سے نہیں نکل سکتا اور مجھے یہ سمجھتا ہے کہ میں اُس کی خیالی تصویر سے بات چیت کرنے میں مصروف رہتا ہوں ۔ اس صورت میں مجھ پر التفات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا

۴۔ جب میرے غمخانے یعنی میرے گھر کی قسمت لکھی جانے لگی تو اُس کی ویرانی کے اسباب میں سے مجھے بھی ایک سبب قرار دیا ۔ مطلب یہ کہ اگرچہ مکان کی ویرانی کے اسباب اور بھی رقم کئے لیکن ایک سبب مجھے بھی قرار دیا ۔ کیونکہ میرے آب گریہ سے بہت سے حصے ویران ہو گئے ۔

۵۔ کاش مجھکو نوا ہائے مرغان باغ سُننے کا اس قدر شوق نہ ہوتا ۔ کیونکہ وہ کافر معشوق میرے اس شوق سے بھی بدگمان ہوتا ہے ۔ مطلب یہ کہ معشوق عاشق سے بھی زیادہ بدگمان ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ عاشق سوائے میری ذات کے اور کسی شے کو نہ چاہے ۔

۶۔ شعر صاف ہے ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں مجھے تو یہ خیال تھا کہ قبر میں ہمیشہ آرام سے لیٹا رہوں گا اور تکالیف دُنیا کی تلافی ہو جائے گی ۔ یہ کیا خبر تھی قیامت بھی آ دھمکے گی اور اپنے شور سے آرام سے سونے والوں مُردوں کو بھی جگا کر بےچین کر دے گی ۔

۷۔ آپ نے میرے گھر آنے کا وعدہ فرمایا تھا تو اُس کو پُورا کیجیے ۔ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ مجھے میرے گھر کی دربانی سونپ دی ۔ یعنی ہر وقت میری آنکھیں دروازے کی طرف نگراں رہتی ہیں ۔

۸۔ شعر صاف ہے ۔

۹۔ مرزا صاحب اپنے بھائی کی صحت یابی پر سپاس حق ادا فرماتے ہیں ۔ اپنے بھائی کو یوسف ثانی بنلایا ہے ۔ بھائی کے عزیز ہونے کے لحاظ سے تو مثال بالکل موزون ہے لیکن

حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا۔

(۱۹۷)

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے ۱ سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے
ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن ۲ تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے
یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہئے ۳ رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
طبع ہے مشتاقِ لذت ہائے حسرت کیا کروں ۴ آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے
دل لگا کر آپ بھی غالبؔ مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے ۵

۱- مجھے شادی میں بھی خدا یاد رہتا ہے۔ خندۂ زیرِ لب یعنی میری مسکراہٹ بھی سبحۂ زاہد بنی ہوئی ہے۔ چونکہ تسبیح کے دانوں سے ہنسی میں دانت ظاہر ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے اسلئے خندۂ زیرِ لب کو سبحۂ زاہد سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ یارب کے معنی غم بھی آتے ہیں اس لئے پہلے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میرے لئے شادی میں بھی غم ہے۔

۲- قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس کی پھرکیوں پر حروف کندہ ہوتے ہیں۔ جب تک اُن پھرکیوں کو گھما کر ایک خاص لفظ مقررہ نہ بنایا جائے جس سے وہ قفل کھلتا ہے۔ وہ قفل نہیں کھل سکتا۔ مطلب شعر یہ ہے کہ میری گرفتہ خاطر اُس وقت تک کشادہ نہیں ہوتی جب تک کہ میں شعر و سخن میں مشغول نہیں ہوتا۔ گویا میری گرفتہ خاطر بھی قفلِ ابجد ہے اور اُس کی پھرکیاں شعر و سخن۔

۳- لفظ 'اب' یہ ظاہر کرتا ہے کہ پہلے قیدیوں کی زندگی بسر کر چکے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب میں قید خانہ میں تھا جب تو آوارگی کی شوق چراتا تھا اور اب جبکہ آوارہ پھر رہا ہے اب زندانیوں کی زندگی پر رشک کرتا ہوں۔

۴- آرزو سے میرا مطلب شکستِ آرزو ہے۔ کیونکہ میری طبیعت حسرت کی لذتوں کی مشتاق

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب میری آرزو پوری نہ ہوگی۔ تب ہی لذت حسرت اٹھا سکتا ہوں +

۵- مقطع صاف ہے +

(۱۹۸)

۱ حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

۲ قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

۳ کریں گے کوہکن کے حوصلہ کا امتحاں آخر
ہنوز اُس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

۴ نسیم مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اُسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

۵ وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

۶ رہے گر دل میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بُتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

۷ نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

۸ پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زلفِ پُرشکن کی آزمائش ہے

۹ رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالبؔ
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

۱- بادشاہ کے دربار میں اہل سخن کی آزمائش ہے۔ گویا خوش نوایان چمن کی چمن میں آزمائش ہے مطلب یہ کہ بادشاہ چونکہ سخن اور اہل سخن کا قدردان ہے اس لئے اہل سخن کا بادشاہ کے روبرو اشعار پڑھنا نہایت موزون ہے جس طرح کہ خوش نوایان چمن کا چمن میں خوشنوائی کرنا

۲- قیس و کوہکن یعنی عاشق مزاج شاعروں کی آزمائش قد و گیسو کی تعریف کرنے میں ہے کہ کون بہتر تعریف کرتا ہے۔ گویا جہاں ہم ہیں یعنی دربار شاہ میں دار و رسن کی آزمائش ہے۔ دار سے مراد قد اور رسن سے مراد زلف ہے +

۳- کوہکن کے حوصلے کا امتحان تو بعد میں ہوگا۔ ابھی تو اُس کی طاقت کی آزمائش ہے۔ یعنی

پہلے فرہاد سے پہاڑ کٹوا کر اس کی جسمانی طاقت کا امتحان لیا گیا تھا بعد میں شیریں کے مرنے کی خبر سُنا کر اُس کے حوصلے کا امتحان لیا گیا تھا جس میں وہ ناکامیاب رہا ۔

۴۔ نسیم مصر حضرت یعقوبؑ کو خوش کرنا نہیں چاہتی تھی اُسے تو حضرت یوسفؑ کے لباس کی خوشبو کی آزمائش منظور تھی۔ کہ حضرت یعقوب پر اُس سے کیا اثر ہوتا ہے ۔

۵۔ دیکھو ہوشیار ہو جاؤ وہ یعنی معشوق اہل انجمن کے صبر و شکیب کی آزمائش کے لئے آتا ہے ۔ اور وہ ضرور سب کا صبر و شکیب لوٹ کرلے جائیگا۔ ہم نے اس لئے خبردار کر دیا ہے کہ آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم غفلت میں دولت صبر و شکیب سے محروم ہو گئے ۔ (جدّتِ طرز ادا نے شعر کو نہایت مؤثر اور پُرلطف بنا دیا ہے) ۔

۶۔ تیر خواہ ہمارے دل میں رہ جائے خواہ جگر کے بھی پار ہو جائے۔ ہر صورت میں اچھا اور بہتر ہے ہمیں تو صرف ناوک فگن کے نشانہ کی آزمائش کرنا ہے کہ وہ کیسا نشانہ باز ہے مطلب یہ کہ ہم لذّت آشنائے زخم ناوکِ یار ہو جائیں ۔

۷۔ ہم سبحہ و زنّار کے پھندوں کی مضبوطی پر بحث نہیں کرتے کہ کس کا پھندہ زیادہ مضبوط ہے ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ شیخ سبحہ سے زیادہ وفاداری کرتا ہے یا برہمن زنّار کے ساتھ ۔ سبحہ و زنّار کو گولائی کی وجہ سے پھندے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیخ و برہمن دونو سبحہ و زنّار کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں دیکھئے کون زیادہ عرصے تک پھنسا رہتا ہے ۔

۸۔ اے زلف یار میں اُلجھے ہوئے دل پڑا رہ بیتابی سے کیا حاصل ہوگا ۔ کیا پھر زلف پُرشکن کے پیچ کی آزمائش کرنا چاہتا ہے ۔ ایک بار تو اُلجھ کر تیرا نکلنا مشکل ہو گیا اور قید میں پڑا ہے اگر اب اُلجھے گا تو بہت بُری طرح کسا جائیگا ۔

۹۔ غم عشق کی تلخی ابھی تو کام و دہن تک ہی محدود ہے۔ جب اس کا زہر رگ و پے میں پھیلے گا تب حقیقت معلوم ہو گی۔ مطلب کہ ابھی تو ابتدائے عشق ہے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

۱۰- اے غالب دیکھنا وہ مرے گھر ضرور آئیں گے انہوں نے صرف وعدہ ہی نہیں کیا بلکہ میرے دل کو یقین ہے وہ آئیں گے بھی ضرور۔ اور اب نئے فتنوں میں یعنی اُن کے آنے کے بعد ہم چرخ کہن کی آزمائش کریں گے۔ یعنی دیکھیں گے کہ اب چرخِ کہن ہمارے ساتھ کیا کرتا ہے۔

(۱۹۹)

کبھی نیکی بھی اُسکے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے ۱ جفائیں کرکے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے
خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے ۲ کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے
وہ بدخُو اور میری داستانِ عشق طولانی ۳ عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے ۴ نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے
سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے ۵ کہ دامانِ خیالِ یار چھُوٹا جائے ہے مجھ سے
تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن ۶ وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی ۷ نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالبؔ
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۱- اس خیال سے کہ تمام عمر اس پر ظلم کئے ہیں اب تھوڑی سی نیکی کرنے سے اس کی کیا تلافی ہو سکتی ہے۔ نیکی نہیں کر سکتا (از یادگار غالب)۔

۲- خدا کیا میرے جذبۂ دل میں اُلٹا اثر پیدا کر دیا ہے۔ کہ جس قدر میں اس کو کھینچتا ہوں یعنی ضبط میں رکھنا چاہتا ہوں اُسی قدر مجھ سے ناراض ہوتا جاتا ہے۔

۳- میرا معشوق تو بدخُو ہے اور میری داستانِ عشق طولانی۔ مختصر یہ کہ داستانِ عشق کے بہت طولانی ہونے کے باعث قاصد بھی سُنتے سُنتے گھبرا جاتا ہے۔ ("داستانِ عشق طولانی" اور "عبارت مختصر" کی لفظی رعایت ملاحظہ ہو)۔

۴- معشوق میری عیادت کے واسطے تو آیا مگر اُس کو یہ بدگمانی ہے کہ میں مریض ہی نہیں گویا اُس کو بلانے کی غرض سے میں نے اپنی بیماری کا بہانہ تراشا تھا۔ اس لئے میری مزاج پرسی کرتا ہی نہیں۔ اور چُپ چاپ بیٹھا ہُوا ہے۔ ادھر میری ناتوانی کی یہ حالت ہے کہ میں گفتگو کرنے کے قابل ہی نہیں (حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب فصاحت اور بلاغت دونو کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دینے میں کمال رکھتے ہیں ان کے پاکیزہ الفاظ گویا مضامین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں)۔

۵- مرزا صاحب کے اکثر اشعار معنوی لحاظ سے بھی فطرتی ہوتے ہیں۔ یہ شعر بھی ہر لحاظ سے فطرتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان کو کسی کام میں بالکل مایوسی ہو جاتی ہے تو اس خیال کو ترک کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں طرزِ ادا کی شوخی بھی قیامت ہے۔

۶- صاف بات یہ ہے کہ اگرچہ میں بھی اُس کے جمال کا نظارہ کرنے والوں میں ہوں لیکن مجھ سے یہ ظلم برداشت نہیں ہو سکتا کہ وہ دیکھا جائے یعنی لوگ اُس کے جمال کا نظارہ کریں۔

۷- اس شعر میں وجدانی کیفیات کی تمثیل محسوسات کے ساتھ دی گئی ہے۔ مطلب ہے کہ وہ قویٰ جن سے عشق کے ترک کرنے یا اس کے شدائد پر تحمل کرنے کی قدرت تھی ابتدائے عشق میں انہیں کو صدمہ پہنچا بس اب نہ عشق ترک ہو سکتا ہے نہ اس پر صبر و تحمل کیا جا سکتا ہے۔ (از یادگار غالب)۔

۸- اے غالب غضب ہے کہ کافر یعنی وہ معشوق جس کو میں اُس کے سفر پر روانہ ہونے کے وقت رشک کی وجہ سے "خدا حافظ" یا "تمہیں خدا کو سونپا" کہنا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ رقیب کا ہمسفر ہو (اس شعر میں مرزا صاحب کے احساسِ رشک نے بھی قیامت برپا کی ہے۔ یعنی خدا سے بھی رشک کرتے ہیں)۔

(۲۰۰)

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے ۱ کشاد و بستِ مژہ سیلیٔ ندامت ہے

نہ جانوں کیونکر مٹے داغِ طعنِ بدعہدی ۲ تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

یہ پیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ ۳ نگاہِ عجز سرِ رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعوئے عشق بے بُنیاد
۴
جنونِ ساختہ و فصلِ گُل قیامت ہے

۱- دنیا و مافیہا کا تماشا دیکھنا جنون کی علامت ہے۔ اور تماشا دیکھنے میں پلکوں کا کھلنا اور بند ہونا ہمارے لئے گویا ندامت کے طمانچے ہیں ؎

جگہ دل لگانے کی دُنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

۲- تیرے طعنِ بدعہدی کے داغوں کے مٹنے کی کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ تیرا آئینہ دیکھنا بھی تیرے بدعہدی کے داغ نہیں مٹا سکتا۔ کیونکہ تو آئینہ بھی اس لئے دیکھتا ہے کہ بناؤ سنگار کر کے اپنے آپ کو میرے اغیار کو دکھلائے اور اُن سے دادِ حُسن حاصل کرے۔ تیرے لئے تو آئینہ بھی ملامت کا بھنور ہے۔ آئینہ کی تشبیہ ورطہ سے کیا خوب ہے۔ (مرزا صاحب کے تخیل کی رسائی بھی آئینہ بنکر حیران کئے دیتی ہے) ٭ لفظ کیونکہ بمعنی کیونکر اب مستعمل نہیں۔

۳- ہوس کے چکر میں عافیت کی لڑی کو نہ توڑ۔ عاجزی کی نگاہ سلامتی کا سرِ رشتہ ہے۔ عاجزی کی نگاہ سے مراد قناعت ہے۔ مطلب یہ کہ ہوس تکالیف کا باعث ہے اور قناعت میں راحت حاصل ہوتی ہے ٭

۴- معشوق تو رقیب سے وفا کر رہا ہے اور رقیب کا عشق بے بُنیاد ہے گویا موسمِ بہار آگیا اور جنوں بناوٹی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا قیامت ہو سکتی ہے ٭ (رقیب سے انتہائے رشک کا اظہار ہے)

(۲۰۱)

لاغر اتنا ہُوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے ۱ میرا ذمہ دیکھکر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھکر آجائے رحم ۲ واں تلک کوئی کسی حیلہ سے پہنچا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب ۳ کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانہ میں اُلجھا دے مجھے

۱۔ اس شعر میں مبالغہ بیحد ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں تیرے ہجر کے صدموں سے اتنا لاغر ہو گیا ہوں کہ اگر تو مجھے اپنی محفل میں بُلائے اور اپنے پاس بٹھائے تو میں اپنی لاغری کے باعث کسی کو نظر نہیں آ سکتا۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق مجھ سے اس قدر ناراض ہے کہ میری صورت بھی دیکھنی نہیں چاہتا اور دربان کو خاص طور پر تاکید کی ہوئی ہے کہ غالب کو ہرگز میرے مکان میں نہ گھسنے دینا۔ لیکن اگر کوئی مجھے کسی حیلے بہانے سے اُس کی نظروں کے سامنے پہنچا دیوے تو کیا عجب ہے کہ جب میری اُس کی آنکھیں چار ہوں تو میری صورت دیکھ کر اُس کو مجھ پر رحم آ جائے اور مجھے اپنی محفل سے نہ نکالے۔

۳۔ مرزا صاحب کے اشعار میں یہ خاص بات ہے کہ جذبات بالکل حقیقی معلوم ہوتے ہیں تصنع کا نام تک نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ جذباتِ دلی کی مصوری میں مرزا صاحب کو یدِطولےٰ حاصل تھا۔ فرماتے ہیں اگر مُنہ نہیں دکھلاتا تو نہ دکھلا پردہ ہٹا کر کم از کم باندازِ عتاب مجھے اپنی غضب آلود آنکھیں ہی دکھلا دے (کیا عشق ہے نظرِ التفات نہیں تو نظرِ غضب ہی دیکھنا چاہتے ہیں)۔

۴۔ شعر صاف ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں زلف بھی بن جاؤں جو دوسروں کو اُلجھاتی ہے تو بھی وہ مجھکو اپنے شانہ میں ہی اُلجھالے۔

(۲۰۲)

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے ۱ ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اِک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک ۲ اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے
جُز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور ۳ جُز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے ۴ گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے مرا ترے پیچھے ۵ تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں ۶ بیٹھا ہے بتِ آئنہ سیما مرے آگے

پھر دیکھئے اندازِ گل افشانیٔ گفتار ۷ رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا ۸ کیونکر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر ۹ کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام ۱۰ مجنوں کو برا کہتی ہے لیلا مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے ۱۱ آئی شبِ ہجر کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اِک قلزمِ خوں کاش یہی ہو ۱۲ آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے ۱۳ رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

۱- دنیا مرے آگے بچوں کا کھیل ہے۔ رات دن مرے آگے تماشا ہوتا ہے۔ یعنی میری نگاہ میں دنیا کی وقعت بچوں کے کھیل اور تماشے سے زیادہ نہیں۔

۲- میرے سامنے حضرت سلیمانؑ کا تخت ایک کھیل کی مانند ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ میرے آگے ایک معمولی بات ہے۔

۳- میرے خیال میں عالم کا نام ہی نام ہے وجود نہیں۔ اور اشیا کی ہستی سوائے وہم کے اور کچھ نہیں۔

۴- صحرا میرے سامنے گرد میں نہاں ہو جاتا ہے اور دریا میرے آگے خاک پر پیشانی رگڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب میں خاک اُڑاتا ہوں تو صحرا گرد میں نہاں ہو جاتا ہے اور جب میں رونے پر آتا ہوں تو میرے سامنے دریا کی کیا حقیقت رہتی ہے۔ خاک پر پیشانی رگڑتا نظر آتا ہے۔

۵- تُو یہ مت پوچھ کہ میرا تیرے پیچھے یعنی تیرے عشق میں کیا حال ہو گیا ہے بلکہ تُو یہ دیکھ کہ تیرا میرے آگے کیا رنگ ہے یعنی تو میرے آگے رقیبوں سے ملتا ہے اور مجھے صدمے دیتا ہے ◆

۶- تم سچ کہتے ہو اور میں مانتا ہوں کہ میں خود بین و خود آرا ہوں لیکن میں کیوں نہ ہوں جبکہ تم جیسا آئینہ جیسی پیشانی رکھنے والا محبوب میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ میرے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے ◆

۷- کوئی میرے سامنے شراب اور پیالہ رکھدے اور پھر میری گفتگو کی گل افشانی دیکھے یعنی میرے مُنہ سے پھول جھڑتے ہوئے دیکھے ◆

۸- اگرچہ جب کوئی اُن کا نام میرے سامنے لیتا ہے تو مجھے رشک گزرتا ہے لیکن میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا نام میرے آگے نہ لو۔ کیونکہ یہ کہنے سے لوگوں کو یہ گمان ہو جائیگا کہ مجھے اُن سے نفرت ہے ◆

۹- میں عجیب کشمکش میں ہوں ادھر تو ایمان مجھے کُفر کی طرف جانے سے روکتا ہے گویا کعبہ میرے پیچھے ہے اور مُنہ میرا جانبِ کفر۔ اُدھر سے کفر مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کلیسا میرے آگے ہے ◆

۱۰- اگرچہ میں عاشق ہوں لیکن سب معشوق میرے دامِ محبت میں پھنسے ہوئے ہیں میرے ہوتے لیلےٰ مجنوں کو بُرا سمجھتی ہے ◆

۱۱- لوگوں کو شبِ وصل میں غیر معمولی خوشی تو ہوتی ہے مگر میری طرح خوشی سے مرتے نہیں یُوں شادیٔ مرگ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شبِ ہجراں میں جو میں مرنے کی دُعا مانگا کرتا تھا وہ شبِ وصل میں پوری ہوئی۔ واہ رے ناکامیٔ قسمت! (جدتِ تخیل کے ساتھ زبان کا لوچ اور روزمرہ کی صفائی مرزا صاحب کا حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مرزا صاحب کو خاص دماغ اور خاص دل عطا فرمایا تھا) ◆

۱۲- یہ جو میرے رونے سے آنسوؤں کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ کاش عشق ظالم اسی پر اکتفا کرے

لیکن مصیبتیں یہیں ختم ہوتی نظر نہیں آتیں۔ ابھی دیکھئے میرے آگے کیا کیا آتا ہے یعنی ابھی کن کن مصائب سے مقابلہ کرنا ہے ٭

۱۳۔ ذوق بادہ خواری کا نقشہ عجیب حسرت آمیز الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں اگرچہ میرا کام تمام ہو چکا مگر ابھی آنکھوں میں دم ہے اور کچھ نظر آتا ہے اس لئے ساغر و مینا کو میرے سامنے سے نہ ہٹاؤ۔ اگر پی نہ سکوں گا تو دیکھتا تو رہوں گا ٭

۱۴۔ مقطع صاف ہے۔ گویا غالب کے کوئی خاص دوست فرماتے ہیں کہ غالب کو میرے سامنے بُرا نہ کہو۔ میرا ہم پیشہ۔ ہم مشرب اور ہمراز ہے۔ بھلا میرے سامنے اور کوئی اس کو بُرا کہے ٭ (تضاد ملاحظہ ہو) ٭

(۲۰۳)

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے ۱ تمہی کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہئے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں ۲ مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے
وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اُتر جائے ۳ نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے
نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں ۴ وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہئے
جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنئے ۵ جو نا سزا کہے اُس کو نہ نا سزا کہئے
کہیں حقیقتِ جانکاہیٔ مرض لکھئے ۶ کہیں مصیبتِ ناسازیٔ دوا کہئے
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے ۷ کبھی حکایتِ صبرِ گریز پا کہئے
رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے ۸ کٹے زباں تو خنجر کو مرحبا کہئے
نہیں نگار کو اُلفت نہ ہو نگار تو ہے ۹ روانیٔ روش و مستیٔ ادا کہئے
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے ۱۰ طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہئے

سفینہ جب کہ کنارہ پہ آلگا غالب
۱۱ خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

۱ - اگر میں اپنے دل کا حال کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ تمہارا مدعا کیا ہے۔ گویا تم میرے مدعا سے واقف ہی نہیں۔ اس صورت میں جبکہ تم جان بوجھکر انجان بنتے ہو میں حیران ہوں کہ تمہاری بات کا کیا جواب دوں +

۲ - یہ شعر بھی مرزا صاحب کی شوخی میں رنگا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں میں تو "اچھا حضور بجا حضور" کہنے کا عادی ہوں آپ نے طعن سے اپنے آپ کو ستمگر کہا میں نے حسب عادت "بجا ہے حضور" کہدیا تو آپ ناحق مجھ پر خفا ہونے لگے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آئندہ آپ طعن سے بھی اپنے آپ کو ستمگر نہ کہیں +

۳ - معشوق کی نگاہ ناز خواہ نشتر ہی سہی پر جب دل میں اُتر گئی اور اس نے دل میں جگہ لے لی تو اُسے آشنا کہا جائے تو بالکل بجا ہے +

۴ - تیر کا زخم ذریعۂ راحت نہیں کیونکہ وہ دل کشائی نہیں کرتا۔ دلکشا زخم تو زخم تیغ ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا مجھے تو زخم تیغ لگائیے +

۵ - جو تمہارے ساتھ دشمنی کرے تمہیں چاہئے کہ تم اُس کے ساتھ دشمنی نہ کرو کیونکہ اگر تم بھی اُس کے ساتھ دشمنی کروگے تو وہ تمہارا اور زیادہ دشمن ہو جائیگا اور اس طرح دشمنی کا سلسلہ طول پکڑ جائیگا۔ اور اگر تمہیں کوئی برا کہے تو تم اُسے برا نہ کہو کیونکہ پھر وہ گالیوں پر اُتر آئے گا (نہایت اخلاق آموز شعر ہے) +

۶ - شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں عشق میں سینکڑوں مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں +

۷ - شعر صاف ہے۔ کبھی ہم اپنے رنج گراں نشیں کا ذکر کرتے ہیں کبھی بھاگ جانے والے صبر کا +

۸ - اگر قاتل جاں سے لے تو بجائے اس کے کہ قاتل خوں بہا ادا کرے مقتول کو چاہئے کہ قاتل کو خونبہا ادا کرے اور اگر قاتل اپنے خنجر سے عاشق کی زبان کاٹ ڈالے تو خنجر کی تعریف کرنی چاہئے (مطلب یہ کہ مذہب عشق میں قانون شریعت اُلٹا ہے)۔ خونبہا دیجے سے خونبہا معاف کر دیجے بھی مطلب ہو سکتا ہے +

۱ - اگر میں اپنے دل کا حال کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ تمہارا مدعا کیا ہے۔ گویا تم میرے مدعا سے واقف ہی نہیں۔ اس صورت میں جبکہ تم جان بوجھکر انجان بنتے ہو میں حیران ہوں کہ تمہاری بات کا کیا جواب دوں ٭

۲ - یہ شعر بھی مرزا صاحب کی شوخی میں رنگا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں میں تو "اچھا حضور بجا حضور" کہنے کا عادی ہوں آپ نے طعن سے اپنے آپ کو ستمگر کہا میں نے حسب عادت "بجا ہے حضور" کہدیا تو آپ ناحق مجھ پر خفا ہونے لگے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آئندہ آپ طعن سے بھی اپنے آپ کو ستمگر نہ کہیں ٭

۳ - معشوق کی نگاہ ناز خواہ نشتر ہی سہی پر جب دل میں اتر گئی اور اس نے دل میں جگہ لے لی تو اسے آشنا کہا جائے تو بالکل بجا ہے ٭

۴ - تیر کا زخم ذریعۂ راحت نہیں کیونکہ وہ دل کشائی نہیں کرتا۔ دلکشا زخم تو زخم تیغ ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا مجھے تو زخم تیغ لگائیے ٭

۵ - جو تمہارے ساتھ دشمنی کرے تمہیں چاہئے کہ تم اس کے ساتھ دشمنی نہ کرو کیونکہ اگر تم بھی اس کے ساتھ دشمنی کروگے تو وہ تمہارا اور زیادہ دشمن ہو جائیگا اور اس طرح دشمنی کا سلسلہ طول پکڑ جائیگا۔ اور اگر تمہیں کوئی برا کہے تو تم اسے برا نہ کہو کیونکہ پھر وہ گالیوں پر اتر آئے گا (نہایت اخلاق آموز شعر ہے) ٭

۶ - شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں عشق میں سینکڑوں مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں ٭

۷ - شعر صاف ہے۔ کبھی ہم اپنے رنج گراں نشیں کا ذکر کرتے ہیں کبھی بھاگ جانے والے صبر کا۔

۸ - اگر قاتل جان سے لے تو بجائے اس کے کہ قاتل خون بہا ادا کرے مقتول کو چاہئے کہ قاتل کو خونبہا ادا کرے اور اگر قاتل اپنے خنجر سے عاشق کی زبان کاٹ ڈالے تو خنجر کی تعریف کرنی چاہیے (مطلب یہ کہ مذہب عشق میں قانون شریعت الٹا ہے)۔ خونبہا دیجیے سے خونبہا معاف کر دیجیے بھی مطلب ہو سکتا ہے ٭

۹ - معشوق کو اگر الفت نہ ہو نہ سہی۔ ہمیں اُس کی خامیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں تو اُس کی خوبیوں مثلاً روانیٔ رفتار اور مستی ادا کا ذکر کرنا چاہئے

۱۰ - اگر بہار کو ثبات نہیں تو نہ ہو۔ ہمیں اُس کی برائیوں کو نہیں دیکھنا چاہئے ہمیں تو اس کی خوبیوں طراوتِ چمن اور خوبیٔ ہوا کا ذکر کرنا چاہئے +

۱۱ - مطلب شعر یہ ہے کہ سختی کا وقت گزر جانے کے بعد پھر کسی کی شکایت نہ کرنا چاہئے۔ فرماتے ہیں اے غالب تمہاری عمر تمام ہو چکی اب لبِ گور ہو - جو مصائب تم پر گزرنے تھے گزر چکے اب خدا سے دُنیا والوں کی شکایت کرنے سے کیا فائدہ +

(۲۰۴)

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے ۱ دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی ۲ تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم ۳ بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر ۴ پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا ۵ آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلا ۶ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اُٹھائی کل اس نے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

۱ - دھویا جانا - بے شرم و بیباک - آزاد یا شہدا + مطلب یہ کہ جب تک آنکھ سے آنسو نہیں نکلے تھے تو اس بات کا پاس و لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مگر جب رونا ضبط نہ ہو سکا اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو اخفائے رازِ عشق کا خیال جاتا رہا اور ایسے بے شرم و بے حجاب ہو گئے کہ آزادوں اور شہیدوں کی طرح کھیل کھیلے - اس مطلب کو ان لفظوں میں ادا کرنا۔ رونے سے ایسے دھوئے گئے کہ بالکل پاک ہو گئے - بلاغت اور

حسنِ بیان کی انتہا ہے۔ (از یادگارِ غالب)۔

۲۔ میرے ذمہ صرف دو لوگوں کا قرضہ تھا ایک شراب بیچنے والے کا اور ایک آلاتِ میکشی والے کا۔ سو دونوں کا قرضہ میں نے اس طرح ادا کیا کہ شراب والے کو رقم قرضہ کے عوض آلاتِ میکشی دیدیئے اب دونو حساب پاک ہو گئے۔ شراب والے کا قرضہ نہیں رہا اور برتنوں والے کے برتن نہ رہے۔ آلاتِ میکشی والے کو اگر کچھ دعوے ہے تو شراب والے سے مانگے میرے پاس تو اس کا کوئی برتن ہی نہیں۔ (اس شعر میں بلاغت اور شوخی حد درجے کو پہنچا دی گئی ہے) مرزا صاحب مفلس تھے اُن کے پاس نہ مے خریدنے کو دام تھے نہ آلاتِ مےکشی خریدنے کے لئے۔ دو نو چیزیں قرض لیتے تھے۔

۳۔ اگرچہ آوارگی سے تم رسوائے زمانہ ہو گئے۔ لیکن اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ تم طبیعت کے چالاک ہو گئے۔

۴۔ شعر صاف ہے۔ پھُول کا کھلنا جگر چاک ہونے سے مراد لیا گیا ہے۔

۵۔ اہلِ شوق یعنی عاشقوں کے عدم وجود کی بابت کیا پوچھتا ہے۔ وہ تو اپنی آتشِ عشق میں خس وخاشاک مانند جل بھن جاتے ہیں۔

۶۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے تغافل سے تنگ آکر شکایت کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے جب اس نے توجہ کی۔ تو ایک ہی نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا۔
(از یادگارِ غالب)۔

۷۔ مقطع صاف ہے۔

(۲۰۵)

نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب ۱ شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست
وان تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے ۲

۱- موسم بہار کا ذکر فرماتے ہیں کہ نشے شاداب رنگ ہیں یعنی نشے اپنے جوبن پر ہیں اور باجے مستِ طرب ہیں۔ شیشہ جوئبارِ نغمہ کا سروِ سبز بنا ہُوا ہے (نغمہ کو جوئبار سے اور شیشۂ مے کو اس کی ہلکی سبزی کی وجہ سے سروِ سبز سے تشبیہ دیا گیا ہے) نشہ ہا شاداب رنگ یعنی نشوں پر رنگ اور جوبن آیا ہُوا ہے اور اس وجہ سے وہ شاداب ہیں +

۲- اے ہم نشیں یہ مت کہہ کہ دوست کی عیش کی صحبت کو برہم نہ کر۔ میرے نالے سے اُس کی صحبت پریشاں نہیں ہوتی بلکہ جہاں اس کی محفل میں اور نغمے ہوتے ہیں وہاں میرا نالہ بھی ایک نغمہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دوست میرے نالوں سے خوش ہوتا ہے کیونکہ میری نالہ کشی سے اُس کی شہرتِ حسن میں افزونی ہوتی ہے +

(۲۰۶)

عرضِ نازِ شوخیٔ دنداں برائے خندہ ہے ۱ دعوئے جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گُل ۲ یک جہاں زانو تامّل در قفائے خندہ ہے
کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام ۳ ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے
سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں ۴ دِل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

۱- دوستوں میں اتفاق اور یکدلی کا دعوےٰ ایک ہنسی کا مقام ہے یعنی دُنیا کے نام نہاد دوستوں میں درحقیقت کوئی محبّت اور رفاقت نہیں ہے اور ان کا دعوےٰ جمعیت و اتفاق جھوٹا ہے۔ جیساکہ دانتوں کا اپنے نازِ شوخی کا ظاہر کرنا ہنسی کے لئے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہنسی کے وقت دانت ظاہر ہو جاتے ہیں (پہلا مصرعہ مثال ہے دوسرا ممثل) +

۲- غنچہ معدوم ہونے کے بعد یعنی گُل بننے کے بعد دوسرے پھولوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے میں محو ہے یعنی دوسرے پھولوں کے فنا ہوتے ہوئے دیکھ کر عبرت حاصل کرنے میں محو ہو رہا ہے۔ گویا ظاہرا ہنسی کے پردے میں بہت زیادہ فکر و تامّل کر رہا ہے + یک جہاں - بہت زیادہ + زانو تامّل اس لئے کہا گیا کہ فکر و تامّل کے وقت انسان

سر بزانو ہو جاتا ہے +

۳- کلفت افسردگی کے لئے عیش بیتابی حاصل کرنا حرام ہے - ورنہ دانتوں سے دل کو زخمی کر دینے سے بنائے خندہ یعنی عیش مہیا ہو سکتا ہے - مطلب یہ کہ عشق میں افسردگی موجب تکلیف ہے اور بیتاب و مضطرب ہو کر دل کی بھڑاس نکالنا عیش ہے - بیتابی سے عیش کس طرح حاصل ہوتا ہے - اس کی مثال دوسرے مصرع میں دی گئی ہے کہ بیتاب ہو کر دانتوں سے دل کو زخمی کرنا بنائے خندہ ہے کیونکہ زخم کے کھلنے کو ہنسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں

۴- ہمارے احباب ہماری ظاہرا ہنسی دیکھ کر ہماری سوزش باطنی کے منکر ہیں لیکن درحقیقت ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ظاہر طور پر تو ہنسی خوشی رہتے ہیں اور ہمارے دل میں جو گریہ کا سمندر ہے اس میں عشق کی آگ لگی ہوئی ہے - جو محیط گریہ کو بخارات بنا بنا کر اڑاتی رہتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ پھر وہ بخارات آنسوؤں کی شکل میں ہماری آنکھوں سے بہتے ہیں

(۲۰۷)

حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے ۱ آئنہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے

تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختن

۲ چشم وا گردیدہ آغوش وداع جلوہ ہے

۱- حسن بے پروا جلوہ گری کا خریدار یعنی جلوہ گری کا خواہشمند ہے - اور آئینہ اختراع جلوہ کا زانوئے فکر ہے - یعنی آئینہ دیکھنا جلوہ کے اختراعات کا موجب ہے - کیونکہ آئینہ دیکھ کر ہی حسین اپنے حسن میں افزائش کر سکتا ہے - زانوئے فکر اس وجہ سے ہے کہ آئینہ جھک کر ہی دیکھا جاتا ہے - جو تقریباً سر بزانو ہونے کی حالت ہوتی ہے +

۲- اے آگہی تو کب تک تماشائے دنیا و مافیہا میں محو رہے گی - تیری کھلی ہوئی آنکھ گویا وداع جلوہ کی آغوش بنی ہوئی ہے - یعنی تماشا بے ثبات ہے اور چشم واگردیدہ اس کو رخصت کر رہی ہے +

(۲۰۸)

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی ۱ مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سربسر ۲ کب تک خیالِ طُرّۂ لیلا کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات ۳ ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے ۴ آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پُرسش نہ وا ہوئی ۵ کیا فائدہ کہ جیب کو رُسوا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گُل ۶ تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز ۷ تُو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست ۸ نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

سربر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر ۹ فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز ۱۰ یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل ۱۱ جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حُسنِ فروغِ شمعِ سخن دُور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی ۱۲

۱- اے معشوق حقیقی تجھ سے اس وقت تک بات نہیں کی جاسکتی جب تک کہ کوئی دہانِ زخم نہ رکھے۔ مطلب یہ کہ معشوق حقیقی سے اس دہن سے بات چیت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ دل کے زخم کے مُنہ سے ہی بات چیت ہو سکتی ہے۔ یعنی معشوق حقیقی سے راہ سخن پیدا کرنے کے لئے دل کو عشق صادق کی تیغ سے زخمی کرنا ضروری ہے +

۲- دُنیا سربسر گرد خاک کی مانند ہے۔ کب تک اُس کو طرۂ لیلےٰ جیسی محبوب چیز سمجھا جائے یعنی دُنیا ظاہرا اچھی معلوم ہوتی ہے حقیقتاً بہت بُری شے ہے +

۳- افسردہ دلی التفاتِ محبوب سے خوشی حاصل کرنے والی نہیں ہو سکتی۔ ہاں درد بنکر

کوئی معشوق کے دل میں جگہ کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق کی افسردگی سے معشوق لاپروا ہو جاتا ہے۔ اس لئے جب تک عاشق مصائب و تکالیف نہ اُٹھائے گا معشوق اُس کی جانب نظرِ التفات نہیں ڈال سکتا +

۴۔ اے دوست مجھے رونے پر ملامت نہ کر۔ آخر کبھی تو میرے دل کی گرہ بھی کھلنی چاہیئے

۵۔ جب چاکِ جگر یعنی جگر کے چاک کرنے سے ہی معشوق نے پرسش نہ کی۔ تو گریبان چاک کر کے رُسوا نہ ہونا چاہیئے +

۶۔ میرے جگر کے ٹکڑوں سے صحرا کے ہر کانٹے کی رگ شاخِ گُل نظر آتی ہے۔ کب تک کوئی صحرا کی باغبانی کرے۔ مطلب یہ کہ صحرا کے ہر ایک کانٹے میں میرے جگر کا ایک ٹکڑا لگا ہوا ہے جس سے ہر ایک کانٹا شاخِ گُل نظر آتا ہے۔ گویا صحرا باغ بن گیا ہے۔ اب کب تک صحرا کی باغبانی ہو سکتی ہے

۷۔ ہماری نگاہ کی ناتمامی ہی وہ بجلی بنجاتی ہے جس سے ہماری نگاہ جل جاتی ہے اس لئے تیرا نظارہ نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ کہ نہ ہماری نگاہ کمال حاصل کر سکے گی نہ تیرا جلوہ دیکھ سکے گی +

۸۔ فرماتے ہیں کہ دیوانگی کے سودے میں کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ ہر ایک اینٹ پتھر جو دیوانے کو مارا جاتا ہے گوہرِ زخم کی سیپی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر ایک پتھر سے ایک زخم حاصل ہوتا ہے جس کی قیمت گوہر کے برابر ہے +

۹۔ ساری عمر تو صبر کی آزمائش ہی میں گزر گئی۔ پھر تیرے ملنے کی تمنا کس وقت کی جا سکتی ہے + (از یادگار غالب) +

۱۰۔ ایجاد کی طبیعت کی وحشت یاس خیز ہے یعنی کسی چیز کے ایجاد کرنے میں بہت سی تکالیف اور دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو یاس خیز ہیں لیکن چونکہ طبع انسانی فطرتی طور پر ایجاد کی طرف مائل ہے اس لئے ہر ایک انسان ان تکالیف کو بخوشی برداشت کرتا ہے +

۱۱- جنوں کو بیکاری میں سر پیٹنے کا ہی شغل ہوتا ہے۔ لیکن جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر دیوانہ کیا کرے۔ مطلب یہ کہ مجنوں کو تو کسی نہ کسی شغل کی ضرورت ہے اُس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے تو وہ اپنے دانتوں سے اپنے اعضائے جسم کو کاٹنا شروع کر دیگا +

۱۲- اے اسد حسنِ فروغ شمع سخن حاصل کرنے کے لئے پہلے انسان کو شمع جیسا دل گداختہ حاصل کرنا چاہئے +

غزل (۲۰۹)

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی	۱	میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	۲	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر	۳	دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے	۴	وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ	۵	کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر بُرا کہے کوئی	۶	نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی	۷	بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند	۸	کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے	۹	اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

۱- کوئی ابنِ مریم ہو اور بیماروں کو شفا بخشتا ہو۔ مجھے کیا۔ میں تو جب مانوں جب کوئی میرے مرض کو دُور کر دیوے + مرض سے مراد مرضِ عشق ہے +

۲- یہ مانا کہ دنیا میں حکم شریعت پر بھی عمل ہے اور قانونِ حکومت کی بھی پابندی کی جاتی ہے لیکن ایسے قاتل کو کوئی کیا سزا دے سکتا ہے جو آنکھ کے اشارے یا انداز سے ہی انسان کو

قتل کر دیتا ہو ۔

۳۔ جو معشوق اپنی نحوست کے سبب اتنی تیزی سے چلتا ہو جیسے کڑی کمان کا تیر۔ بھلا ایسے معشوق کے دل میں کوئی کس طرح جگہ کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو معشوق چلتے ہوئے کسی کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے اور تیزی سے گزر جائے وہ کب کسی کی طرف التفات کر سکتا ہے

۴۔ خواہ وہ غلط کہیں یا صحیح روا کہیں یا ناروا۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ میں کہوں سب غور سے سنتے رہیں اور مانتے رہیں۔ اگر کوئی ان کے سخن پر اعتراض کرے تو وہ زبان کاٹ لیتے ہیں۔ مجبوراً جو کچھ وہ فرماتے ہیں سُننا اور ماننا پڑتا ہے ۔

۵۔ نہ معلوم میں اپنے جنوں میں کیا کیا بک رہا ہوں۔ ممکن ہے معشوق کو بھی اُس کے مظالم پہ بُرا بھلا کہہ رہا ہوں۔ خدا کرے میری بڑ کو کوئی نہ سمجھے ورنہ اگر معشوق تک خبر پہنچ گئی تو غضب ہو جائیگا

۶۔ اگر کوئی تم کو بُرا کہے تو تم ایسا ظاہر کرو کہ تم نے سُنا ہی نہیں۔ اور اگر کوئی شخص تمہارے سامنے بُرا کام کرے تو تم اُس کا ذکر دوسرے لوگوں سے نہ کرو۔ (یہ بھی اخلاقی شعر ہے) ۔

۷۔ شعر صاف ہے۔ اگر کوئی شخص غلط راستے پر ہو تو اُسے سیدھا راستہ بتادو۔ اور اگر کوئی تمہارا قصوروار ہے تو تمہارے لئے یہی زیبا ہے کہ اُس کو معاف کر دو ۔

۸۔ اہلِ استطاعت اور اہلِ مرتبت لوگوں کے پاس ہزاروں آدمی اپنی حاجتیں لیکر جاتے ہیں وہ کس کس کی حاجت روائی کریں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ہر ایک کی حاجت پوری کر دیں اس لئے اگر کوئی بڑا آدمی تمہاری حاجت کو پورا نہ کر سکے تو تم اُس کو مطعون نہ کرو اور اُس سے رنجیدہ نہ ہو ۔

۹۔ حضرت خضر باوجود رہنمائی کرنے کے سکندر کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے تو اب کوئی کسی کو اپنا رہنما کس امید پر بنائے۔ حضرت خضر سکندر کو چشمۂ آبِ حیات تک لے گئے۔ لیکن چونکہ سکندر نے وہاں پر ایسے آدمیوں کا ہجوم دیکھا جو زندہ تو تھے مگر اتنے لاغر و نحیف تھے کہ انہیں حرکت

کرنا بھی دُشوار تھا اور مُردوں کی طرح زمین پر پڑے رہتے تھے۔ سکندر نے ایسی زندگی کو بیکار اور تلخ زندگی سمجھ کر آبِ حیات نہ پیا اور ناکام واپس چلا آیا۔

۱۵۔ اے غالب جب امید ہی جاتی رہی تو اب کسی کا گلہ شکوہ کرنے سے کیا فائدہ۔ مطلب یہ کہ حالتِ یاس میں معشوق کا یا اور کسی کا گلہ کرنا بے سود ہے (عجیب دلگداز مقطع فرمایا ہے)

(۲۱۰)

غلام ساقیٔ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے ۱ بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے ۲ تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے ۳ کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے

کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے ۴ لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود

خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے ۵ نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا

دگرنہ مہرِ سلیماں و جامِ جم کیا ہے ۶ وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم

سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی
یقین ہے ہمکو بھی لیکن اب اُن میں دم کیا ہے

۱۔ گیتی = دنیا۔ ساقیٔ کوثر۔ حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم کو دُنیا کے بہت سے غم لگے ہوئے ہیں تو کوئی غم کی بات نہیں اس کے غلط کرنے کے لئے شراب کیا تھوڑی ہے یہ بھی تو بہت ہے۔ اب رہا آخرت کا غم تو اس غم کو غلط کرنے کیلئے ساقیٔ کوثر پلا دینگے

۲۔ رقیب پر تمہارا لطف و کرم کرنا بھی تو ہمارے لئے ایک ستم ہے۔

۳۔ معشوق کی زلف کا خیال ایک جدائی کی شب دراز ہے جو کاٹے کٹتی نہیں اور کٹتی بھی ہے تو اس طرح کہ جیسے کوئی سانپ کسی کو کاٹ کھائے تو وہ مارگزیدہ تمام رات تڑپ تڑپ کر کاٹے اس شعر میں شب اور زلف۔ سانپ اور کاٹے کی رعائتیں خوب ہیں۔

۴۔ یعنی اگر کوئی نجومی جوتشی کسی پیدا ہونے والے بچے کے طالع و نصیب خواہ کیسے ہی

خوش کُن کیوں نہ لکھ دے لیکن اسے ہرگز معلوم نہیں کہ کاتب تقدیر نے اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے +

۵ - جو شخص کسی مذہب و ملت کا ہی پیرو نہ ہو اور نہ ہی روز قیامت کا قائل تو پھر ایسا شخص اگر خدا کی قسم کھائے تو اُس کا اعتبار ہی کیا ہے ؟

۶ داد - عدل و انصاف بخشش و عطا + دید - دیکھنا + گرانمایہ - بہت بڑی پونجی اور اصل چیز + مطلب یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کے لئے عدل و انصاف اور بخشش و عطا شرط اصلی ہے اور بادشاہ کے لئے اہلِ دید اور اہلِ نظر ہونا بہت بڑی دولت اور سرمایہ ہے - ورنہ مہر سلیماں اور جام جمشید بادشاہی کا سرمایہ نہیں اور ان کی کوئی ہستی نہیں

۷ - یعنی شاعری میں غالب کے قلم کی آتش افشانی کا ہمیں یقین ہے - مگر اب صدماتِ زمانہ سے وہ عاجز آگیا ہے اور خاموش پڑا رہتا ہے +

(۲۱۱)

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے ۱ سایۂ شاخ گُل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہرِ تیغ بہ سر چشمۂ دیگر معلوم ۲ ہوں میں وہ سبزہ کہ زہر آب اُگاتا ہے مجھے

مُدّعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے ۳ آئنہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک ۴ آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھا دیتے تھے
۵
دیکھوں اب مر گئے پر کون اُٹھاتا ہے مجھے

۱ - میں خفقانی مزاج ہونے کی وجہ سے باغ میں بھی چین سے نہیں رہ سکتا - اور سایہ شاخ گُل کو افعی سمجھکر خوفزدہ ہو جاتا ہے - خفقانی مزاج آدمی بہت جلد ڈر جایا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے باغ میں بھی چین نہیں آتا +

۲ - جس طرح جوہر تیغ کا سبزہ زہر آب میں بجھانے سے ظاہر ہوتا ہے اسی طرح میں بھی

وہ سبزہ ہوں جس کی پرورش زہرآب یعنی غم و رنج سے ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ میری قسمت میں غم و غصہ ہی لکھا ہے۔

۳۔ میرا مدعا میرے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشا دیکھنے میں مصروف ہے۔ یعنی مدعا حاصل نہ ہونے کی وجہ سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آئینۂ دل ٹوٹ کر گویا آئینہ خانہ بن گیا اب میرا مدعا اُس کا تماشائی بنا ہوا ہے۔ اور چونکہ میں نے ابتک دامن مدعا ہاتھ سے نہیں چھوڑا اس لئے میں بھی آئینہ خانہ کی سیر دیکھ رہا ہوں۔ گویا مجھے بھی کوئی آئینہ خانہ میں لئے جاتا ہے۔

۴۔ نالہ سارے عالم کا سرمایہ ہے اور عالم ایک مشت خاک کے برابر ہے۔ آسمان مجھے بیضۂ قمری کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ قمری خاکی رنگ ہوتی ہے اس آسمان کو بیضۂ قمری اور عالم کو کف خاک کہا گیا۔ عالم کو قمری مانا گیا ہے۔ اور قمری کا کام نالہ کشی ہوتا ہے اس لئے عالم کا سرمایہ نالہ ہے اور آسمان کو بیضۂ قمری اس لئے کہا گیا ہے کہ مصیبتیں نازل کرنے کے باعث وہ نالہ کا موجب ہے (اس شعر میں بھی ایک بہت وسیع مضمون کو سمویا گیا ہے)

۵۔ نہایت پُرلطف شعر فرمایا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں اُٹھانا دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اوّل نکالنا اور دوسرے جنازہ اُٹھانا۔ فرماتے ہیں جب میں زندہ تھا تو وہ اکثر مجھے اپنی محفل سے اُٹھا دیتے تھے۔ اب دیکھو مرنے کے بعد وہ کس طرح مجھے اپنی محفل سے اُٹھاتے ہیں یا میرا جنازہ بھی اُٹھاتے ہیں یا نہیں۔

(۲۱۲)

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی ۱ اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہگزار کی

جب اُس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ ۲ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
۳
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

۱۔ سرِ رہگذار کی خاک، کوکبۂ شہریار کی روندی ہوئی ہے اس لئے اتراتی ہے۔

وہ فوج جو بادشاہ کی سواری کے آگے آگے چلتی ہے ۔

۲- بادشاہ سے یہاں مراد خاص بادشاہ مرزا بہادر شاہ صاحب ظفر مرحوم ہیں ۔

۳- ہم سبزِ گلستاں کے بھُوکے نہیں ہیں - ہم تو صرف بہار کی ہوا کھانے کے لئے گلستاں میں آئے ہیں - یعنی جس طرح بہار کا عرصۂ قیام نہایت قلیل ہے اسی طرح ہماری زندگی بھی بہت تھوڑے عرصہ کے لئے ہے ۔ گلستاں سے مراد دُنیا ہے ۔

(۲۱۳)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ۱ بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اس کی گردن پر ۲ وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن ۳ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

بھرم کھُل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا ۴ اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے ۵ ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے

ہوئی اس دَور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی ۶ پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی ۷ وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا ۸ اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اِتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے ۹

۱- خواہش پر دم نکلنا - اس کے پورے ہونے کے لئے جلدی کرنا ۔ چنانچہ کہتے ہیں کیوں دم نکلا جاتا ہے یا کیوں مرے جاتے ہو یعنی کیوں جلدی کرتے ہو - پہلے مصرع میں مقتضائے مقام یہ الفاظ کہ دل میں باقی ہیں مقدر ماننے چاہئیں - باقی شعر کے معنی صاف ہیں (از یادگارِ غالب)

۲- میرا قاتل مجھے قتل کرتا ہوا کیوں ڈرتا ہے - چونکہ اب میرے جسم میں اب قطرہ خون کا بھی نہیں رہا - اس لئے میرے خون کا بدلہ اُس کی گردن پر نہیں ہو سکتا - ہاں یہ تو ممکن ہے کہ جو خون میری

آنکھوں سے ہر وقت آنسو بن کر بہتا رہا ہے اس کا بار اُس کی گردن پر رہے ۔ پس اُسے میرے قتل کرنے میں تامل نہ کرنا چاہئے ٭

۳- حضرت آدم گیہوں کھانے پر بے آبروئی سے خلد سے نکالے گئے تھے لیکن ہم تیرے کوچہ سے ان سے بھی زیادہ بے آبروئی سے نکالے گئے ٭

۴- اے ظالم معشوق تیری قامت کی درازی کا بھرم کھل جائے ۔ اگر تیری زلف پرخم کے پیچ وخم کھول دئے جائیں ۔ مطلب یہ کہ معشوق کی زلف اُس کے قد سے بھی دراز ہے ٭

۵- صبح ہوتے ہی ہم کان قلم پر رکھکر یعنی خط لکھنے کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکل پڑتے ہیں تاکہ اگر کوئی اُس محبوب کو خط لکھوائے تو ہم سے ہی لکھوائے اور اس طرح ہم اغیار کے خطوط کے مضامین معلوم کرسکیں اور حسب دلخواہ مضامین میں تغیّر وتبدل بھی کرسکیں ٭

۶- مطلب یہ کہ پہلے زمانے میں بادہ آشامی جم سے منسوب تھی ۔ لیکن آجکل مجھ سے منسوب ہوئی ہے اور میں جمشید زمانہ ہوں ۔ لہذا جام جم کو چاہئے کہ جمشید اضافت وقت کے پاس پہنچ جائے

۷- جن لوگوں سے ہم یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ہمارے حالِ زار پر ہمیں تسلّی و دلاسا دینگے اور ہماری مقصد براری میں ہماری مدد کرینگے ۔ افسوس کہ وہ ہم سے بھی زیادہ غمزدہ اور ستم زدہ نکلے ٭

۸- دم نکلنا کے دو معنی ہیں ۔ فریفتہ ہونا اور مرنا ٭ اس شعر میں دم نکلنے کے محاورے نے نہایت خوبی اور لطافت پیدا کر دی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ محبّت کی لغت میں جینے اور مرنے کے معانی میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ جس کافر پہ ہمارا دم نکلتا ہے اُسی کو دیکھ کر ہم جیتے ہیں ٭

۹- اے غالب کہاں میخانے کا دروازہ اور کہاں واعظ ۔ کل جب ہم میخانے کے دروازے سے نکلے تو وہ دروازے کے سامنے سے گذر رہا تھا ۔ اُس کا میخانے کے سامنے سے گذرنا ایک نہایت تعجب خیز واقعہ ہے ۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ضرور وہ میخانے میں ہی داخل ہونا چاہتا

تھا اور ہمیں دیکھ کر آگے کا راستہ پکڑا لیکن ہمیں شبہ ضرور ہو گیا کہ اگر ہم میخانے سے اُسی وقت نہ نکلتے تو ممکن تھا کہ وہ میخانے میں داخل ہی ہو جاتا (اس شعر میں جس خوبصورتی سے حضرت واعظ پر الزام لگانا چاہا ہے وہ نہایت قابل داد ہے)

(۲۱۴)

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے ۱ بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کُنجِ قفس

۲ از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

۱۔ اے شرارِ جستہ اگر ہم صدا یعنی آواز بنتے ہیں تو کوہ کے بارِ خاطر ہوتے ہیں یعنی پہاڑ ہمیشہ آواز کو رد کرتا ہے پس ہم کو چاہئے کہ ہم تجھ جیسا شرارِ جستہ بنجائیں تاکہ تیری طرح پہاڑ کے دل میں رہیں۔ شرارِ سنگ کوہ سے نکلتا ہے۔ یعنی اے شرارِ جستہ بے تکلف ہمیں بتا دے کہ ہمیں کیا ہونا چاہئے +

۲۔ کُنجِ قفس سے مراد دنیا ہے۔ مطلب یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی کا آغاز ہو گا جس طرح انڈے سے نکل کر بچۂ مرغ نئی زندگی شروع کرتا ہے +

(۲۱۵)

مستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے ۱ موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے

جُز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو ۲ جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ

۳ صحرا ہماری آنکھ میں اِک مُشتِ خاک ہے

۱۔ مستی ساقی کی تغافل شعاری سے ہلاک ہو رہی ہے اس لئے (ساغر میں) موجِ شراب مژۂ خوابناک کی مانند بنی ہوئی ہے + موجِ شراب کو مژۂ خوابناک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ہلاک ہونے سے مراد بیخودِ عشق ہونا ہے +

۲- میرے دل میں تیری تیغِ ناز کے زخم کے سوا اور کوئی آرزو نہیں - میرا گریبانِ خیال بھی تیرے ہاتھوں سے یعنی تیرے ناز سے چاک ہو چکا ہے - یعنی دل کے ساتھ خیالِ دل بھی زخمی ہو چکا ہے + گریبان اور زخم کی لفظی رعایت ملاحظہ ہو +

۳- اے اسد جوشِ جنوں سے کچھ نظر نہیں آتا - گویا صحرا ہماری آنکھ میں خاک کی طرح پڑ گیا ہے جس طرح خاک پڑ جانے سے کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح جوشِ جنوں میں کچھ نظر نہیں آتا دوسرے معنی یہ ہیں کہ صحرا ہماری نظر میں یک مُشتِ خاک یعنی بے حقیقت نظر آتا ہے +

(۲۱۶)

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بُتاں کا خوابِ سنگیں ہے

لبِ لعلِ بُتاں کے کشتوں کی نیند کس قیامت کی گہری نیند ہے کہ حضرت عیسیٰ کے لبوں کی جنبش یعنی ان کا قُم کہنا بھی ان کی گہوارہ جنبانی کرتا ہے - یعنی اُن کی نیند کو اور زیادہ گہرا بنا دیتا ہے +

(۲۱۷)

آمدِ سیلاب طوفاں صدائے آب ہے ، نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے اُنگلی جادہ سے
بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشہ میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

۱- نقشِ پا جو کہ اپنے کان میں انگشتِ جادہ دئے ہوئے پڑا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ سیلابِ آب کی آمد کا شور سُن رہا تھا اور اس کو برداشت نہ کر سکا - مطلب یہ ہے کہ نقشِ پا کو بھی ہستی عزیز ہے اور وہ آمدِ سیلاب کا شور برداشت نہیں کر سکتا - (نقشِ پا کو کان سے اور جادہ کو انگلی سے تشبیہ دی گئی ہے) +

۲- بزمِ مے کس کی یعنی محبوب کی چشمِ مست کا وحشت کدہ ہے - کہ شیشہ میں موجِ بادہ

بھی نبضِ پری بن گئی ہے ۔ موجِ بادہ کو نبضِ پری سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ وحشت پیدا کیجائے

(۲۱۸)

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآوے

میں بھی نیرنگِ تمنا کا تماشائی بننا چاہتا ہوں یعنی اس کی نیرنگیوں کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں
مجھے اس سے مطلب نہیں کہ مطلب برآئے یا نہ آئے ۔

(۲۱۹)

سیاہی جیسے گر جائے دمِ تحریر کاغذ پر۔
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی

جس طرح لکھتے ہوئے سیاہی کاغذ پر گر جاتی ہے اسی طرح شبہائے ہجراں کی تصویر
میری قسمت کو چھپائے ہوئے ہے ۔ مطلب یہ کہ جس طرح سیاہی گر کر تحریر کاغذ کو چھپا لیتی ہے
اسی طرح شبِ ہجراں نے میری قسمت کو سیاہ کر دیا ہے ۔

(۲۲۰)

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے ۱ خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے
تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں ۲ نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے
ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی ۳ کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے
دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے ۴ کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دست گرداں ہے
غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو۔
۵ چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

۱۔ ہجومِ نالہ کے باوجود حیرت نے آہ و فغاں کرنے سے عاجز بنا دیا ہے گویا خموشی نے ریشہ
صد نیستاں کو بطور تنکے کے دانتوں میں لے رکھا ہے ۔ مطلب یہ کہ باوجودیکہ نیستاں سے لاکھوں

بنسریاں بن سکتی ہیں لیکن خموشی نے خاموش بنا دیا ہے۔ خس بدنداں ہونا۔ دانتوں میں تنکا لینا یعنی عاجز ہونا۔

۲۔ صاف بات یہ ہے کہ بدخو معشوقوں کی مہربانی اُن کے ستم سے زیادہ جانستاں ہے۔ کیونکہ ان کی نگاہِ ناز جب بے حجاب ہو جاتی ہے تو تیغ تیز عریاں کی مانند ہو جاتی ہے۔

۳۔ کثرتِ غم سے میری شادی اسقدر ضائع ہوگئی ہے کہ صبح عید مجھے چاک گریباں سے بھی بدتر معلوم ہوتی ہے۔ (صبح کی تشبیہ چاک گریبانی سے واضح ہے)

۴۔ اگر ساقی سے سودا کرنا چاہتا ہے تو دل دے دیں نقد ادا کر۔ کیونکہ اس بازارِ عشق میں نقد قیمت لے کر ساغر دیا جاتا ہے۔ یہ شعر حقیقت میں ہے۔ ساقی سے مراد معشوق حقیقی اور ساغر سے ساغر محبت مراد ہے۔

۵۔ غم عاشق کو آغوشِ بلا میں پرورش کرتا ہے یعنی عاشق پر لاکھوں بلائیں آتی رہتی ہیں۔ اور عاشقوں کا چراغ بھی صرصر کے قلزم کا مرجان ہے اور مرجاں کی طرح روشن رہتا ہے۔ یعنی جس طرح مرجان قلزم کی بلاؤں میں پرورش پاتا ہے اسی طرح عاشق بھی بلاؤں میں پرورش پاتا ہے اور اس کا چراغ صرصر کے طوفان میں بھی روشن رہتا ہے۔

(۲۲۱)

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے ۱ نگاہِ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲ صبا جو غنچہ کے پردہ میں جا نکلتی ہے
نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغ نگاہ
۳ کہ زخم روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

۱۔ اگرچہ تیری نگاہ تیرے دل سے سرمہ سا یعنی خاموش نکلتی ہے لیکن خموشیوں میں بھی تماشا ادا یعنی اظہار کرنے والی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ باوجود خموش ہونے کے بہت سے مطالب ادا کرنے والی ہوتی ہے۔ سرمہ سا۔ چونکہ سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے اس لئے سرمہ سا

سے مراد خاموشی لی گئی ہے ۔ تماشا ادا کے معنی اظہار کرنے والی ۔

۲۔ اگر صبا اتفاق سے غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے تو غنچہ ہم آغوشی خلوت میں اس کو ایسا بھینچتا ہے کہ وہ عرق ریز ہو جاتی ہے اور اس کا عرق شبنم کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

۳۔ سینۂ عاشق سے اس کی تیغ نگاہ کی آب کا حال نہ پوچھو۔ سینۂ عاشق کی کیا حقیقت ہے وہ تو گوشت کا ہی ہے ۔ اُس کی تیغ نگاہ تو دروازے میں بھی جو اینٹ پتھر کا بنا ہوا ہوتا ہے ایسا زخم ڈالتی ہے کہ اُس سے ہوا نکلتی ہے (دروازے کے زخم سے مراد روزنِ در ہے ۔ اور جس زخم سے ہوا نکلتی ہے یعنی جو زخم عضو جسم میں ایک طرف سے دوسری طرف تک کھل جاتا ہے نہایت مہلک ہو جاتا ہے) ۔

(۲۲۲)

جس جا نسیم شانہ کشِ زُلفِ یار ہے	۱ نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	۲ آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیٔ جا سے غبارِ شوق	۳ گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے
دِل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ	۴ نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگِ گُل پر آب	۵ اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے
پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے	۶ وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سُوئے وادیٔ مجنوں گزر نہ کر	۷ ہر ذرہ کے نقاب میں دلِ بیقرار ہے
اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں	۸ طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی	۹ اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

غفلت کفیلِ عمر و اسدؔ ضامنِ نشاط
۱۰
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۱۔ جس مقام پر ہوا زلفِ یار کی شانہ کش ہے ۔ یعنی زلفِ یار کی خوشبو پھیلاتی ہے وہاں

آ ہوئے دستِ تتار کا دماغ بھی نافۂ مشک بن جاتا ہے +

۲- اے خدا حیرت کس کے جلوہ کا سُراغ لگانا چاہتی ہے کہ اس نے اقلیم انتظار کے ہر طرف آئینہ کا فرش کر دیا ہے تاکہ معشوق کا جلوہ کہیں نہ کہیں تو عکس فگن ہو جائے +

۳- غبارِ شوق تنگیٔ جا کی وجہ سے ذرّہ ہو گیا - اور ذرّوں نے دام کی صورت اختیار کر لی ہے جبکہ دام اتنا وسیع ہو گیا ہے تو وسعتِ صحرا بھی اُس کا شکار ہو جائیگی یعنی دام تمام صحرا کو گھیر لے گا + (ذرّہ کو دام کی گرہ سے بوجہ گولائی تشبیہہ دی گئی ہے) +

۴- دل مدعی اور آنکھیں مدعا علیہ بنی ہیں - دل نے دعویٰ کیا ہے کہ آنکھوں کے شوقِ نظارہ نے اس پر ہزاروں ستم ڈھائے ہیں اور یہ مقدمہ پیش ہو رہا ہے + رُوبکار ہونا عمل میں آنا پیش ہونا + روبکار اُس چٹھی کو بھی کہتے ہیں جو ایک افسر دوسرے ہمسر یا بالاتر افسر کو بھیجا کرتا ہے +

۵- اے بلبل شبنم آئینہ برگ گل پر آب چھڑک رہی ہے گویا بہار کے رخصت ہونے کا وقت آگیا + رسمِ اہلِ ایران ہے کہ جب کوئی عزیز سفر پر جاتا ہے تو آئینہ پر پانی چھڑکتے ہیں مراد یہ ہوتی ہے کہ مسافر بعافیت سفر سے واپس آئے + برگِ گل کو آئینہ سے تشبیہہ دی گئی ہے

۶- یہ تو ہم جانتے ہیں کہ دلدار ہرگز وعدہ پورا نہ کریگا اور ہمارے گھر نہ آئیگا - لیکن ہمیں بھی پیچ پڑ گئی ہے ہم انتظار کرنا نہ چھوڑیں گے وہ آئے یا نہ آئے - مطلب یہ کہ وہ کبھی وعدہ پورا نہ کریگا اور ہم کبھی انتظار کرنا نہ چھوڑیں گے +

۷- وادیٔ مجنوں سے بے پردہ یعنی نامحرم ہو کر گزر نہ کر - کیونکہ وہاں کا ہر ایک ذرّہ دلِ بیقرار بنا ہوا ہے - (مجنوں کی بیقراری کا اثر ابتک باقی ہے) +

۸- اے بلبل موسم بہار آنے سے پہلے اپنے آشیاں کے واسطے ایک مٹھی تنکے اکٹھے کر لے کیونکہ بہار کی آمد آمد کا شور مچا ہوا ہے - مطلب یہ کہ بہار میں سوکھے ہوئے تنکوں کا دستیاب ہونا ناممکن ہو جائیگا +

۹۔ مطلب یہ ہے کہ مصائبِ عشق سے دل نہ ہارنا چاہئے۔ اگر معرفتِ الٰہی حاصل نہ ہوگی تو مجازی بتوں کی سیر ہی ہو جائے گی۔ اسد بے دماغ آئینۂ دل میں بتوں کی تصاویر تو نظر آتی ہے۔ اہلِ تصوف عشق مجازی سے عشق حقیقی کو پہنچتے ہیں مطلب یہ کہ اگر تو منزل عشق حقیقی کو نہ پہنچ سکے گا تو منزل عشق مجازی ہیں تو قائم رہ۔ اگر معرفت الٰہی حاصل نہ ہوگی تو آئینۂ دل ہیں حسن معشوقان مجازی تو نظر آتا رہے گا۔

۱۰۔ غفلت عمر کی کفیل اور اسد عیش و عشرت کا ضامن۔ اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسد تو غفلت سے یہ سمجھ رہا ہے کہ موت آئے گی ہی نہیں عیش و عشرت ہیں بسر کئے جا اور گلچھرے اڑائے جا۔ اُس کو تو ہرگز موت کا خیال نہیں آئیگا اور اعمال نیک نہ کریگا لیکن اے مرگِ ناگہاں تجھے کس بات کا انتظار ہے تو کیوں غفلت کر رہی ہے اسد کا کام تمام کیوں نہیں کر دیتی تو تو ناگہاں یعنی بے موقع بھی آسکتی ہے اور اب تو بہت اچھا موقع ہے۔

(۲۲۳)

۱ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے	سا آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
۲ گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے	سا حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں
۳ افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے	سا پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت ہیں اے خدا
۴ وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے	سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالئے
۵ شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے	ہے چشمِ تر ہیں حسرتِ دیدار سے نہاں
۶ صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے	درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

۱۔ میں تمہاری مثال دینے کے لئے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ تمہارے روبرو

آئینہ رکھدوں اور تم اپنا مثل آئینے میں دیکھ لو۔ کیونکہ کوئی اور معشوق تو ایسا نظر نہیں آتا جس سے تمہاری مثال دے سکوں ۔

۲۔ میری حسرت نے تیری بزم خیال یعنی میرے دل میں نگاہوں کا ایک گلدستہ رکھدیا جیسے لوگ سویدائے دل کہتے ہیں ۔ سویدا اُس سیاہی کو کہتے ہیں جو دل پر داغ کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے ۔ مطلب یہ کہ میری حسرت بھری نگاہیں جو تیرے دیدار سے محروم رہیں یہیں دل میں جمع ہو گئی ہیں ۔

۳۔ اے خدا محبّت کے کان میں کس نے افسونِ انتظار پھونکا ہے جس کو تمنا کہتے ہیں مطلب یہ کہ محبّت ہوتے ہی عاشق معشوق کے انتظار میں مصروف ہوتا ہے ۔

۴۔ مطلب یہ کہ مسافرت کی تکلیفوں کی زیادتی سے تنگ آگیا ہوں اور یہ جی چاہتا ہے کہ صحرا کو مُشتِ خاک سمجھکر اپنے سر پر ڈال لوں تاکہ تکلیف کا خاتمہ ہو جائے ۔ کیونکہ پھر نہ صحرا رہے گا نہ مسافرت رہیگی ۔

۵۔ حسرتِ دیدار کی وجہ سے میری چشمِ تر میں آنسوؤں کا ایسا بے قابو جوش بھرا ہوا ہے جسے دریا کہہ سکتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا بھرا ہوا ہے ۔
عنانِ گسیختہ ۔ بے لگام ۔ بے قابو ۔

۶۔ گلہائے عیش کے کھلنے کے لئے ایسی صبح بہار کی ضرورت ہے جسے پنبۂ مینا کہتے ہیں مطلب یہ کہ صبح بہار سے تو پودوں میں پھول آتے ہیں اور ہمارے عیش کے پھول شیشۂ شراب کی سپیدی دیکھ کر کھلتے ہیں ۔ پنبہ کو بوجہ سپیدی صبح سے تشبیہہ کیا گیا ہے ۔

۷۔ غضب کا مقطع لکھا ہے شوخی کُوٹ کُوٹ کر بھر دی ہے ۔ اپنے عیبوں کو چھپانے میں اور واعظ کو بُرا بتانے میں کمال کر دکھایا ۔ مطلب یہ ہے کہ اے غالب اگر واعظ تجھے بُرا کہتا ہے تو بُرا نہ مان کیونکہ دنیا میں خواہ کوئی کتنا ہی اچھا آدمی کیوں نہ ہو سب اُسے اچھا نہیں کہتے ۔ مطلب پرست لوگ اچھے سے اچھے آدمی کو بھی بُرا بتلاتے ہیں محض اسلئے کہ

وہ ان کے ناجائز مطلب کو پورا نہیں کرتا۔

(۲۲۴)

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے ۱ داغ دلِ بیدرد نظرگاہِ حیا ہے

دل خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار ۲ آئینہ بدستِ بُتِ بدمستِ حنا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی ۳ جی کس قدر افسردگیٔ دل پہ جلا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق ۴ آئینہ باندازِ گُل آغوش کشا ہے

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ ۵ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

خو نے تیری افسردہ کیا وحشتِ دل کو ۶ معشوقی و بے حوصلگی طُرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوئے گرفتاریٔ الفت ۷ دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ ۸ تیغِ ستم آئینہ تصویر نما ہے

اے پرتوِ خورشیدِ جہانتاب ادھر بھی ۹ سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد ۱۰ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگیٔ خلق سے بیدل نہ ہو غالبؔ

"کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

۱۔ گلِ لالہ پر شبنم کے قطرے ادا سے خالی نہیں یعنی بغیر مقصد نہیں۔ وہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دلِ لالہ میں داغ تو ہے مگر درد نہیں اور اس لئے نظرگاہِ حیا بنا ہوا ہے یعنی درد نہ ہونے کی حیا کی وجہ سے گلِ لالہ صورتِ شبنم میں عرق ریزی کر رہا ہے۔

۲۔ اس شعر میں دو خوبصورت اور دلکش معنی نظر آتے ہیں۔ اوّل معنی یہ کہ ایک تو میرا کم بخت دل ہے جو حسرتِ دیدار کی کشمکشوں سے خون ہو گیا اور ایک آئینہ کی تصویر کہ بتِ بدمستِ حنا کے ہاتھ میں ہے اور دیدارِ یار کے مزے لُوٹ رہا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرے خون شدہ دل کو معشوق نے مہندی کی بجائے اپنے ہاتھوں پر مل لیا اور اب

وہ ان کے ناجائز مطلب کو پورا نہیں کرتا ۔

(۲۲۴)

داغِ دلِ بیدرد نظرگاہِ حیا ہے	۱	شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
آئینہ بدستِ بُتِ بدمستِ حنا ہے	۲	دل خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
جی کس قدر افسردگیٔ دل پہ جلا ہے	۳	شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی
آئینہ بانداز گُل آغوش کشا ہے	۴	تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے	۵	قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے	۶	خو نے تیری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے	۷	مجبوری و دعوائے گرفتاریٔ الفت
تیغِ ستم آئینہ تصویر نما ہے	۸	معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے	۹	اے پرتوِ خورشیدِ جہانتاب ادھر بھی
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے	۱۰	ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

بیگانگیٔ خلق سے بیدل نہ ہو غالبؔ
"کوئی نہیں تیرا تو مری جاں خدا ہے

۱۔ گل لالہ پر شبنم کے قطرے ادا سے خالی نہیں یعنی بغیر مقصد نہیں۔ وہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دل لالہ میں داغ تو ہے مگر درد نہیں اور اس لئے نظرگاہِ حیا بنا ہوا ہے یعنی درد نہ ہونے کی حیا کی وجہ سے گل لالہ صورتِ شبنم میں عرق ریزی کر رہا ہے ۔

۲۔ اس شعر میں دو خوبصورت اور دلکش معنی نظر آتے ہیں۔ اوّل معنی یہ کہ ایک تو میرا کم بخت دل ہے جو حسرت دیدار کی کشمکشوں سے خون ہوگیا اور ایک آئینہ کی تصویر کہ بت بدمست حنا کے ہاتھ میں ہے اور دیدار یار کے مزے لوٹ رہا ہے ۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرے خون شدہ دل کو معشوق نے مہندی کی بجائے اپنے ہاتھوں پر مل لیا اور اب

اُسے آئینہ کی طرح دیکھ رہا ہے۔ اور چونکہ خونِ دل نے حنا سے بہتر رنگ دیا ہے اس لئے افراطِ مسرت سے بدستِ حنائے خونِ دل ہو رہا ہے ✦

۳۔ شعلۂ عشق بھی وہ کام نہ کرسکتا تھا جو شعلۂ عشق کے نہ ہونے نے اور اس کی ہوس نے کیا ہے۔ یعنی افسردگیٔ دل نے بہت جلد میرے دل کو جلا دیا۔ مطلب یہ کہ شعلۂ عشق بھی اتنی جلدی میرے دل کو نہ جلا سکتا تھا جتنی جلدی کہ ہوس شعلہ نے دل کو جلا دیا ✦

۴۔ تیری تصویر میں بھی ایسی شوخی ہے کہ آئینہ بھی پھول کی طرح بصد ذوق اُسے آغوش میں لینے کے لئے آغوش کھولے ہوئے ہے ✦ پھول کے کھلنے سے شعرا اُس کا آغوش کُشا ہونا مراد لیتے ہیں ✦

۵۔ قمریٔ عشق سرو میں کفِ خاکستر اور بُلبلِ عشق گُل میں قفسِ رنگ تو رہ جاتی ہے مگر ہمارے جگر سوختہ کا نشان سوائے نالہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ مطلب یہ کہ قمری اور بُلبل کا انجام ہم سے بہتر ہے۔ قمری کو کفِ خاکستر اس کے خاکی رنگ کی بنا پر اور بُلبل کو قفسِ رنگ اس کے رنگ گلہا کو دل میں بسانے کی وجہ سے کہا گیا ہے ✦ اسے بمعنی جز استعمال ہوا ہے ✦

۶۔ ہماری وحشتِ عشق دل کو تیری بُری عادت نے کم کیا۔ یعنی تُو نے ہمارا جوشِ عشق گھٹا دیا۔ معشوق میں بے حوصلگی دکھانا یعنی عاشقوں کی وحشتِ دل سے گھبرانا بُری بلا ہے عاشق کا دل توڑنا معشوق کے لئے زیبا نہیں ✦

۷۔ مجبوراً عشق میں پھنس جانے کے بعد عشق بازی کا دعوےٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی کا ہاتھ سنگِ گراں کے نیچے دب جائے اور وہ ہاتھ نکالنے سے مجبور ہو مگر دعوٰی یہ کرے کہ میں نے اس پتھر سے پیمانِ وفا باندھا ہوا ہے ✦ مطلب یہ کہ عشق خود اختیاری شے نہیں ہے ✦

۸۔ تیری تیغِ ستم سے جو کہ آئینہ تصویر نما ہے، شہیدانِ گذشتہ کا حال معلوم ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح تو نے اپنی تیغِ ستم سے ہمیں شہید کیا ہے اسی طرح گذشتہ زمانے کے معشوقوں نے اپنے عاشقوں کو شہید کیا ہو گا ✦ آئینہ اور تیغ میں چمک وجہ تشبیہ ہے ✦

۹- یہ خطاب ہے آفتابِ حقیقت کی طرف - کہتا ہے کہ جیسا سایہ بظاہر موجود ہے اور فی الواقع اس کی کچھ ہستی نہیں ہے - اسی طرح ہم بھی اس دھوکے میں پڑے ہیں - اگر آفتابِ حقیقت کی کوئی تجلّی ہم پر لمعہ افگن ہو جائے تو یہ دھوکا جاتا رہے اور ہم فنا فی الشمس ہو جائیں - اسلئے کہ آفتاب چمکا اور سایہ کافور ہوا (از حضرت مولانا حالی) +

۱۰- جو گناہ ہم نے کئے ہیں اگر ان کی سزا ملنی ضروری ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت کے ہم نہیں کر سکے اور ان کی حسرت دل میں رہ گئی - ان کی داد بھی ملنی چاہئے - (از یادگارِ غالب) +

۱۱- اے غالب لوگوں کی بیگانگی سے تو افسردہ خاطر نہ ہو - اے میری جان غالب اگر تیرا اور کوئی نہیں تو خدا تو ہے +

(۲۲۵)

منظور تھی یہ شکل تجلّی کو نُور کی	۱	قسمت کھُلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی
اِک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں	۲	پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حُور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو	۳	کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی
لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل، کہ کیوں اُٹھا	۴	گویا ابھی سُنی نہیں آوازِ صُور کی
آمد بہار کی ہے جو بُلبل ہے نغمہ سنج	۵	اُڑتی سی اِک خبر ہے زبانی طیور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں	۶	کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب	۷	آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طُور کی
گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر	۸	کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

۱- نعتیہ شعر ہے - نور کی تجلّی کو تیری شکل میں ظاہر ہونا منظور تھا - اور تیرے قد و رُخ سے ظہور نور کی قسمت کھُل گئی +

۲۔ یہ شعر حقیقت اور مجاز دونو پہلو رکھتا ہے مگر بہ نسبت مجاز کے حقیقت پر زیادہ چسپاں ہے۔ (از یادگار غالب)۔

۳۔ اس شعر میں پھر مرزا صاحب کی شوخی رنگ دکھا رہی ہے۔ شعر صاف ہے۔ "کیا بات ہے" طنز یہ جملہ ہے۔

۴۔ مجھ سے میرا قاتل روز حشر اس بات پر لڑتا ہے کہ میں اس کے اٹھائے بغیر کیوں اٹھا گویا اس نے صور اسرافیل کی آواز سُنی ہی نہیں اور اُس کو معلوم ہی نہیں کہ قیامت آ گئی اور آج سب مُردے اٹھیں گے۔ مطلب یہ کہ اس کو اس بات کا یقین ہی نہ تھا کہ قیامت بھی آئیگی اور مظلوموں کی داد دیجائے گی۔

۵۔ بُلبل کی نغمہ سنجی سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار آنے والی ہے۔ گویا طیور کی زبانی یہ اُڑتی سی خبر ہے۔ اُڑتی سی خبر یعنی ایک افواہ ہے۔

۶۔ شعر صاف ہے۔ کعبہ میں پہلے بُت تھے جو وہاں سے نکال دیئے گئے تھے۔

۷۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ہم کو بھی ایسا ہی جواب ملے جیسا کہ حضرت موسےٰ کو (لَن تَرانی) ملا تھا۔ اس لئے ہم بھی کوہِ طُور کی سیر کریں۔ ممکن ہے ہمیں جلوۂ حقیقت نظر آ جائے۔

۸۔ گرمی کلام بُری چیز نہیں لیکن جتنی اُس شوخ میں ہے اس قدر نہ ہونی چاہئے۔ اُن کا تو یہ حال ہے کہ جس سے وہ بات کرتے ہیں وہ ان کی بدکلامی کا شاکی ہو جاتا ہے۔

۹۔ اس شعر سے میرزا کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانہ میں لکھی گئی جبکہ بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ میرزا اس شعر میں بادشاہ کے ساتھ جانے کا کمال اشتیاق ظاہر کرتے ہیں یہانتک کہ اس کے لئے منت مانتے ہیں مگر منت یہ مانتے ہیں کہ حج کا ثواب حضور کی نذر کرونگا۔ اُدھر سفر حج کا وہ اشتیاق اور ادھر حج کے ثواب کی یہ بیقدری (از یادگار غالب)۔

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے	۱	یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ	۲	ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے
نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں	۳	گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا زُہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی	۴	پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے
ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں	۵	پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے
زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے	۶	آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے
ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو	۷	انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ	۸	رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

۹ شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

۱۔ میرا دلِ ناکام غم سہنے میں بہت کمزور ہے۔ اس کے لئے ایسی معمولی بات کا رنج بھی بہت زیادہ ہوتا ہے کہ مئے گلفام تھوڑی رہ گئی ہے۔

۲۔ یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تلچھٹ بھی میرے لئے کافی ہے مگر اس خیال سے کہ ساقی مجھے ذلیل اور کم ہمت اور قانع نہ سمجھے اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ (از یادگارِ غالب)۔

۳۔ یعنی جو شخص گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں ہوتا ہے اُس کا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا۔ ساری خرابیاں شہرت اور اقتدار اور نام و نمود کے ساتھ وابستہ ہیں (از یادگارِ غالب)

۴۔ زہد خواہ ریائی نہ ہو اور حقیقی ہی ہو۔ لیکن میں تو زہد کا قائل نہیں۔ کیونکہ اس میں عمل کا نیک بدلہ ملنے کی بہت طمعِ خام ہوتی ہے۔ یہی خیال رہتا ہے کہ جنت میں شراب اور حوریں ملیں گی۔ میں تو ایسے زہد کا قائل نہیں جو غرض پر ہو۔

۵۔ عقلمند لوگ کس روش خاص پہ ناز کرتے ہیں۔ اُن میں بھی عام رسوم کی پابندی بہت

زیادہ پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اہلِ خرد بھی پابندیٔ رسوم میں مبتلا ہیں۔ پس وہ کس بات پر ناز کر سکتے ہیں +

۶۔ اے ہمسفرو مجھے تو چاہِ زمزم پر ہی چھوڑ دو کیونکہ میرا لباسِ احرام شراب سے بہت آلودہ ہو رہا ہے۔ مجھے طوفِ حرم سے کیا فائدہ ہوگا +

۷۔ اب بھی اگر میرا کام نہ بنا تو غضب ہو جائیگا کیونکہ انہیں وصل سے انکار نہیں اور مجھے اصرار بہت زیادہ ہے +

۸۔ اے مرگ مجھے ابھی دُنیا میں رہنے دے کیونکہ ابھی تو میں میدانِ عشق میں داخل ہی ہوا ہوں ابھی بہت کچھ کام کرنا ہے۔ بڑے بڑے مصائب اٹھانے ہیں۔ اور یادِ یار میں جگر کا خون آنسو بنا کر بہانا ہے +

۹۔ مقطع صاف ہے + بدنامی شراب پینے کی وجہ سے یا بہت مشکل اشعار لکھنے کی وجہ سے مراد ہو سکتی ہے +

۲۲۷

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے	۱ جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لختِ لخت کو	۲ عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے
پھر وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہے دم	۳ برسوں ہوئے ہیں چاکِ گریباں کئے ہوئے
پھر گرمِ نالہ ہائے شرر بار ہے نفس	۴ مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے
پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق	۵ سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے
پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل	۶ سازِ چمن طرازیٔ داماں کئے ہوئے
باہمدگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب	۷ نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے
دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے	۸ پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے
پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب	۹ عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کئے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال ۱۰ صد گلستاں نگاہ کا ساماں کئے ہوئے

— پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا ۱۱ جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے

— مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس ۱۲ زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کئے ہوئے

— چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو ۱۳ سُرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے

— اِک نو بہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ ۱۴ چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں ۱۵ سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن ۱۶ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
۱۷ بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

۱- شعر صاف ہے - قدح شراب کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے اس لئے بہت سے پیالوں سے چراغاں ہونی ضروری ہے ۔

۲- میرا جگر پہلے ہی ناوکہائے مژگاں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے - اب پھر دعوتِ مژگاں یار کرنا مقصود ہے - اس لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو جمع کر رہا ہوں - تاکہ پھر لذتِ زخمِ ناوکہائے مژگاں حاصل کروں ۔

۳- پھر احتیاطِ جنوں کرتے کرتے دم گھٹنے لگا یعنی اب ضبط نہیں ہو سکتا کیونکہ گریباں چاک کئے بہت عرصہ گذر چکا - جنوں کا تقاضا ہے گریباں چاک کر ڈالے ۔

۴- پھر میرا جی چاہتا ہے کہ نالہ ہائے شرر بار کھینچوں کیونکہ سیرِ چراغاں کئے ہوئے عرصہ گذر گیا - (چونکہ نالے شرر بار ہیں اس لئے ان کی چنگاریوں سے چراغاں کی سیر تصور کی گئی ہے

۵- پھر عشق زخمہائے دل کی مزاج پُرسی کے لئے لاکھوں نمکداں لے کر چلا ہے مطلب یہ کہ سوزِ عشق نے پھر دل کے زخموں میں آگ لگا دی ۔

۶- پھر میری پلکوں کے قلم دل کے خون سے بھرے ہوئے ہیں یعنی میری پلکوں پر آنسو آئے ہیں

ہیں تاکہ دامن پر گلکاریاں کریں + مژہ کو خامہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک نہایت لطیف تشبیہ ہے۔ خونِ دل کو روشنائی اور دامن کو کاغذ تصوّر کیا گیا ہے +

۷۔ پھر دل خیالِ یار میں محو ہؤا ہے اور آنکھیں نظارہ یار کی تمنّا کر رہی ہیں اس لئے پھر دونو رقیب ہو گئے ہیں (اس مضمون کو مرزا صاحب نے پہلے بھی دوسرے طریقوں سے باندھا ہے)

۸۔ میرا دل پھر غرور و خودداری کے بتکدہ کو ویران کر کے کوئے ملامت یعنی کوئے یار کے طواف کو جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ کششِ کوئے یار کے مقابلے میں ہم اپنے غرور و خودداری کو قائم نہ رکھ سکے +

۹۔ پھر عشق نے عقل و دل و جان کی متاع بیچنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور خریدار یعنی حُسن کی طلب ہے + مطلب یہ کہ عشق میں پہلے عقل و دل و جان کی دولتیں حُسن پر نثار کرنی ہوتی ہیں +

۱۰۔ پھر خیال نگاہِ صد گلستاں کا سامان لئے ہوئے ہر ایک گُل و لالہ یعنی ہر ایک معشوق کی طرف دوڑ رہا ہے + صد گلستاں نگاہ۔ یعنی نگاہ جمالِ یار سے سَو باغوں کی سیر کا لُطف اُٹھا لیتی ہے

۱۱۔ پھر میں جان کو عنوانِ خط کی دلفریبی پر نذر کرنے کے لئے دلدار کا خط کھولنا چاہتا ہوں۔ یعنی اپنی جان تو میں عنوانِ خط پر ہی نذر کر دونگا +

۱۲۔ پھر مجھے خواہش ہوئی ہے کہ معشوق اپنے روشن چہرے پر زلفِ سیاہ پریشان کئے ہوئے اپنے بام پر نظر آجائے +

۱۳۔ پھر میری آرزو ہے کہ معشوق پلکوں کی چھریوں کو سرمہ سے تیز کر کے میرے سامنے آجائے۔ گویا سرمہ پلکوں کی چھریوں کے لئے اُس پتھّر کا کام کرتا ہے جسے فساں کہتے ہیں اور جس پر چھریاں تیز کی جاتی ہیں (پتھّر اور سرمہ کی مناسبت واضح ہے)

۱۴۔ میری نگاہ پھر اک نوبہار ناز کو جس کا چہرہ فروغِ مے سے گلستاں جیسا ہو تاک رہی ہے یعنی تلاش کر رہی ہے +

۱۵- پھر دل میں خواہش ہے کہ دربان کے احسان کا بوجھ اُٹھائے ہوئے معشوق کے دروازے پر پڑے رہیں ۔

۱۶- اس شعر میں بھی مرزا صاحب کی شوخ طبعی واضح ہے ۔ فرماتے ہیں میرا دل پھر وہی فرصت کے دن رات ڈھونڈھ رہا ہے جبکہ تصورِ جاناں کئے ہوئے بیٹھا رہتا تھا (گویا عشق بازی بیکار آدمیوں کا کام ہے)

۱۷- اے غالب ہمیں نہ چھیڑ ہم پھر جوشِ گریہ کی وجہ سے طوفان برپا کرنے کا ارادہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں ۔

(۲۲۸)

۱ نویدِ امن ہے بیدادِ دوست جاں کے لئے — رہے نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے

۲ بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے — رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کیلئے

۳ وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر — نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

۴ رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک — بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

۵ فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں — درازدستیٔ قاتل کے امتحاں کے لئے

۶ مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

۷ گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی — اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

۸ بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل — کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

۹ دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

۱۰ زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

۱۱ نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک — بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستاں کے لئے

۱۲ زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش — بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے

۱۳ ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے — سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالبؔ ہُوا ہے نکتہ سرا
۱۴ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

ا- دوست کے ظلم جان کے لئے امن کی مبارکباد ہو گئے۔ کیونکہ دوست ہر ایک قسم کا ظلم ہم پر کر چکا ہے اور آسمان کے لئے ہم پر ظلم کرنے کا کوئی طرز باقی ہی نہ چھوڑا۔ لہٰذا اب ہماری جان آسمان کے ظلموں سے محفوظ ہو گئی ۔

۲- میں اپنا بہت سا خون یعنی بہت سے آنسو مژہ یار کے لئے بہا چکا اگر اب بھی وہ پیلی ہی ہے تو ہو۔ آخر مجھے اپنی پلکوں کے لئے بھی کچھ آنسو رکھنے ہیں ۔

۳- اس شعر سے شوخیٔ طبع کے علاوہ مرزا صاحب کی ظرافت بھی واضح ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں اے حضرت خضر ہم ایسے زندہ ہیں کہ دُنیا ہمکو جانتی اور پہچانتی ہے۔ اور آپنے عمرِ جاوداں کے لئے چوروں جیسی زندگی کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں ۔

۴- تیری ادا صرف میرے لئے نہیں بلکہ اک جہاں کے لئے بلائے جان ہو گئی ۔ مگر میرے لئے دو آفتیں ہو گئیں ایک تو تیری ادا اور دوسرے آفتِ رشک۔ رشک اسلئے کہ دوسرے بھی کیوں اُس بلا میں مُبتلا ہوئے جس میں مَیں مُبتلا تھا ۔ (ایسے شوخ اور لطیف اشعار کہنا مرزا صاحب کا ہی حصّہ تھا) ۔

۵- اے آسمان (مقتل میں تو) مجھے اس سے دُور نہ رکھ۔ یہ کیا ضرور ہے کہ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھکو قتل کر ڈالے۔ قاتل کی درازدستی کے امتحان کے لئے صرف میں ہی تو نہیں ہوں اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ قتل ہونے سے پہلے کچھ دیر تو جمالِ یار کے دیدار سے مسرور ہو لوں گا ۔

۶- اس سے زیادہ کوشش کی سختی کس پیرایہ میں بیان ہو سکتی ہے (از یادگارِ غالب)

۷- اس شعر میں بھی ایک وسیع مضمون کو نہایت دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شعر کا

مطلب یہ ہے کہ یار کے حکم کے بموجب پاسبان مجھے محفل یار میں جانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ میں چپکے سے پاسبان کے پاس جا بیٹھا۔ پاسبان نے مجھے گدا سمجھ کر کچھ نہ کہا۔ میری جو شامت آئی میں اٹھا اور اٹھ کر پاسبان کے قدم پکڑ لئے تاکہ خوشامد سے پاسبان کو اپنے اوپر مہربان کرلوں۔ لیکن معاملہ دگرگوں ہوگیا۔ پاسبان فوراً تاڑ گیا کہ یہ تو حضرت غالب ہیں اور اُس نے فوراً ہی مجھے دھکّے دے کر دربار سے دُور ہٹا دیا۔

۸۔ غزل کا تنگ ظرف میرے وسیع شوقِ سخن کے لئے کافی نہیں ہے۔ میرے بیان کیلئے شاعری کی کوئی اور صنعت بھی درکار ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے غزل کے علاوہ قصیدہ بھی کہنا چاہیئے (اس شعر کے بعد مرزا صاحب کو مدح سرائی کرنی منظور تھی۔ لہذا اس کو اس پیرایہ میں بیان کیا۔ مدح سرائی کرنے کے لئے کیا اچھا گریز ہے)۔

۹۔ عیش درحقیقت تجمل حسین خاں کے لئے بنا ہے۔ اگرچہ خدا نے اس غرض سے کہ تجمل حسین خاں کو نظر نہ لگے تھوڑا تھوڑا عیش دنیا کے اور لوگوں کو بھی دیدیا ہے۔

۱۰۔ یا خدا میری زبان پر کس کا نام آیا کہ میری گویائی میری زبان کے بوسے لینے لگی۔

۱۱۔ دین اور دولت کا مددگار اور ملک و ملت کا معین یعنی تجمل حسین خاں چرخ بریں محض اس لئے بنایا گیا کہ اُس کا آستاں بنایا جائے۔

۱۲۔ اس کے عہد میں زمانہ آرائش میں محو ہے۔ آسمان کے لئے بھی اور ستارے بنائے جائیں گے کیونکہ ان ستاروں سے آسمان کی پوری آرائش نہیں۔

۱۳۔ ورق ختم ہوا اور ممدوح کی مدح ابھی باقی ہے۔ اس بحرِ بیکراں کے لئے سفینہ درکار ہے۔

۱۴۔ غالب نے ادائے خاص سے نکتہ سرائی یعنی سخن سرائی کی ہے۔ اسی لئے یاران نکتہ داں کے لئے عام دعوت ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

قصائد

قصیدۂ اوّل در منقبت

ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار ۱ سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

مستیِ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ ۲ ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ ۳ تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت ۴ کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل ۵ راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم ۶ سرنوشتِ دو جہاں ابر بیک سطرِ غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو باندازِ ہلال ۷ قوّتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کفِ ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز ۸ دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی ۹ بھول جا یک قدحِ بادہ بطاقِ گلزار

موجِ گل ڈھونڈھ بہ خلوت کدۂ غنچۂ باغ ۱۰ گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشۂ چمن کی تصویر ۱۱ سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

حل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ ۱۲ طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیر سرائے ۱۳ چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور ۱۴ رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

سبزہ نہ چمن یک خطِ پشتِ لبِ بام ۱۵ رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار

واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کار ۱۶ وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفا ۱۷ چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز ۱۸ گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار
آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیٔ ناز ۱۹ عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار ۲۰ دلِ پروانہ چراغاں پرِ بلبل گلزار
شکلِ طاؤس کرے آئنہ خانہ پرواز ۲۱ ذوق میں جلوہ کے تیرے بہوائے دیدار
تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں ۲۲ سلکِ اختر میں مہ نو مژۂ گوہر بار
ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز ۲۳ ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استظہار
مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعتِ نبیؐ ۲۴ جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار
جوہرِ دستِ دعا آئنہ یعنی تاثیر ۲۵ یکطرف نازشِ مژگاں و دگرسو غمِ خار
مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگہ ۲۶ خاکِ در کی ترے جو چشم نہ ہو آئنہ دار
دشمنِ آلِ نبیؐ کو بہ طرب خانہ دہر ۲۷ عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیدار

دیدہ تا دل اسدؔ آئینہ یک پرتو شوق
۲۸ فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

۱۔ فیضِ چمن سے چمن کی خاک کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے۔ لالۂ بے داغ کا سایہ بھی بہار کا سویدائے دل ہے یعنی اُسے بہت عزیز ہے۔ بیکار ہونا تو کجا (فیضِ چمن سے مراد بہارِ چمن ہے)۔

۲۔ بادِ صبا کی مستی سے جوہرِ تیغ کہسار یعنی سبزۂ قلۂ کوہ ریزۂ شیشۂ مے بن گیا ہے۔ سبزہ کو ریزہ شیشہ مے سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ ریزہ شیشہ میں سبزی جھلکتی ہے۔ تیغ کوہ قلہ کوہ کو کہتے ہیں۔ اور اس کے جوہر سے مراد سبزہ ہے۔

۳۔ فیضِ بہار سے داغِ پلنگ جامِ زمرد کی طرح سبز رنگ ہو گیا ہے۔ اور روئے شرار ریشۂ نارنج کی طرح تر و تازہ ہو گیا ہے۔

۴۔ مستئ ابر کے اثر سے حسرت بھی خوشی کے پھول توڑنے والی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں دو عالم کے غموں کا خاتمہ ہوجانے کا امکان ہے +

۵ سبب کوہ و صحرا بلبلوں کے شوق کی وجہ سے معمور ہو گئے ہیں۔ گویا خندۂ گل سے راہ خوابیدہ بھی بیدار ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اُن راستوں پر بھی جہاں کسی کا گذر نہ ہوتا تھا۔ اور راہ خوابیدہ کہلاتے تھے اب خندۂ گل کی وجہ سے ہجوم عنادل نظر آرہا ہے +

۱۱۔ آجکل فیضِ ہوائے بہار سے بادل کی ایک لکیر بھی مژگانِ یتیم کی طرح تمام دُنیا کے بادلوں کی بارش بھری ہوئی ہے۔ مژگانِ یتیم ہمیشہ روتی رہتی ہیں اس لئے بیک سطر غبار سے تشبیہ دی گئی ہے +

۷۔ آجکل اگر ناخن بھی کاٹئے تو بیکار نہیں جاتا۔ قوتِ نامیہ ہلال کی طرح اُس کو بڑھاتے بڑھاتے پورا چاند بنا دیتی ہے +

۸۔ فیضِ ہوا نے بیجان چیزوں میں بھی روح پھونکدی ہے۔ چنانچہ یک مشتِ خاک میں یہ تاثیر ہوگئی ہے کہ وہ قمری خاکستر رنگ کی طرح گردوں پر پرواز کرسکتی ہے اور ہر کاغذِ آتش زدہ دام طاؤس کا شکار کرتا ہے یعنی صورت طاؤس بن جاتا ہے + کاغذِ آتش زدہ میں جو چمکدار نقطے ظاہر ہوتے ہیں وہ گول شکل کے ہوتے ہیں اس لئے اُن سے دامِ طاؤس مراد لیا گیا +

۹۔ اگر تجھے میکدے میں گل چینی کی خواہش ہو یعنی اگر تو میکدے میں گلزار چاہتا ہے تو اُس کا آجکل بڑا آسان طریقہ یہ ہے کہ تو یک قدح بادہ طاقِ گلزار میں رکھ کر بھول جا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد قوتِ نامیہ اُس یک قدح بادہ سے لاکھوں قدح بادہ بنا دے گی گویا میکدہ بنجائیگا اور پھر میکدے میں تیری آرزوئے گل چینی پوری ہو جائے گی کیونکہ میکدہ اور باغ دونو ایک ہی جگہ ہو جائینگے (مرزا صاحب کے تخیل کے سوا اور کس کا تخیل یہ رنگ دکھا سکتا ہے +

۱۰- آجکل اگر تو گوشۂ میخانہ میں اپنی دستار بھول جائے تو اُسے پھر گوشۂ میخانہ میں نہ ڈھونڈھ کیونکہ قوتِ نامیہ کے اثر سے اس تھوڑے سے وقفہ میں ہی جتنے وقفے میں کہ تجھے اپنی گمشدہ دستار یاد آئی گوشۂ میخانہ گوشۂ باغ بن چکا اور پیچ دستار موجِ گل ہو گئی ۔ خلوتکدۂ غنچۂ باغ سے گوشۂ باغ مراد ہے +

۱۱- آجکل اگر مانی فکرِ چمن کی تصویر کھینچنا چاہے تو خطِ پرکار خطِ نوخیز کی مانند سبز رنگ ہو جائے

۱۲- طوطیٔ سبز کہسار نے آنحضرت کی مدحت سرائی کے لئے لعل کی منقار حاصل کی ہے کہسار کے سبزے کو طوطی اور لعل کو منقار تصور کیا گیا ۔ شاہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں

۱۳- وہ شہنشاہ کہ جس کے روضۂ مقدس کی تعمیر کے لئے حضرت جبرئیل کی آنکھ کو اینٹوں کا سانچہ بنایا گیا +

۱۴- اُس کی تعمیر میں فلک العرش خم دوش مزدور بن گیا ۔ اور فیض ازل کا رشتہ اُس کے معمار کی رسی ہے جس سے معمار دیوار کی راستی و کجی معلوم کرتا ہے +

۱۵- سبزۂ نہ چمن سے مراد نو آسمان ہیں ۔ مطلب یہ کہ نو آسمانوں کی بلندی اور اُس کے محل سرا کی چھت کی بلندی برابر ہے ۔ اور سو عارفوں کی رفعت ہمت اور اُس کی دیوارِ حصار برابر ہیں ۔ دیوارِ حصار یعنی فصیل چار دیواری +

۱۶- جس کو وہاں کی گھانس پھونس سے ایک تنکا بھی حاصل ہو جائے ۔ وہ تمام عمر پری کے پر کے پنکھے سے بیزار رہے یعنی اُس تنکے کو بہتر سمجھے +

۱۷- عارف لوگ خاکِ صحرائے نجف پر سفر کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں ۔ اور نقشِ قدم کو اپنے بختِ بیدار کا آئینہ جانتے ہیں +

۱۸- اُس گرد کا ذرہ خورشید کے لئے موجبِ فخر آئینہ ہے اور اس گرد کی دشت امید کا جامۂ احرام ہے ۔ نقشِ قدم کو حیرانی کے لحاظ سے آئینہ قرار دیا اور گرد کو ڈھانپنے کی صفت کی وجہ سے جامہ +

۱۹ سرزمین نجف اشرف سے آفرینش بھی مستیٔ فخر طلب کرتی ہے - اور ہر موجِ غبار گویا اس کی ایک انگڑائی ہے - نشے کے آثار پر انگڑائیاں آتی ہیں اس لئے موجِ غبار اٹھنے سے انگڑائیاں آنی قرار دے کر طلب مستی ناز تصور کرتے ہیں - گویا آفرینش کو بھی سرزمین نجف اشرف کی پیدائش پر فخر و ناز ہے + دوسرے مصرع میں آفرینش کی بجائے لفظ ایجاد استعمال کیا گیا ہے

۲۰ - اے شمع شبستانِ بہار تیرے فیض سے پروانہ کا دل مانند چراغاں روشن اور پرِ بلبل مانند گلزار ہو گیا ہے - یعنی تیرے فیض سے پروانہ و بلبل کی امیدیں پوری ہو گئی ہیں +

مطلع ثانی

۲۱ - یا علی علیہ السّلام آئینہ خانہ مثلِ طاؤس تیرے ذوقِ جلوہ اور تیری ہوائے دیدار میں پرواز کرتا ہے +

۲۲ - حضرت حسن علیہ السّلام اور حضرت حسین علیہ السّلام کے غم میں آسمان پر گویا مژہ اور ستارے آنسوؤں کی لڑیاں ہیں +

۲۳ - تیرا نقشِ قدم عبادت کے لئے سجدہ گاہ ہے اور تیرا حوصلہ ریاضت کے لئے سہارا (لفظ ہم فارسی ہے جو بھی کے معنی دیتا ہے مطلب یہ کہ تیرا نقشِ قدم سجدہ گاہ عبادت بھی اور تیرا حوصلہ ریاضت کے لئے سہارا بھی ہے)

۲۴ - تیری مدح میں نعت زمزمہ بنی نہاں ہے اور تیرے جام سے بادۂ جوشِ اسرار عیاں ہے - مطلب یہ کہ تیری مدح کرنا گویا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدح کرنا ہے - اور جس نے تیری محبت کا جام پی لیا یعنی تجھ سے محبت کی وہ اسرار الٰہی سے واقف ہو گیا +

۲۵ - تیرا دستِ دعا آئینہ کی مانند ہے اور تاثیر اس کا جوہر ہے - ایک طرف مژگاں کا فخر اور دوسری طرف خار ناکامی کا غم - مطلب یہ ہے کہ تیری دعا فوراً قبول ہوتی ہے اس وقت مژگاں کو جو کہ بوقت دعا آنسو برساتی ہیں خوشی اور عزت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف

خارِ ناکامی کو ملال و غم ہوتا ہے ۔

۲۶۔ جو آنکھ تیرے در کی فرمانبردار نہ ہو وہ مردمکِ چشم کی سیاہی کی وجہ سے نگاہ کے اقبال کا عزا خانہ بن جائے یعنی اُس آنکھ کو کامیابی نصیب نہ ہو۔ (مردمک۔ آنکھ کی پُتلی) ۔

۲۷۔ (خمیازہ بمعنی انگڑائی۔ خمیازہ سیلاب سے مراد موجِ سیلاب ہے) مطلب یہ ہے کہ دشمنِ آلِ نبی کے واسطے اس طرب خانہ دہر کی ہر ایک محراب موجِ سیلاب بنجائے اور اُس کو غرق کردے ۔

۲۸۔ اسد آنکھ سے لے کر دل تک پرتوِ شوق کا آئینہ ہے اور راقم کا ساغر فیضِ معنی سے لبریز ہے۔ مطلب یہ کہ اسد سراپا شوقِ محبتِ علی علیہ السّلام بن گیا ہے اور اس لئے اس کا کلام فیضِ معنی سے سرشار ہے ۔

قصیدۂ دوم

در منقبت

دہر جُز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں	۱	ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خودبیں
بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق	۲	بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دُنیا ہے نہ دیں
ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم	۳	لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں
نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت	۴	سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں
لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم	۵	دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے، چہ دُنیا و چہ دیں
مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم	۶	صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکیں
عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس	۷	وصل زنگارِ رُخِ آئینۂ حُسنِ یقیں
کوہ کن گرسنہ مزدورِ طربگاہِ رقیب	۸	بے ستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں
کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز	۹	کس نے پایا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن ۱۰ نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ ۱۱ یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر ۱۲ یا علیؑ عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسلؐ ۱۳ قبلۂ آلِ نبیؐ کعبۂ ایجادِ یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرمِ خرام ۱۴ ہر کفِ خاک ہو واں گردۂ تصویرِ زمیں

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اُس کا جس جا ۱۵ وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

نسبتِ نام سے اُس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے ۱۶ ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

فیضِ خُلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا ۱۷ بُوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

بُرشِ تیغ کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا ۱۸ قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے ۱۹ رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا! شاہا! ۲۰ وصیِ ختمِ رسلؐ تو ہے بہ فتوائے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر ۲۱ نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب ۲۲ شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ ۲۳ رقمِ بندگیٔ حضرتِ جبریلِ امیں

تیرے در کے لئے اسبابِ نثار آمادہ ۲۴ خاکیوں کو جو خدا نے دئے جان و دل و دیں

تیری مدحت کیلئے ہیں دل و جاں کام و زباں ۲۵ تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

کس سے ہو سکتی ہے مداحیٔ ممدوحِ خدا ۲۶ کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسدؔ ۲۷ کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

شوخیٔ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب ۲۸ ہے ترے حوصلۂ فضل پر از بسکہ یقیں

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول ۲۹ کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز ۳۰ کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

طبع کو الفتِ دُلدل میں یہ سرگرمیِ شوق ۳۱ کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے جبیں
دلِ اُلفت نسب و سینۂ توحید فضا ۳۲ نگہ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں
صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دُودِ دوزخ
۳۳ وقفِ احباب گُل و سُنبلِ فردوسِ بریں

۱۔ دُنیا جلوۂ معشوق یکتا کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر حُسن اپنے آپ کو دیکھنے والا نہ ہوتا تو ہم کہاں ہوتے۔ مطلب یہ کہ دنیا آئینۂ معشوقِ حقیقی ہے۔ اگر معشوقِ حقیقی اپنا عکس نہ دیکھنا چاہتا تو نہ دنیا ہوتی نہ ہم ہوتے۔ یعنی دُنیا کی ہر ایک شے میں اُسی کے نور کا جلوہ ہے۔

۲۔ ہم نے سیرِ دُنیا ایسی بیدلی سے کی کہ ہمیں نہ عبرت حاصل ہوئی نہ لذت۔ اس لئے تمنا کی بیکسی پر افسوس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوئی نہ دیں۔ یعنی اگر عبرت حاصل کرتے تو دین سنور جاتا اور اگر لذت ہی حاصل کرتے تو دُنیا کے مزے لُوٹتے۔

۳۔ ہستی و عدم کے زیر و بم یعنی نشیب فراز کا نغمہ فضول ہے۔ اور جنون و تمکیں کو مختلف چیزیں سمجھنا لغو ہے۔ مطلب یہ کہ نہ ہستی و عدم میں فرق ہے اور نہ جنون و تمکیں میں کوئی اختلاف۔ ذاتِ باری تعالےٰ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

۴۔ نقشِ معنی عرضِ صورت کا خمیازہ ہے اور سخنِ حق گویا ذوقِ تحسین کا پیمانہ۔ مطلب یہ کہ جو لوگ حقیقت شناس ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دراصل ظاہر پرست ہیں۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو حق گو کہتے ہیں وہ گویا تحسین و آفرین حاصل کرنے کے شوقین ہیں۔

۵۔ دانشمندی کی شیخی فضول ہے اور عبادت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دُنیا اور دین دونو غفلت کے ایک ہی ساغر کی تلچھٹ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ہمارا ہر ایک عمل خواہ دُنیا کے لئے ہو یا دین کے لئے نفع یا لالچ پر مبنی ہے۔ دُنیا و دین ساغرِ غفلت کا دُرد ہے جس نے ہمیں محبتِ معشوقِ حقیقی سے غافل کر دیا ہے۔

۶ - دنیا میں تسلیم و رضا سے بھی وفا کی طرح کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ اور نقشِ قدم کی طرح تمکین کے سر پر بھی خاک پڑتی ہے۔ یعنی ذلیل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وفا و تسلیم و تمکین بے وقعت ہیں +

۷ - عشق اجزائے حواس کے منتشر ہونے کا نام ہے اور وصل خوبیٔ یقین کے آئینہ کا زنگار ہے۔ یعنی اگر آئینہ یقین پر زنگار نہ ہوتا۔ تو معشوق کے جلوہ کا عکس لے لیتا اور پھر خواہش وصل باقی نہ رہتی +

۸ - فرہاد کوہکن اپنے رقیب خسرو کی عشرت گاہ کا ایک مزدور تھا اور کوہ بیستون شیریں کی گہری نیند کا آئینہ۔ مطلب یہ کہ عشق کوہکن نے بھی شیریں پر کوئی اثر نہ کیا پس معلوم ہؤا کہ اثرِ عشق فرضی شے ہے +

۹ - کس نے اہلِ وفا کی آہ کو آتش خیز دیکھا ہے۔ اور کس نے دلہائے حزیں کے نالوں میں اثر دیکھا ہے۔ مطلب یہ کہ نہ آہِ اہلِ وفا میں اثر ہے نہ نالہائے دلِ حزیں میں +

۱۰ - میں اہلِ جہاں کے زمزمے سُنتا ضرور ہوں لیکن نہ مجھے اُن کی تعریف سے مقصد ہے نہ نفرین سے + زمزمہ طنزاً کہا گیا مطلب بیہودہ باتوں سے ہے +

۱۱ - خدا کی پناہ میں کس قدر بیہودہ گو ہوں آدابِ وقار و تمکیں سے بالکل خارج ہو گیا یعنی اُوپر جو کچھ بیان کیا اُس میں آدابِ تمکیں کو بالکل بھلا دیا (یہ شعر گریز ہے۔ قصیدہ میں جب تمہید سے اصل مضمون یعنی مدح ممدوح کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک یا دو شعر ایسے لکھنے پڑتے ہیں جو تمہید اور مدح ممدوح کے درمیان واسطہ ہو جائے اُن اشعار کو گریز کہتے ہیں) شعر نمبر ۱۲ بھی گریز ہے +

۱۲ - اے بیہودہ باتیں تحریر کرنے والے قلم لاحول کا تعویذ لکھ اور اے وسواس میں پھنسی ہوئی طبیعت یا علی کہہ +

۱۳ - کون علی؟ جو کہ فیضِ خدا کا ظاہر کرنے والا اور حضرت محمد صلوات اللہ علیہ خاتم رسل

کی جان و دل ہے - وہ آلِ نبی کا قبلہ یعنی بزرگ ہے اور ایجادِ یقیں کا کعبہ ہے +

۱۴- وہ جہاں کے ایجاد کا سرمایہ یعنی علی جس زمین پر گرم خرام ہو وہاں کی ہر کفِ خاک میں یہ قابلیت ہو جاتی ہے کہ وہ کرۂ زمین بن سکتی ہے +

۱۵- جس جگہ پر اُس کا نقشِ قدم پڑ جائے تو وہ خاک زیرِ قدم دو عالم کی عزت کی مانند ہو جاتی ہے +

۱۶- زمین کو اُس کے (علی) کے نام سے یہ رُتبہ حاصل ہوُا ہے کہ ہمیشہ زمین کے فخر سے پشتِ فلک جھکی رہے گی (حضرت علی علیہ السلام کی کُنیت ابوتُراب ہے) +

۱۷- یہ اُس کے ہی فیضِ خلق کا اثر ہے کہ بادِ صبا بوئے گُل سے ہمیشہ معطر رہتی ہے مطلب یہ کہ پھُول نے خوشبو اُسی کے فیضِ خلق سے حاصل کی ہے +

۱۸- اُس کی تیغ کی بُرش کا ساری دُنیا میں چرچا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایجادِ آفرینش کا سلسلہ ہی قطع ہو جائے +

۱۹- اس کا جلوہ ایسا کفر سوز ہے کہ جس سے عاشق کے رنگ کی طرح بُتخانہ چین کی رونق بھی جاتی رہتی ہے + (عاشق کے چہرے سے رنگ و رونق جاتی رہتی ہے) چین اپنے بُت خانوں اور فنِ نقاشی کے لئے مشہور رہے ہے +

۲۰- اے جان کو پناہ دینے والے اور اے جان و دل کو فیض پہنچانے والے اور اے شاہ یقین کے فتوے کے بموجب ختمِ رُسل کا جانشین تُو ہی ہے - یعنی مجھے اس بات کا پُورا یقین ہے اور میرا ایمان ہے کہ ختمِ رُسل کا جانشین تُو ہی ہے +

۲۱- تیرے جسمِ اطہر کے لئے دوشِ پیغمبر منبر ہے اور تیرا نام نامی ناصیہ عرش کے نگین پر کندہ ہے (حضرت علی نے دوشِ پیغمبر پر سوار ہو کر کعبے کے بُتوں کو توڑا تھا) +

۲۲- تیری مدح جیسی کہ ہونی چاہیئے ذات واجب یعنی خدائے تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ شمع کی نمود شعلہ شمع ہی سے ہوتی ہے حضرت علی کو شمع اور ذات واجب

کو شعلۂ شمع قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ شعلہ سے زیادہ شمع کو اور کون جان سکتا ہے جس کے لئے شمع اپنی جان قربان کر دیتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی نے معشوق حقیقی کی محبت کے لئے اپنی جان کو وقف کر دیا تھا پھر معشوق حقیقی کے سوا اور کون اُن کی پوری تعریف کر سکتا ہے ٭

۲۳۔ تیرے آستاں کے آئینہ سنگ پر حضرت جبرئیل کے سجدوں کے نشان جوہر آئینہ کا کام دیتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت جبرئیل نے بارہا تیرے سنگ آستان پر ناصیہ سائی کی ہے (جوہر آئینہ کی تشبیہہ طوطی سے دی جاتی ہے۔ یہاں پر حضرت جبرئیل کے سجدوں کے نشانات کو جوہر آئینہ قرار دیا گیا ہے ٭

۲۴۔ خداوند تعالےٰ نے انسانوں کو جو جان و دل ودیں بخشے ہیں وہ تیرے دروازے پر نثار ہونے کے لئے اسباب ہیں۔ یعنی تیرے در پر نثار کرنے کے لئے ہی دیئے گئے ہیں ٭

۲۵۔ تیری مدحت کے لئے کام وزبان کا کام دل وجان دیتے ہیں اور لوح وقلم تیرے سلام کرنے کے لئے دست وجبیں کا کام دیتے ہیں ٭ کام کو دل سے زبان کو جان سے دست کو قلم سے اور جبیں کو لوح سے تشبیہہ دی گئی ہے ٭

۲۶۔ ممدوح خدا کی مداحی کون کر سکتا ہے۔ فردوس بریں کی آرائش کس سے ہو سکتی ہے یعنی سوائے خدا کے نہ کوئی فردوس بریں کی آرائش کر سکتا ہے نہ کوئی حضرت علی کی مداحی کر سکتا ہے ٭

۲۷۔ اسد اللہ خاں اسد جنس بازار معاصی ہے تیرے سوا اس کا اور کوئی خریدار نہیں مطلب یہ کہ تو ہی اُس کی بخشش کرائیگا ٭ (حضرت علی کا لقب اسد بھی تھا) ٭

۲۸۔ مجھے تیرے حوصلۂ فضل پر اتنا یقین ہو گیا ہے کہ میں عرض مطالب میں گستاخ ہو گیا ہوں ٭

۲۹- شعر صاف ہے۔

۳۰- غمِ حسین علیہ السّلام سے میرے سینہ کو اتنا لبریز کردے کہ میری آنکھیں آنسوؤں سے رنگین رہیں۔

۳۱- میری طبع کو دُلدل (رہوار) کی الفت میں ایسا شوق عطا کر کہ جہاںتک وہ چلے میری جبیں اُس کے قدموں کے نیچے رہے۔

۳۲- میرا دل الفت سے نسبت رکھنے والا اور سینہ توحید سے بھرا ہوا۔ میری نگاہ جلوہ پرست اور نفس صدق گزیں یعنی صداقت پسند ہو۔

۳۳- تیرے دشمنوں کے لئے آگ کی حدت اور دوزخ کا دھواں ہو اور تیرے دوستوں کے لئے فردوس بریں کے گل و سنبل ہوں۔

قصیدۂ سوم

ہاں مہِ نو سُنیں ہم اُس کا نام ۱ جس کو تو جُھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح ۲ یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب ۳ بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا ۴ آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سُرورِ خاصِ خواص ۵ حبّذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر میں تین دن نہ آنے کے ۶ لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اُس کو بھُولا نہ چاہیے کہنا ۷ صبح جو جائے اور آئے شام

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا ۸ تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے ۹ مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام

جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں ۱۰ ایک ہی امید گاہِ انام

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش ۱۱ غالبؔ اُس کا مگر نہیں ہے غلام
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو ۱۲ تب کہا ہے بطرزِ استفہام
مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ ۱۳ قربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام
تجھ کو کیا پایۂ روشناسی کا ۱۴ جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام
جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو ۱۵ پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
ماہ بن، ماہتاب بن؛ میں کون ۱۶ مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
میرا اپنا جُدا معاملہ ہے ۱۷ اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص ۱۸ گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِّ فروغ ۱۹ کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام
جب کہ چودہ منازلِ فلکی ۲۰ کر چکے قطع تیری تیزیٔ گام
تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر ۲۱ کوئے و مشکوئے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز ۲۲ اپنی صورت کو اک بلوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا ۲۳ توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام ۲۴ تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں ۲۵ غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے ۲۶ کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام
کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس ۲۷ اب تو باندھا ہے دَیر میں احرام
اُس قدح کا ہے دَور مجھ کو نقد ۲۸ چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ دام
بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار ۲۹ دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے ۳۰ کیوں رکھوں ورنہ غالبؔ اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ ۳۱ اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا ۳۲ ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن ۳۳ نامِ شاہنشہِ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ ۳۴ مظہرِ ذوالجلال والاکرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف ۳۵ نو بہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز ۳۶ جس کا ہر قول معنئ الہام

بزم میں میزبانِ قیصر و جم ۳۷ رزم میں اوستادِ رستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا ۳۸ اے ترا عہد فرخی فرجام

چشمِ بد دور خسروانہ شکوہ ۳۹ لوحش اللہ عارفانہ کلام

جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم ۴۰ جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام

وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ ایرج و تور و خسرو و بہرام

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیو و گودرز و بیژن و رہام

مرحبا موشگافئ ناوک ۴۳ آفریں آبدارئ صمصام

تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف ۴۴ تیغ کو تیری تیغِ خصم نیام

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو دے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام

فنِ صورت گری میں تیرا گرز ۴۷ گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام

اُس کے مضروب کے سر و تن سے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صفحہ ہائے لیالی و ایام

اوران اوراق میں بکلکِ قضا ۵۰ مجملاً مندرج ہوئے احکام

لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام

آسماں کو کہا گیا کہ کہیں ۵۲ گنبدِ تیز گرد نیلی فام
محکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب باد و خاک نے لی ۵۴ وضع سوز و نم ورم و آرام
مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز ۵۵ ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام
تیری توقیع سلطنت کو بھی ۵۶ دی بدستورِ صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم ۵۷ اس رقم کو دیا طرازِ دوام

ہے ازل سے روانیٔ آغاز
۵۸
ہو ابد تک رسائیٔ انجام

۱۔ ہاں اے ہلال ہمیں اُس کا نام سُنا دے جس کو تو جھک کر سلام کر رہا ہے۔ مہِ نو خمیدہ ہوتا ہے اس لئے اُس کے جھکنے سے سلام کرنا مطلب لیا گیا (ہلالِ عید سے خطاب ہے جیسا کہ آگے ذکر کیا گیا ہے)

۲۔ (دو دن غائب رہنے سے پیشتر) دو دن تو ہمیں بوقتِ صبح اسی طریق سے اور ایسا ہی نازک نظر آیا ہے +

۳۔ آخر یہ تو بتاؤ کہ دو دن تک تو کہاں غائب رہا (اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ) بندۂ عاجز ہے یہ گردشِ ایام کی بدولت ہے۔ (اس تمثیل نے بیان عجیب پُر لطف دکھایا ہے کیونکہ گردش ہی چاند کے غائب رہنے کا سبب ہے) +

۴۔ اگر تو اُڑ کر بھی آسمان سے بھاگنا چاہتا تو نہ بھاگ سکتا تھا کیونکہ آسمان نے تیرے لئے تاروں کا جال پھیلا رکھا تھا +

۵۔ اے خاص لوگوں میں سے منتخب لوگوں کے سرور مرحبا اور اے تمام لوگوں کے نشاط جنداں۔ تین دن غیر حاضر رہنے کے عذر میں تو عید کا پیغام لے کر آیا ہے +

۶۔ اُس کو بھولا ہوا نہ کہنا چاہئے جو صبح جا کر شام کو واپس آجائے (صبح کا بھولا شام کو آجائے

تو بھولا نہ جانئے - یہ ایک ضرب المثل ہے) ÷

۸ - ایک مجھکو ہی نہیں بلکہ سب کو معلوم ہو گیا کہ کس طرح نو ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال ہو جاتا ہے ÷

۹ - کیا تو مجھے چغلخور سمجھتا ہے کہ مجھ سے اپنا رازِ دل چھپاتا ہے ÷

۱۰ - میں خوب جانتا ہوں کہ آجکل دنیا میں عوام الناس کی امیدگاہ ایک ہی ہے (یعنی بارگاہ حضرت بہادر شاہ ظفر بادشاہ دھلی)

۱۱ - یہ میں نے مانا کہ تو اس کا غلام ہے - لیکن کیا غالب اُس کا غلام نہیں ہے؟ ضرور ہے (ہلال کو حلقہ سے مشابہ ہونے کی وجہ سے حلقہ بگوش کہا گیا ہے) حلقہ بگوش بمعنی غلام - دستور تھا کہ غلام کے کان میں بالی ڈال دیتے تھے ÷

۱۲ - یہ میں جانتا ہوں کہ تو بھی اس امر سے واقف ہے کہ میں بھی بادشاہ کا غلام ہوں اور اس لئے بطرزِ استفہام تجھ سے دریافت کیا ہے ÷

۱۳ - ۱۴ - ہر ناباں کو تو بارگاہ ممدوح کا تقرّب روزانہ حاصل ہو سکتا ہے - لیکن تجھے سوائے عیدِ ماہ رمضان کے اور کس دن یہ تقربِ ممدوح حاصل ہونا ممکن ہے ÷

۱۵ - اُس کے یعنی ممدوح کے فیض سے تو پھر ماہ تمام بننا چاہتا ہے ÷

۱۶ - میں تجھ پر رشک نہیں کرتا - میرا تجھ سے کیا تعلق - تو ماہ بن یا ماہتاب بن - تو کیا مجھ کو اپنے انعام میں سے مجھے کچھ حصہ دیدیگا ÷

۱۷ - مجھے دوسرے کے لین دین سے کیا کام - میرا معاملہ علیحدہ ہے - یعنی تو بھی ممدوح سے فائدہ اُٹھاتا رہ اور میں بھی - لیکن آپس میں رشک نہ ہونا چاہئے ÷ (اس قصیدے میں روزمرّہ اور زبان کی صفائی خاص طور پر دلکش ہے - معاملہ نے کیا معاملہ بندی کی ہے) ÷

۱۸ - مجھے خاص بخشش کی آرزو ہے اور تجھے محض رحمتِ عام کی اُمید ÷

۱۹ - جو تجھے کمال روشنی بخشے گا کیا مجھے مئے گلفام عطا نہ کریگا - مطلب یہ کہ ہم دونوں اپنا

اپنا انعام حاصل کریں گے +

۲۰ - ۲۱ - جبکہ تیری تیز رفتاری آسمان کی چودہ منزلیں طے کرے گی تو تُو ماہِ تمام بن جائیگا اور تیرے پرتو سے کوچہ و قصر و صحن و منظر و بام روشن ہو جائیں گے +

۲۲ - اُس وقت میرے ہاتھ میں بھی اِک بلورین جامِ شراب دیکھنا جو تیرے ہی جیسا روشن اور ضو فگن ہوگا +

۲۳ - توسنِ طبع لگام کا اشارہ چاہتا تھا - پھر روشِ غزل پر چلنے لگا - یعنی میری طبع اشارہ پاتے ہی غزل کی طرف رجوع ہوگئی +

غزل

۲۴ - زہرِ غمِ عشق سے میرا کام تمام ہونے والا ہی تھا - تو مجھے قتل کرکے خواہ مخواہ بدنام کیوں ہوا (معشوق سے خطاب ہے) +

۲۵ - اگر شراب پیتا ہوں تو شراب حرام ہے - اگر میں شراب نہیں پیتا تو غم کی وجہ سے زیست حرام ہو جاتی ہے - اس سے یہی بہتر ہے کہ میں شراب ہی پئے جاؤں تاکہ تمام زندگی تو حرام نہ ہو (اس شعر میں بھی بے انتہا شوخی برتی ہے) +

۲۶ - بوسہ ملنا تو کیا - یہی غنیمت سمجھو کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مجھے اُن کی دُشنام میں بھی بڑی لذت حاصل ہوتی ہے - اگر یہ سمجھ گئے تو گالیاں دینی بھی بند کردیں گے +

۲۷ - ہم نے جس طرح بجائے کعبہ مندر میں احرام باندھا ہے - اسی طرح کسی دن کعبے میں ناقوس جا بجائیں گے - (احرام کعبہ میں باندھا جاتا ہے اور ناقوس مندر میں بجایا جاتا ہے) مطلب یہ کہ ہمارے لئے کعبہ اور دَیر یکساں ہے - خدا کی عبادت ہر جگہ ہوسکتی ہے نہ وہ ہر جگہ موجود ہے +

۲۸ - مجھے اس قدح کا دَور حاصل ہے یعنی میں اُس کی محبت کی شراب پیتا ہوں جس سے آسمان نے گردش قرض لی ہے - مطلب یہ ہے کہ آسمان بھی خدا کی محبت میں گردش کرتا ہے

(نقد اور روام میں تضاد ملاحظہ ہو) +

۲۹۔ جن کو میرا دل لینے کی ضد تھی افسوس ہے کہ وہ بوسہ دینے سے بھی انکار کرتے ہیں (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اور چند الفاظ کی طرح لفظ بوسہ سے بھی خاص الفت رکھتے تھے +

۳۰۔ میں انہیں اس لئے چھیڑتا ہوں کہ انہیں مجھ پر غصہ آئے اور مجھے گالیاں دینے لگیں۔ جس پر جب مجھے غصہ آئے تو میں اپنے غصے کو مغلوب کرلوں اور اس پر غالب آجاؤں۔ اس لئے میں نے اپنا نام غالب رکھا ہے +

۳۱۔ (اب پھر ماہ نو سے خطاب ہے) کہ اے ماہ نو۔ اے پری چہرہ اور اے پیک تیز خرام میں تو سب کچھ کہہ چکا اب تو مجھ کو یہ بتا +

۳۲۔ کہ وہ کون شخص ہے جس کے در پر چاند۔ سورج۔ زہرہ اور مریخ اپنی پیشانی رگڑتے ہیں

۳۳۔ اگر تو نہیں جانتا تو اس شہنشاہ بلند مقام کا نام مجھ سے سن لے +

۳۴۔ اس کا نام بہادر شاہ ہے جو دل اور چشم کا قبلہ ہے یعنی جس سے دل اور چشم کی امیدیں برآتی ہیں اور جو مظہر ذوالجلال والاکرام ہے یعنی خدا کا سایہ ہے +

۳۵۔ انصاف کے راستے کا شہسوار یعنی بڑا منصف ہے اور اسلام کے باغ کی نو بہار ہے یعنی اسلام کی زیبائش اسی کے دم سے ہے +

۳۶۔ جس کا ہر فعل معجزہ ہے اور جس کا ہر قول حقیقتِ الہام رکھتا ہے +

۳۷۔ بزم میں قیصر وجم جیسے بادشاہ اس کا میہمان بننا فخر سمجھتے ہیں اور رزم میں وہ رستم ذسام کا استاد ہے +

۳۸۔ (اسے بادشاہ) تیری مہربانی رندگی افزا اور تیرا عہد فرخی فرجام (مبارک خصلت والا) ہے +

۳۹۔ تیرے شکوہِ خسروانہ سے چشمِ بد دور رہے اور سبحان اللہ! تیرے عارفانہ کلام کی

کیا تعریف ہو سکتی ہے +

۴۰ - قیصر روم بھی تیرے جاں نثاروں میں سے ہے اور جمشید بھی تجھ سے فیض پانے والوں میں سے ایک ہے + (مرشدِ جام سے مراد جمشید ہے) جرعہ بمعنی گھونٹ +

۴۱ - ایرج وغیرہ بادشاہان ایران تجھ کو ملک کا مالک جانتے ہیں +

۴۲ - گیو وغیرہ پہلوانان ایران تیرے زورِ بازو کو مانتے ہیں +

۴۳ - ۴۴ - (ق) تیرے تیر کو مرحبا کہ دشمن کے تیر کو نشانہ بناتا ہے اور تیری صمصامِ آبدار کو آفرین کہ دشمن کی تیغ کو اپنا نیام بنالیتی ہے یعنی اُس کے اندر اُتر جاتی ہے - اس قطعہ میں صنعت تقسیم دکھائی گئی ہے +

۴۵ - ۴۶ - (ق) تیرے فیل گراں جسد کی صدا رعد کا دم بند کرتی ہے اور تیرے رخش سُبک عناں کا خرام برق کو الزام دیتا ہے +

۴۷ - ۴۸ - (ق) اگر تیرا گرز مصوری میں پوری دستگاہ نہ رکھتا ہو تو جس کے سر پر وہ مارا جائے اُس کے سر و تن سے صورتِ ادغام کیوں نمایاں ہو - یعنی اُس کے سر و تن آپس میں ایک دوسرے سے کیوں مِل جائیں +

۴۹ - جب روزِ ازل راتوں اور دنوں کے صفحے بنائے گئے +

۵۰ - اور ان اوراق لیالی و ایام میں مختصر طور پر احکام درج ہوئے +

۵۱ - تو شاہدوں کو عاشق کُش لکھدیا گیا اور عاشقوں کو نامراد لکھا گیا +

۵۲ - آسماں کی نسبت کہا گیا کہ اس کو تیر پھرنے والا نیلی خام گنبد کہیں +

۵۳ - اور یہ حکم بھی لکھا گیا کہ خال کو دانہ اور زلف کو دام لکھیں +

۵۴ - اور آگ کو سوز - آب کو نم - باد کو رم اور خاک کو آرام دیا گیا (صنعت لف ونشر مرتب) +

۵۵ - مہرِ رخشاں کا نام دن کا بادشاہ اور ماہِ تاباں کا نام رات کا کوتوال رکھا گیا +

۵۶ - تو اے بادشاہ تیرے فرمانِ سلطنت کو بھی حسب دستور تحریر میں لایا گیا ۔

۵۷ - تو کاتبِ حکم نے حکم کے بموجب اس تحریر کی ہمیشگی سے زیبائش دی یعنی ہمیشہ کے لئے لکھ دیا ۔

۵۸ - تیری سلطنت کے آغاز کی روانی ازل سے ہے۔ خدا کرے اس کے انجام کی رسائی ابد تک رہے یعنی روزِ ازل تیرے نام سلطنتِ دوام لکھی گئی تھی ۔ خدا کرے تیری سلطنت ابد تک قائم رہے ۔

قصیدۂ چہارم

صبحدم دروازۂ خاور کھلا	۱	مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں	۲	شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اِک سیمیا کی سی نمود	۳	صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	۴	دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو	۵	موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر	۶	اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِّ سحر	۷	بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا
لاکے ساقی نے صبوحی کے لئے	۸	رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سُلطانی ہوئی آراستہ	۹	کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
تاجِ زریں مہرِ تاباں سے سوا	۱۰	خسروِ آفاق کے مُنہ پر کھلا
شاہِ روشن دل بہادر شہ کہ ہے	۱۱	رازِ ہستی اُس پہ سرتاسر کھلا
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں	۱۲	مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے	۱۳	عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام ۱۴ اس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے ۱۵ واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب ۱۶ تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا

نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب ۱۷ تو کہے بُت خانۂ آذر کھلا

مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کی ۱۸ منصبِ مہر و مہ و محور کھلا

لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک ۱۹ میری حدِ وسع سے باہر کھلا

تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید ۲۰ کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار ۲۱ مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس ۲۲ لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا غزل ۲۳ کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے ۲۴ یار کا دروازہ پاویں گر کھلا

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ ۲۵ دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ ۲۶ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان ۲۷ کب کمر سے غمزہ کی خنجر کھلا

مُفت کا کس کو بُرا ہے بدرقہ ۲۸ رہ روی میں پردۂ رہبر کھلا

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک ۲۹ آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

نامہ کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ ۳۰ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو غالبؔ سے گر اُلجھا کوئی ۳۱ ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہُوا مدحت طرازی کا خیال ۳۲ پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

خامہ نے پائی طبیعت سے مدد ۳۳ بادباں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا

مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ ۳۴ یاں عرض سے رُتبہ جوہر کھلا

مہر کانپا، چرخ چکر کھا گیا ۳۵ بادشاہ کا رایتِ لشکر کھُلا
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب ۳۶ اب علوئے پایۂ منبر کھُلا
سکّہ شہ کا ہوُا ہے روشناس ۳۷ اب عیارِ آبروئے زر کھُلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئنہ ۳۸ اب مآلِ سعیٔ اسکندر کھُلا
مُلک کے وارث کو دیکھا خلق نے ۳۹ اب فریبِ طغرل و سنجر کھُلا
ہو سکے کیا مدح ہاں اِک نام ہے ۴۰ دفترِ مدحِ جہاں داور کھُلا
فکر اچھی پر ستائش نا تمام ۴۱ عجزِ اعجازِ ستائش گر کھُلا
جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل ۴۲ تم پہ اے خاقانِ نام آور کھُلا

تم کرو صاحبقرانی جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھُلا ۴۳

۱- صبح کے وقت مشرق کا دروازہ کھُلا - مہرِ عالمتاب کا منظر نظر آنے لگا +
(خاور - مغرب و مشرق و آفتاب تینوں معنوں میں مستعمل ہے)

۲- رات کے وقت جو موتیوں کا خزانہ کھُلا ہوُا تھا - وہ صبح ہی خسروِ انجم یعنی آفتاب نے خرچ کر ڈالا - مطلب یہ کہ سُورج نکلتے ہی ستارے غائب ہو گئے +

۳- مہ و اختر کے وجود کا صبح کو راز کھُل گیا - صبح ہوتے ہی غائب ہو گئے گویا اُن کی ہستی سیمیا کی سی ہستی تھی + سیمیا اُس طلسم کا نام ہے جس سے اپنی روح دوسرے جسم میں لے جا سکیں اور اشیائے موہوم کا وجود لوگوں کو دکھلا سکیں +

۴- ستارے حقیقت میں کچھ اور ہیں اور نظر کچھ اور آتے ہیں - یہ بازیگروں کی طرح کھُلا دھوکہ دیتے ہیں +

۵- گردوں پر رات کے وقت بکھرے ہوئے ستارے موتیوں کے زیورات معلوم ہوتے تھے جو کھلے ہوئے پڑے تھے +

۶۔ صبح کو مشرق کی طرف اک آتشیں رُخ معشوق سر برہنہ نظر آیا ۔
۷۔ وہ محض نظر بندی تھی کہ ایک معشوق نظر آتا تھا۔ جب جادو کا اُتار گیا۔ یعنی جب غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ وہ تو بادۂ گلرنگ کا ساغر تھا (سُبحان اللہ کیا زبان روزمرہ اور محاورہ بندی ہے۔ مرزا کا کلام بھی سحر ہے۔ بلاغت میں خاقانی معلوم ہوتے ہیں اور فصاحت میں قاآنی نظر آتے ہیں)
۸۔ اور ساقی نے صبح کی شراب پینے کے لئے ایک جامِ زر کھلا ہُوا رکھدیا ہے ۔
۹۔ (یہ شعر گریز ہے) صبح کو بزمِ سُلطانی آراستہ ہوئی اور امن و امان کے کعبہ کا در کھُل گیا ۔
۱۰۔ جہز اباں سے زیادہ تاجِ زریں خسرو آفاق یعنی بہادر شاہ بادشاہ کے مُنہ پر کھُلا۔
۱۱۔ میرا بادشاہ بہادر شاہ روشن دل ہے اور اس پر رازِ ہستی پورے طور پر کھُلا ہُوا ہے ۔
۱۲۔ وہ ایسا ہے کہ جس کی پیدائش میں نو آسمانوں اور سات سیاروں کی پیدائش کا مقصد ظاہر ہُوا یعنی اُس نے اُن کی پیدائش کا مقصد واضح کردیا ۔
۱۳۔ اس کے ناخن تاویل سے احکامِ پیغمبر کی گرہ کھُل گئی یعنی اُسی نے احکامِ پیغمبر کو فصاحت کے ساتھ بیان فرمایا ۔
۱۴۔ اُس کے سرہنگوں کی فہرست میں دارا کا نام سب سے اوپر لکھا ہُوا ہے یہ مطلب یہ کہ دارا اُس کی فوج کا سردار تھا (سرہنگ بمعنی سردار اور سپاہی، دونو طور پر مستعمل ہے
۱۵۔ قیصر اُس کے رُوشناسوں میں سے ایک ہے۔ (قیصر۔ روم کا بادشاہ ۔ روم کے لوگ خوبصورت ہوتے ہیں اس لئے قیصر کو روشناسوں میں رکھا گیا۔ اور دارا فوج بہت زیادہ رکھتا تھا اس لئے اس کو سردار قرار دیا ۔
۱۶-۱۷۔(ق) بادشاہ کے نوسن میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ رشکِ صرصر تھان سے

کھلا تو اُس کے پاؤں کے نقشوں سے ایسی دلفریب صورتیں بن گئیں گویا بتخانہ آذر کھل گیا (توسن اُس بچھیرے کو کہتے ہیں جس پر سواری نہ ڈالی گئی ہو) +

۱۸- بادشاہ کی تربیت کے فیض سے مجھ پر مہر و ماہ و محور کی حقیقت کھل گئی۔ محور۔ علم ریاضی میں وہ وہمی خط ہے جس کا ایک سرا قطب شمالی سے اور دوسرا سرا قطب جنوبی سے پیوستہ ہے۔ (مرزا صاحب کی کسرِ نفسی یا خوشامد ملاحظہ ہو۔ بادشاہ کے اُستاد ہیں اور شاگردی کا دعوے کرتے ہیں) +

۱۹- میرے لاکھوں عقدے جن میں سے ہر ایک میری قابلیت سے باہر تھا آسانی سے کھل گئے +

۲۰- میرا دل وابستہ یعنی میری غبی طبیعت اُس قفل کی مانند تھی جس کی کنجی بنائی ہی نہ گئی ہو نہیں سمجھتا کہ میرا قفلِ دل کس نے کھولا کب کھولا اور کیونکر کھولا۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کے فیوض کے طفیل سے میری طبیعت کھلی

۲۱- اگر شاہ سخن گستر نے مجھ پر نظر مہر فرمائی تو میں اپنے گلشن معانی کی بہار دکھلاؤں گا +

۲۲ (میرزا صاحب پھر غزل کہنا چاہتے ہیں)۔ جہاں نفس سرگرم غزلخوانی ہو لوگ سمجھتے ہیں کہ عنبر کا طبلہ (ڈبہ) کھل گیا۔ مطلب یہ میری غزل سے ہوا خوشبودار ہو جاتی ہے (غزل اور طبلہ میں لفظی رعایت بھی ہے)

غزل

۲۳- افسوس کہ میں قفس میں اس طرح پر کھولے ہوئے بیٹھا ہوں کاش قفس کا دروازہ کھلا ہوا ہوتا تو میں اُڑ جاتا +

۲۴- ہمارے آواز دینے پر یار کا دروازہ کھلے تو جب ہمارے جانے کا لطف ہے۔ اور اس طرح ہم جانا نہیں چاہتے کہ یار کا دروازہ کھلا ہو اور چلے جائیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے جانے کا لطف جب ہی ہے کہ یار ہمارا پابند ہو اور سوائے ہمارے اور کسی کو اُس کے گھر میں داخل

ہونے کی اجازت نہ ہو۔ جب ہم جائیں تب ہی اُس کا دروازہ کھُل سکتا ہے۔ اس طرح جانا ہمارے لئے باعثِ توہین ہے کہ یار اپنے مکان میں اغیار کے پہلو میں بیٹھا ہُوا ہو۔ ہر کس و ناکس کو اندر جانے کی اجازت ہو اور وہاں ہم بھی جا کر ایک کونہ میں بیٹھ جائیں۔

۲۵۔ افسوس کہ دوست کا راز دشمن پر کھُل چُکا ہے اور ہم ابھی تک اسی گھمنڈ میں ہیں کہ ہم ہی اُس کے راز دار ہیں۔

۲۶۔ واقعی دل پر داغ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زخم داغ سے بھی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ زخم کھُلنے سے مراد زخم کا بڑھنا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن کھلنا بہتر معلوم ہونے کے معنی میں یہاں زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

۲۷۔ مطلب یہ کہ میری شومئی قسمت سے صفِ مقتولین میں جب تیرے قتل کا نمبر آیا تو یار کے ابرو نے کمان رکھدی اور غمزہ نے کمر سے خنجر کھولدیا۔ یعنی یار نے مجھے قتل کرنے سے احتراز کیا۔

۲۸۔ مُفت کا رہبر کس کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن رہبروی میں رہبر کا بھید کھُل گیا۔ مطلب یہ کہ وہ بھی ہماری طرح سے ناواقف نکلا۔ لیکن چونکہ مُفت کا ہے اس لئے رہبر نہ سہی ساتھی ہی سہی۔

۲۹۔ بارانِ اشک دل کی آگ بجھا نہیں سکتا۔ آگ سے کجلا جاتی ہے کیونکہ اگر بارانِ اشک تھوڑی دیر کے لئے بھی تھم جاتا ہے تو آتشِ دل پھر بھڑک اُٹھتی ہے۔

۳۰۔ اُن کا خط کیا آیا گویا میرا پیغامِ مرگ آگیا۔ مطلب یہ کہ مجھے شادی مرگ ہو گیا اور خط میرے سینے پر کھُلا پڑا رہا۔

۳۱۔ خبردار غالب سے نہ اُلجھنا اگرچہ ظاہرا طور پر وہ رند اور کافر ہے۔ مگر باطناً وہ ولی ہے۔ اگر بد دُعا کر دی تو ستیاناس ہو جائے گا۔ دوسرا مصرعہ دوسرے معنی بھی دے سکتا ہے کہ اگرچہ وہ باطناً ولی ہے مگر بد معاش کے ساتھ کھُلا بدمعاش بھی ہے۔ وہ

ہاتھا پائی سے بھی گریز نہ کرے گا +

۳۲- پھر مدح بادشاہ کا خیال جو نشز ہُوا - اور پھر میں نے چاند سورج جیسے مدحیہ اشعار لکھنے شروع کئے (مطلب یہ کہ پھر قصیدہ کی طرف رجوع کرتا ہوں) +

۳۳- خامہ نے طبیعت سے مدد پائی - یعنی بادبان کے اُٹھتے ہی لنگر کھُلا - خامہ کو بادبان سے اور طبیعت کو لنگر سے تشبیہ دی گئی ہے +

۳۴- یہاں مدح سے ممدوح کی شان ظاہر ہوئی - یعنی بیان سے جوہر کا رُتبہ معلوم ہُوا +

۳۵- جب بادشاہ کے لشکر کا جھنڈا کھُلا تو خوفزدہ آسمان ہو کر کانپنے لگا اور آسمان کو چکر آنے لگے (آسمان کے ساتھ چکر کھانا اور مہر کے ساتھ اُس کا کانپنا فطرتی چیزیں ہیں) +

۳۶- جب خطیب نے بادشاہ کا نام منبر پر لیا تب منبر کے پایہ کی بزرگی ظاہر ہوئی +

۳۷- آبروئے زر کا سبب اب معلوم ہُوا جبکہ اس پر بادشاہ کی تصویر کندہ ہوئی + (عیار - کسوٹی - تولنے کا کانٹا - ثبوت - علامت) +

۳۸- شاہ کے سامنے آئینہ رکھا ہُوا ہے - یعنی شاہ آئینہ دیکھ رہے - سکندر کی کوشش کا نتیجہ اب معلوم ہُوا یعنی اُس نے کوشش کر کے آئینہ اسی لئے ایجاد کیا تھا کہ شاہ بہادر شاہ کی آئینہ داری کا فخر حاصل کرے +

۳۹- دُنیا کے حقیقی مالک کو یعنی بہادر شاہ بادشاہ کو اہلِ دُنیا نے اب دیکھا اور اب انہیں معلوم ہُوا کہ طغرل اور سنجر درحقیقت بادشاہ نہیں تھے بلکہ دھوکہ دے رہے تھے (طغرل اور سنجر خاندان سلجوق سے ایران کے زبردست بادشاہ گزرے ہیں) +

۴۰- میں بادشاہ کی مدح کما حقہٗ نہیں کر سکتا - صرف یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ بادشاہ کی تعریف کا دفتر کھُلا - یعنی میں نے بادشاہ کی تعریف لکھی +

۴۱- مداح کی فکر تو اچھی ہے لیکن مدح جیسی کہ چاہئے تھی نہ کر سکا - اس لئے مداح کا اعجاز (خوبیٔ فکر سے) اور عجز (ستائش ناتمام سے) واضح ہو گیا +

۴۶- اے خاقان نام آور میں یہ جانتا ہوں کہ تحریرِ لوحِ ازل تم سے پوشیدہ نہیں ہے- اسلئے مجھے اپنی آرزو عرض کرنے کی ضرورت نہیں +

۴۷- (یہ شعر دعائیہ ہے) خدا کرے تم اُس وقت تک بادشاہی کرو جبتک طلسم روز و شب کھُلا ہوُا ہے- یعنی جب تک دُنیا میں رات دن آتے جاتے رہتے ہیں + (صاحبقران- وہ شخص جو زحل اور مشتری کے ایک ہی برُج میں ہونے کے وقت پیدا ہو- ایسا شخص ضرور بادشاہ ہوتا ہے اور اُس کی بادشاہی دیر تک رہتی ہے) +

در صفت انبہ

ہاں دلِ دردمندِ زمزمہ ساز	۱	کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا	۲	شاخِ گُل کا ہے گُل فشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے	۳	نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے	۴	خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
آم کا کون مردِ میداں ہے	۵	ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں	۶	آئے یہ گوے اور یہ میداں
آم کے آگے پیش جاوے خاک	۷	پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور	۸	بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے	۹	شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے	۱۰	آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گُل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار	۱۱	جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں	۱۲	جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
جاں میں ہوتی اگر یہ شیرینی	۱۳	کوہکن باوجود غمگینی

جان دینے میں اس کو یکتا جان ۱۴ پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر ۱۵ کہ دوا خانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام ۱۶ شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
پایہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے ۱۷ باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بہ حکمِ رب الناس ۱۸ بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات ۱۹ مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل ۲۰ ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس ۲۱ رنگ کا زرد پر کہاں بُو باس
آم کو دیکھتا اگر یک بار ۲۲ پھینک دیتا طلائے دست افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا ۲۳ نازشِ دُودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خُلد کا توشہ ۲۴ طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم ۲۵ ناز پروردۂ بہار ہے آم
خاص وُہ آم جو نہ ارزاں ہو ۲۶ نو برِ نخلِ باغِ سُلطاں ہو
وہ کہ ہے والئے ولایتِ عہد ۲۷ عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عہد
فخرِ دیں عزّ و شاں جاہ و جلال ۲۸ زینتِ طینت و جمالِ کمال
کارفرمائے دین و دولت و بخت ۲۹ چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت
سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے ۳۰ خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور ۳۱ جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خداوندِ بندہ پرور کو ۳۲ وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد و دِل شاد و شادماں رکھیو
۳۳
اور غالبؔ پہ مہرباں رکھیو

۱- اے دل درد مند و زمزمہ ساز تو خزینہ راز کیوں نہ کھولے۔ یعنی تجھے راز کی باتیں بیان کرنی چاہئیں +

۲- قلم کا کاغذ پر چلنا ایسا ہی ہے جیسا کہ شاخ گل کا پھول برسانا +

۳- اے دل تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا لکھوں۔ عقل کی بڑھانے والی باتیں لکھ +

۴- اچھا آموں ہی کی کچھ تعریف لکھ تاکہ قلم نخل رطب فشاں کی مانند ہو جائے +

۵- آم کے مقابلے پر کون میدان میں آسکتا ہے۔ وہ تو شاخ کا بلا اور ثمر کی گیند لئے مقابلہ کو تیار ہے +

۶- انگور کی بیل اپنے دل میں ارمان نہ رکھے۔ آئے اور میدان میں مقابلہ کرے + یہ میدان ہے اور یہ گیند۔ دیکھیں کون بازی جیتا ہے +

۷- انگور آم کے سامنے کیا جیت سکتا ہے۔ اپنے جلے پھپھولے پھوڑ رہا ہے (انگور اور پھپھولے کی مشابہت ملاحظہ ہو) +

۸- شعر صاف ہے +

۹- اُس کا شراب بننا شرم سے پانی پانی ہونا ہے یعنی وہ ناچار اپنی جان کھو دیتا ہے +

۱۰- تمہیں آم کی صفات معلوم نہیں مجھ سے پوچھو اس کے سامنے نیشکر بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا +

۱۱- نیشکر میں نہ پھول نہ پتے نہ پھل۔ اور موسم خزاں میں اس کی بہار ہوتی ہے +

۱۲- اور کوئی چیز قیاس میں نہیں آتی۔ اگر جان شیریں سے آم کا مقابلہ کریں تو وہ بھی اس کے مدمقابل نہیں۔ اس میں آم جیسی مٹھاس کہاں

۱۳-۱۴-(ق) ۔ کیونکہ اگر جان میں یہ مٹھاس ہوتی تو کوہکن جو جان دینے میں یکتا تھا باوجود غمزدہ ہونے کے اتنی آسانی سے جان نہ دے سکتا تھا +

۱۵-۱۶- مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آم کا رس دواخانہ ازل میں آتش گل پر قند کا پکایا

پکایا ہُوا قوام ہے۔ اور شیرے کے تار کا نام آم کا ریشہ ہو گیا ہے +

۱۷-۱۸- یا یہ ہو گا کہ باغبانوں نے جوشِ الفت کے سبب خدا کے حکم کے بموجب جنّت کے باغ سے شہد کے سر بمہر گلاس بھیجدئے ہیں +

۱۹-۲۰- یا حضرتِ خضر نے شاخ نبات لگا کر اس میں مدّتوں تک آبِ حیات سے آبیاری کی ہوگی۔ تب یہ درخت ثمر فشاں ہُوا۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ نخل کہاں +

۲۱-۲۲-(ق) خسرو کے پاس ایک ترنج زر تھا۔ اگرچہ وہ زرد رنگ تھا مگر اُس میں آم جیسی خوشبو کہاں تھی۔ اگر خسرو ایک مرتبہ بھی آم کو دیکھ لیتا تو اس ہاتھ کو تکلیف دینے والے سونے کو پھینک دیتا + دست افشار۔ اسم اور امر کی ترکیب سے اسم فاعل ہے۔ ہاتھ کو نچوڑنے والا یعنی ہاتھ کو تکلیف دینے والا (افشردن۔ نچوڑنا) +

۲۳- آب و ہوا کے خاندان کا فخر اور برگ و نوا کی کارگاہ کی رونق ہے (نوا بمعنی سامان و آواز) برگ و نوا۔ ساز و سامان +

۲۴- آم رہرو راہ خلد کا توشہ ہے۔ اور طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ (طوبیٰ و سدرہ۔ جنّت کے دو درخت ہیں) +

۲۵- شعر صاف ہے +

۲۶- باغ سُلطان۔ ابو ظفر بہادر شاہ شاہ دہلی کا باغ +

۲۷- وہ بادشاہ جو کہ والی ولایت عہد ہے اور جس کے عدل سے زمانے کی حمایت ہو رہی ہے والی ولایت عہد۔ ولایت عہدِ حاضرہ کا والی + ولایت سے مطلب ولی ہونا بھی ہو سکتا ہے +

۲۸- بادشاہِ ممدوح دین کے واسطے فخر اور جاہ و جلال کی شان کو ترقی دینے والا۔ طینت کے لئے زینت اور کمال کا جمال ہے +

۲۹- شعر صاف ہے +

۳۰- اُس کا سایہ ہُما کے سایہ جیسا مُبارک ہے۔ اور وہ مخلوق کے لئے خدا کا سایہ ہے

(بادشاہ کو ظلِ خدا کہتے ہیں)

۲۱-۲۲-۲۳ - اے مفیض وجود سایہ و نور یعنی اے سایہ و نور کے وجود کو فیض پہنچانے والے جب تک سایہ و نور ظاہر ہوتے ہیں اس خداوند بندہ پرور یعنی بادشاہ کو جو کہ تخت و تاج و خزانہ کا وارث ہے شاد و خرم رکھیو اور غالب کے اوپر مہربان رکھیو ؏

قطعات

۱ اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر	اے جہاندارِ کرم شیوہ و بے شبہ عدیل
۲ پاؤں سے تیرے ملے فرقِ ارادت اورنگ	فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکلیل
۳ تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام	تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل
۴ تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قربِ کلیم	تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل
۵ بہ سخن اوج دہِ مرتبۂ معنی و لفظ	بہ کرم داغ نہ ناصیہ قلزم و نیل
۶ تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توقیر	تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
۷ ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر	زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
۸ تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہین	تیری بخشش مرے انجاحِ مقاصد کی کفیل
۹ تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی نوید	تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل
۱۰ بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں	چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل
۱۱ پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتۂ اوقات میں گانٹھ	پہلے ٹھونکی ہے بُنِ ناخنِ تدبیر میں کیل
۱۲ تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم	کششِ دم نہیں بے ضابطۂ جرِ ثقیل
۱۳ درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی	غمِ گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل
۱۴ فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر	کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل
۱۵ میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح	میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف ۱۶ جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون ومکاں خستہ نوازی میں یہ دیر

کعبۂ امن واماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

۱۔ اے شہنشاہ فلک منظر اور بے مثل وبے نظیر۔ اے جہاندار کرم شیوہ اور بے شبہ عدیل بادشاہ فلک منظر۔ آسماں جیسا مرتبہ والا ٭ کرم شیوہ۔ کرم کا شیوہ رکھنے والا ٭

۲۔ اورنگ تخت ٭ اکلیل۔ تاج (شعر صاف ہے) ٭

۳۔ تیرا اندازِ سخن الہام کی زلفوں کا شانہ یعنی الہامی باتوں کا سلجھانے والا ہے۔ اور تیری رفتار قلم جبریل کے بازو کی جنبش جیسی تیز ہے ٭

۴۔ تجھ سے دنیا پر کلیم اللہ یعنی حضرت موسے کا خدا سے رابطۂ قرب ظاہر ہوگیا اور تیری وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بخشش کا دسترخوان بچھا۔ مطلب یہ کہ تجھ کو خدا کی درگاہ میں حضرت موسے جیسا قرب حاصل ہے اور تیرا دسترخوان حضرت ابراہیم کے دسترخوان جیسا وسیع ہے۔ (معاذ اللہ) ٭

۵۔ کلام میں معنی ولفظ کے مرتبے کو اوج دینے والا۔ اور کرم میں دریائے قلزم ونیل کی پیشانی پر داغ لگانے والا یعنی ان دریاؤں کو شرمندہ کرنے والا ہے ٭

۶۔ ۷۔ ماہ نے برج ثور سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ میرے وقت میں عیش وطرب قائم رہے اور زہرہ نے برج حوت سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ تیرے عہد میں رنج والم میں کمی واقع ہو جائے۔ ماہ وزہرہ کا برج ثور میں اور برج حوت میں رہنا مبارک ہے ٭

۸۔ تیری دانش میرے نقائص کی اصلاح کرنے والی اور تیری بخشش میرے مقصدوں کو پورا کرنے کی کفیل ٭ انجاح۔ مقصد پورا کرنا ٭

۹۔ یہاں اقبال بمعنی قبولیت ہے ٭ باقی شعر صاف ہے ٭

۱۰۔ شعر صاف ہے ٭

۱۱- پہلے میرے ناخنِ تدبیر کو بیکار بنا دیا گیا ہے اور پھر سر رشتۂ اوقات میں گرہ لگا دی گئی ہے

۱۲- تپشِ دل میرے لئے موجبِ خوف ہے اور سانس لینا بھی میرے لئے بھاری بوجھ کھینچنے سے کم نہیں +

۱۳- میرا صفحۂ کاغذ دُرہائے معانی سے لقا کی ڈاڑھی معلوم ہوتا ہے اور میرا سینہ غمِ گیتی سے عمر عیار کی زنبیل بن گیا ہے +۔ مشہور ہے کہ لقا کی ڈاڑھی کے ہر ایک بال میں موتی پروئے ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ عمر عیار کی زنبیل میں دُنیا کی بہت سی چیزیں سما جاتی تھیں اور غائب ہو جاتی تھیں

۱۴- اگرچہ میری قلم بہت تھوڑی عبارت لکھتی ہے۔ لیکن میری فکر کثیر اشارات کے موتی اکٹھی کرنے والی ہے۔ یعنی اس میں اشارات کثیر ہیں +

۱۵- میرے ابہام پر توضیح بھی تصدق ہوتی ہے۔ میرے اجمال سے تفصیل ٹپکتی ہے +
(ابہام - پوشیدہ ہونا ضد توضیح کی) +

۱۶- اگر میری حالت اچھی ہوتی تو میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ اور اگر میری خاطر جمعی ہوتی تو میں طلب کرنے میں تعجیل نہ کرتا +

۱۷- شعر کے معنی صاف ہیں +

چکنی ڈلی کی تعریف میں

زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیئے	۱	ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے	۲	خامۂ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے
حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیئے	۳	مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیئے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیئے	۴	مسی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھیئے
سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیئے	۵	خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیئے
خالِ مشکیں رخِ دلکش لیلا کہیئے	۶	اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے

حجر الاسود دیوارِ حرم کیجئے فرض ، نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہئیے
وضع میں اُس کو اگر سمجھئے قافِ تریاق ۸ رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہئیے
صومعہ میں اُسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز ۹ میکدہ میں اُسے خشتِ خمِ صہبا کہئیے
کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھئے ۱۰ کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنّا کہئیے
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے ۱۱ کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہئیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھئے ۱۲ کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہئیے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئیے ۱۳

۱- آپ کے کفِ دست پر جو یہ چکنی ڈلی ہے - اسے جس قدر اچھا کہا جائے زیبا ہے ۔

۲- خامہ حیران ہے کہ اسے کیا لکھوں اور قوتِ ناطقہ فکرمند ہے کہ اسے کیا کہا جائے ۔

۳- اسے عزیزانِ گرامی کے خط کی مہر لکھئے یا معشوقانِ خود آرا کے بازو کا تعویذ کہئے ۔

۴- اسے حسینوں کی مسی آلود انگلی کی پوری بھی لکھ سکتے ہیں اور گوشۂ جگر عاشق شیدا کا داغ بھی کہہ سکتے ہیں ۔

۵- مانا- مشابہ ۔ شعر صاف ہے ۔

۶- شعر صاف ہے ۔

۷- شعر صاف ہے ۔

۸- وضع میں اس کو قاف تریاق سمجھئے اور رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کی مانند ہے ۔

۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳- اشعار قابل تشریح نہیں ۔ سویدا سے مراد سویدائے دل ہے

سہرا

یہ مرزا صاحب کا وہ مشہور سہرا ہے جس کے مقطع کے مضمون سے بادشاہ مرحوم اور اُستاد

ذوق مرحوم نے خیال فرمایا تھا کہ مرزا صاحب نے اُستاد ذوق پر چوٹ کی ہے اور جس کا جواب بایمائے بادشاہ مرحوم اُستاد ذوق نے بھی لکھا تھا (صرف ان اشعار کی تشریح کی گئی ہے جو قابلِ تشریح سمجھے گئے) +

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا ۔ ۱ ۔ باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے ۔ ۲ ۔ ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلہ ۔ ۳ ۔ مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی ۔ ۴ ۔ ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی ۔ ۵ ۔ تب بنا ہوگا اِس انداز کا گز بھر سہرا

رُخ پہ دُولھا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا ۔ ۶ ۔ ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اِک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے ۔ ۷ ۔ رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اِک چیز ۔ ۸ ۔ چاہئے پھولوں کا بھی ایک مکرر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے ۔ ۹ ۔ گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رُخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک ۔ ۱۰ ۔ کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

تارِ ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابرِ بہار ۔ ۱۱ ۔ لائے گا تابِ گرانباریٔ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں ۔ ۱۲
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھ کر سہرا

۱-۲-۳- اے گوشہ کلاہ تیرے لئے نوشاہ کے سر پر چڑھنا بھلا تو معلوم ہوتا ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ سہرا تجھ سے مرتبے میں نہ بڑھ جائے +

۴-۵-۶- نوشاہ کے رُخ پر پسینے کے قطروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سراسر موتی برسا رہا ہے۔ گویا سہرا ابرِ گہربار یعنی ابرِ نیساں کی طرح موتی برسانے والا ہے +

۷-۸-۹- غنچوں کا کھلنا گویا اُن کا خوشی سے اپنے جامے میں نہ سمانا ہے +

۱۰- زگوہر غلطاں کا: ز جھلکنے والے موتی / ز: جہ روشن نر شاہ کی دمک اور گوہر غلطاں کی چمک سے سہرا مہ و اختر کی روشنی دکھلا رہا ہے ۔

۱۱- موتی جو کہ تارِ ریشم میں پروئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں درحقیقت تارِ ریشم نہیں بلکہ رگِ ابرِ بہار ہے کیونکہ سہرے کے ریشم کے تار اتنے موتیوں کا بار برداشت نہیں کر سکتا ۔

۱۲- اس مقطع کے دوسرے مصرعہ سے سمجھا گیا تھا کہ مرزا صاحب نے استاد ذوق پر چوٹ کی ہے

قطعۂ معذرت - یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا صاحب نے بطور معذرت تحریر فرما کر بادشاہ مرحوم کے پاس بھیجا تھا تاکہ ان کی یہ بدگمانی دور ہو جائے کہ سہرے کے مقطع میں استاد ذوق پر چوٹ کی گئی ہے

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی ۱ اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری ۲ کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ۳ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں ۴ مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال ۵ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر ۶ سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا ۷ جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر ۸ دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات ۹ مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ ۱۰ سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں ۱۱ ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
۱۲ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

۱- مجھے واقعی حالات گزارش کرنا منظور ہے۔ میں اپنی طبیعت کی خوبی کا اظہار نہیں کرتا ۔

۲۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے اپنے آباد اجداد کے پیشہ سپاہ گری پر فخر فرمایا ہے ۔

۳۔ شعر صاف ہے ۔

۴۔ مجھے تو یہی شرف کافی ہے کہ میں بادشاہ کا غلام ہوں۔ اگرچہ میرے پاس جاہ و منصب و ثروت نہیں ۔ (یہ شعر اظہارِ حقیقت بھی کرتا ہے اور اظہارِ شکوہ بھی) ۔

۵۔ شعر صاف ہے ۔ ۶۔ شعر صاف ہے ۔

۷۔ مرزا صاحب پہلے صرف فارسی شاعر تھے ۔ فرماتے ہیں میرا اُردو شاعری سے کیا واسطہ تھا۔ صرف حضور کا دل خوش کرنے کے لئے اُردو میں چند اشعار لکھ لیتا ہوں ۔

۸۔ سہرا تعمیل حکم میں لکھا گیا۔ حضور کی اطاعت میرا فرض ہے ۔

۹۔ مقطع میں مَیں نے کسی پر چوٹ نہیں کی ۔ بلکہ یہ ایک شاعرانہ انداز ہے ۔ اس سے میرا مقصد قطع محبت یا دشمنی نہیں ۔

۱۰۔ اگر میں نے کسی پر چوٹ کی ہو تو میرا رُوسیاہ ہو ۔ کچھ میں دیوانہ تو نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں سے اُلجھتا پھروں ۔

۱۱۔ میری قسمت بیشک بُری ہے لیکن طبیعت بُری نہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے کسی سے شکایت یا کینہ نہیں ۔ ۱۲۔ مقطع صاف ہے ۔

قصیدہ در مدح بہادر شاہ مرحوم بادشاہ دہلی

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش و جہاں دار ۱ ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو ۲ تو وا کرے اُس عُقدہ کو سو بھی بہ اشارت
ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر ۳ گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت
آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا ۴ ہے فخر سلیماں جو کرے تیری وزارت
ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی ۵ ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلان ۶ تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی ۷ باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت
ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل ۸ ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر ۹ قاصر ہے ستائش سے تری میری عبارت
نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں ۱۰ نظارگیٔ صنعتِ حق اہلِ بصارت

تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک
غالبؔ کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت ۱۱

۱- اے جہاں کے فتح کرنے والے۔ جہاں بخشنے والے اور جہاں پر حکومت کرنے والے غیب سے تجھے ہر لمحہ سینکڑوں کی بشارتیں ہوتی رہتی ہیں ۔

۲- جو مشکل کوشش سے بھی حل نہیں ہو سکتی تو اسے ایک اشارے سے حل کر سکتا ہے ۔

۳- یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت خضر تیرا ذکر سکندر بادشاہ سے کرنے سے پہلے آبِ حیات سے اپنے لب پاک نہ کر لیویں ۔

۴- شعر صاف ہے ۔

۵- تیری ارادت کا نقش گویا خدا کا فرمان ہے اور تیری غلامی کا داغ امارت کی سند ہے مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں تیری عقیدت ہے اُسے گویا خدا کی طرف سے بخشش کا فرمان مل گیا پہلے مصرعہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تیرا مرید بننا خدا کے حکم کے موجب ہے ۔

۶-۷- (ق) اگر تو آب سے روانی کی طاقت سلب کرنا چاہے اور آتش سے آتش کی گرمی دفع کرنا چاہے تو موجِ دریا میں قوتِ روانی نام کو بھی باقی نہ رہے اور آتش سوزاں میں حرارت کا نشان نہ رہے (صنعتِ تقسیم دکھائی گئی ہے کیونکہ مناسبات کا ذکر تعین سے کیا گیا ہے) ۔

۸-۹- (ق) اگرچہ مجھے شاعری اور جادو بیانی میں بہت مہارت ہے لیکن چونکہ میں بھی تیری مدح سرائی کرنے سے قاصر ہوں اس لئے مدح کو دعا پر ختم کرتا ہوں ۔

۱۰- آج روزِ نوروز ہے اور آج اہلِ نظر دیدارِ صنعتِ حق یعنی تیرے دیدار کے تماشائی ہیں۔
۱۱- تجھ کو مہرِ جہانتاب کا شرف مبارک ہو اور غالب کو تیرے عتبہ عالی کی زیارت۔ (نوروز کے دن آفتاب برجِ حمل میں شرف حاصل کرتا ہے)۔

گزارشِ مصنّف بحضورِ شاہ

یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا صاحب نے بادشاہ کے حضور میں اس درخواست سے گزارا تھا کہ ان کی تنخواہ جو ششماہی گزرنے پر اکٹھی چھ مہینے میں ملا کرتی تھی وہ ماہ بماہ ملے۔ چنانچہ اس درخواست کے موافق تنخواہ ماہ بماہ ملنے لگی تھی۔ (از یادگارِ غالب)۔

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ	۱	اے جہاں دارِ آفتاب آثار
تھا میں اک بینوائے گوشہ نشیں	۲	تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھکو جو آبرو بخشی	۳	ہوئی میری وہ گرمئ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرّۂ ناچیز	۴	رُوشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری	۵	ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی	۶	جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں	۷	بادشہ کا غلامِ کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مدّاح	۸	تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر	۹	نسبتیں ہو گئیں مشخّص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں	۱۰	مُدّعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں	۱۱	ذوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر	۱۲	تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش	۱۳	جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال ۱۴ کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ ۱۵ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

آگ تاپے کہاں تلک انساں ۱۶ دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی ۱۷ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

میری تنخواہ جو مقرر ہے ۱۸ اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے مُردہ کی چھ ماہی ایک ۱۹ خلق کا ہے اِسی چلن پہ مدار

مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات ۲۰ اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض ۲۱ اور رہتی ہے سُود کی تکرار

میری تنخواہ میں تہائی کا ۲۲ ہو گیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھ سا نہیں زمانہ میں ۲۳ شاعرِ نغز گوئے خوش گفتار

رزم کی داستان گر سُنیئے ۲۴ ہے زباں میری تیغِ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے ۲۵ ہے قلم میرا ابرِ گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد ۲۶ قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا ۲۷ آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ ۲۸ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دُشوار

ختم کرتا ہوں اب دُعا پہ کلام ۲۹ شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس

۳۰

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱- آسماں اورنگ۔ جس کا تخت آسماں جیسا بلند اور مرتبہ والا ہو۔

۲- صاف ہے۔ ۳- گرمیٔ بازار۔ رونقِ بازار۔ قدر و منزلت کا سبب۔

۴-۵-۶-۷-۸- مطلب صاف ہے۔ ۹- نسبت۔ تعلق۔ ۱۰- مطلب صاف ہے۔

۱۱- بادِ زمہریر - ٹھنڈی ہوا + ۱۲-۱۳-۱۴-۱۵- مطلب صاف ہے +
۱۶- وَقِنَا رَبّنَا عذاب النّار - ہمارے خدا ہم کو آگ کی تکلیف سے بچا +
۱۷- ہنجار - طریقہ + ۱۸- مطلب صاف ہے + ۱۹- ہوں بقیدِ حیات - اگرچہ زندہ ہوں + ۲۰- ۲۱- مطلب صاف ہے + ۲۲- نغز گو - خوش گفتار +
۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ + مطلب صاف ہے + ۲۸- سرکار - مطلب
۲۹- مطلب صاف ہے +

مدح

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے ۱ تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے ۲ رونقِ بزمِ مہ و مہر تری ذات سے ہے
اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں ۳ غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سرِ دست ۴ نسبت اِک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے
ہاتھ میں تیرے رہے توسنِ دولت کی عناں ۵ یہ دُعا شام و سحر قاضیٔ حاجات سے ہے
تُو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا ۶ گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

اُس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار
غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

۱- اے نصرت الملک مجھے بتلا کہ مجھے جو تجھ سے اتنی عقیدت ہے کس وجہ سے ہے ظاہرا طور پر مجھے کوئی سبب نظر نہیں آتا - لازماً یہ تیری اعلیٰ روحانیت کی کشش ہے کہ مجھے تیری طرف کھینچتی ہے +
۲- اگرچہ تُو ایسا ہے کہ اگر بزم منعقد کرے - تو بزم مہ و مہر کی رونق بھی تیری رونقِ بزم پر رشک کرے +

۳۔ اور میں ایسا بدنصیب ہوں کہ غیر تو غیر اگر میں خود بھی اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو مجھے خود اپنی ذات سے نفرت ہے

۴۔ میری خستہ دلی کا بھلا ہو جس کے سبب سے اس وقت میرے دل کو تیرے ہاتھ سے اک قسم کا تعلق ہے۔ مطلب یہ کہ میں خستہ دل ہوں اور تیرا ہاتھ خستہ لوگوں کی مدد کرنیوالا ہے

۵۔ شعر صاف ہے +

۶۔ اگرچہ مجھے حضرت خضر کی ملاقات سے بھی شرف حاصل ہوتا ہے لیکن تو میرا سکندر اور مجھے تیری ملاقات سے بہت فخر حاصل ہے +

۷۔ غالب خاک نشیں رند لوگوں میں سے ہے۔ ہرگز اُس پر مکاری اور دغابازی کا گمان نہ کرنا یعنی رند لوگ مکار نہیں ہوتے +

قطعہ

ہے چار شنبہ آخرِ ماہ صفر چلو	۱	رکھدیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پئے اور ہو کے مست	۲	سبزہ کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند
غالبؔ یہ کیا بیاں ہے بجز مدحِ بادشہ	۳	بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں	۴	ہے جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ ماند

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے
۵
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

۱۔ آج آخر ماہ صفر کا بدھ ہے۔ ہم بھی چمن سے مئے مشکبو کی ناند بھر کر رکھدیں +

۲۔ شعر صاف ہے +

۳۔ غالب یہ کیا بیان کر رہے ہو۔ بجز مدحِ بادشاہ اب مجھے اور کوئی نوشت و خواند نہیں بھاتی +

۴۔ بادشاہ کے دربار میں سونے چاندی کے چھلے تقسیم ہو رہے ہیں جن کے آگے مہر و ماہ کا زر و سیم بھی ماند ہے ۔

۵۔ یوں سمجھئے درمیانی حلقے کے بغیر لاکھوں آفتاب اور بیشمار چاند ہیں ۔

قطعہ

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیر کی وفاداری ۱ کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
۲ قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

۱۔ وہ دن گئے جب تم لاعلمی کی وجہ سے غیروں کی وفاداری کا ذکر کیا کرتے تھے اور ہم خاموش بیٹھے ہوئے سنتے رہتے تھے ۔

۲۔ اب غیروں سے آپ کی بگڑ گئی ہے تو شرمندہ کیوں ہوتے ہو۔ ہم سے مل جاؤ۔ ہم سے قسم لے لو ہم یہ بھی نہ کہیں گے کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ غیر تم سے وفا نہ کریں گے ۔

قطعہ

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے ۱ مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
۲ جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

اس کی حقیقت نہ پوچھ ۔ حضور والا نے یعنی بادشاہ نے جو بیسن کی روغنی روٹی مجھے بھیجی ہے یہ بڑی نعمت ہے ۔ اگر حضرت آدم یہ بیسنی روٹی کھاتے تو وہ گیہوں کیوں کھاتے اور کیوں خلد سے نکالے جاتے ۔ مطلب یہ کہ نہ وہ گیہوں کھاتے اور نہ خلد سے نکالے جانے کی ذلت اٹھاتے ۔

قطعہ

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو ۱ اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو ۲ روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

اس قطعہ میں بھی بے انتہا شوخی برتی گئی ہے ۔ فرماتے ہیں جس شخص کے پاس روزہ افطار کرنے کے لئے غذا میسّر آسکے اُس شخص کو ضرور روزہ رکھنا چاہیئے ۔ لیکن جس کے پاس روزہ کھولنے کے لئے کھانے کو کچھ میسّر نہ آسکے وہ بیچارا اگر روزہ نہ کھائے (روزہ نہ رکھے) تو کیا کرے +

قطعہ

سیہ گلیم ہُوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہُوا نہ غلبہ میسّر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریکِ غالب ہے

شریکِ غالب اُس شخص کو کہتے ہیں جس کا حصّہ دوسرے شریکوں سے غالب ہو۔ شریکِ غالب کے لفظ میں جو لطف ہے وہ ظاہر ہے (از یادگار غالب) +

قطعہ

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر بن ہوئے
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تدبیریں یہ سب کے دن ہوئے

ایک شعر میں مسہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل جن میں حکیم چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عمدگی سے بیان کی ہے ۔ یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے ۔ (از یادگارِ غالب) +

خستہ انجمن طوئے میرزا جعفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہُوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادۂ سالِ عیسوی محظوظ ۱۸۵۴ء

اسے غالب میرزا جعفر کی شادی کی خستہ انجمن جس کے دیکھنے سے سب کا جی محظوظ ہُوا ہے فرخندہ سال میں ہوئی ہے اس لئے مادہ سن عیسوی محظوظ ۱۸۵۴ ہُوا +

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہُوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا "انشراحِ جشنِ جمشید" ۱۲۷۰ھ

(قابلِ تشریح نہیں)

قطعہ

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں　　دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام　　اس سے ہے یہ مُراد کہ ہم آشنا نہیں

بادشاہ کے دربار کا یہ ادب تھا کہ آپس میں جو وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اُردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لئے میرزا نے اس کو اس پیرایہ میں بیان کیا ہے (از یادگارِ غالب)

قطعہ

بسکہ فعّال مایرید ہے آج　　۱　ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے　　۲　زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے　　۳　گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دلّی کا ذرہ ذرہ خاک　　۴　تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک　　۵　آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا　　۶　وہی رونا تن و دل وجاں کا
گاہ جل کر کیا کئے شکوہ　　۷　سوزشِ داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کئے باہم　　۸　ماجرہ دیدہ ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب
۹　کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

(نوٹ) مندرجہ بالا قطعہ حالات غدر کے متعلق لکھا گیا ہے

۱- آج انگلستان کا ہر ایک ہتھیار بند (سپاہی) جو چاہتا ہے کرتا ہے "فعال مایرید"

خدا کی تعریف ہیں ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فعال کے معنی تبر کا دستہ بھی ہے جو سلحشور کے لئے دلچسپ رعایت ہے ٭

۲۔ زہرہ آب ہونا۔ پتہ پانی ہونا۔ نہایت خوفزدہ ہونا ٭

۳ تا ۹۔ قابل تشریح نہیں ٭

قصیدہ در بارہ تہنیت سالگرہ راجہ راؤ بہادر

گنی ہیں سال کے رشتہ میں بیس بار گرہ ۱ ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ

گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروز شمار ۲ ہوا کرے گی ہر اک سال پیش کار گرہ

یقین جان برس گانٹھ کا جو ہے تاگا ۳ یہ کہکشاں ہے کہ ہیں اس میں بیشمار گرہ

گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے ۴ کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ

دکھا کے رشتہ کسی جوتشی سے پوچھا تھا ق کہ دیکھ کتنی اٹھا لائے گا یہ تار گرہ

کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنی ہیں نو گرہیں ۶ جو یہاں گنیں گے تو پاوینگے نو ہزار گرہ

خود آسماں ہے بہاراؤ راجہ پر صدقے ۷ کریگا سینکڑوں اس تار پر نثار گرہ

وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے ۸ رواں ہو تار پہ فی الفور دانہ دار گرہ

انہی کی سالگرہ کے لئے ہے سال بسال ۹ کہ لائے غیب سے غنچوں کی نو بہار گرہ

انہی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے ۱۰ ہوا میں بوند کو ابر تگرگ بار گرہ

انہی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے ۱۱ کہ ہو گئے ہیں گہر پائے شاہوار گرہ

انہی کی سالگرہ کے لئے ہے یہ توقیر ۱۲ کہ بن گئے ہیں ثمرہائے شاخسار گرہ

سن اے ندیم برس گانٹھ کے یہ تاگے نے ق تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ

پئے دعائے بقائے جناب فیض مآب ۱۴ لگے گی اس میں ثوابت کی استوار گرہ

ہزار دانہ کی تسبیح چاہتا ہے یہی ۱۵ بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرہ

عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذبہ اُس کو ۱۶ کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہار گرہ
کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں جب اس زمانہ میں ۱۷ بچے نہ از پئے بندِ نقابِ یار گرہ
متاعِ عیش کا ہے قافلہ چلا آتا ۱۸ کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شتر قطار گرہ
خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستگاہ سخن ۱۹ کروڑ ڈھونڈھ کے لاتا یہ خاکسار گرہ
کہاں مجالِ سخن سانس لے نہیں سکتا ۲۰ پڑی ہے دل میں مرے غم کی پیچدار گرہ
گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھ بات ۲۱ زباں تک آکے ہوئی اور استوار گرہ
کھلے یہ گانٹھ تو البتہ دم نکل جائے ۲۲ بُری طرح سے ہوئی ہے گلے کا ہار گرہ
اِدھر نہ ہوگی توجّہ حضور کی جب تک ۲۳ کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہار گرہ
دُعا ہے یہ کہ مخالف کے دل میں از رہ بغض ق پڑی ہے یہ جو بہت سخت ناگوار گرہ
دل اُس کو پھوڑ کے نکلے بشکل پھوڑے کے
۲۵ خدا کرے کہ کرے اس طرح اُبھار گرہ

۱۔ ابھی بیسویں سالگرہ ہے اور ابھی سو ہزار گرہیں اور باقی ہیں یعنی ایک لاکھ سال کی عمر ہوگئی ÷
۲۔ تا بروز شمار۔ قیامت کے دن تک ÷ ۳۔ کہکشاں میں بیشمار ستارے ہوتے ہیں ÷
۴۔ ۵۔ مطلب صاف ہے ÷ ۶۔ آسمان پر صرف نو گرہیں ہیں اور سالگرہ کے تاگے میں نو ہزار
۷۔ ۸۔ مطلب صاف ہے ÷ ۹۔ غنچے ہر سال اُسی کی سالگرہ کے لئے گرہیں بنتے ہیں ÷
۱۰۔ ابر اولے اہی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے ÷ ۱۱۔ موتی بھی اہی کی سالگرہ کی شادمانی سے گرہ کی شکل اختیار کرتے ہیں ÷ ۱۲۔ ۱۳۔ مطلب صاف ہے ÷ ۱۴۔ ثوابت جمع ثابت مراد ستارے ÷ ۱۵۔ سالگرہ کے تاگے میں ثوابت کی گرہیں اسوجہ سے لگیں گی کہ تا گہ ہزار دانہ کی تسبیح پڑھکر جناب فیض مآب کی بقا کے لئے دُعا مانگے ÷ ۱۶۔ تاگا دُنیا میں کوئی گرہ باقی ہی نہیں چھوڑتا۔ مطلب یہ کہ اس میں لاکھوں گرہیں لگیں گی اور ممدوح کی عمر لاکھوں سال کی ہوگی ÷
۱۷۔ رشتہ سالگرہ نے بندِ نقابِ یار کے لئے بھی گرہ نہیں چھوڑی ÷ ۱۸۔ تاگے کو جادہ سے

اور گدھوں کو اونٹوں کی قطار سے تشبیہ دے کر متاعِ عیش کا قافلہ ثابت کیا ہے ۔ ۱۹۔ خدا نے غالب کو سخن سرائی میں اتنی دستگاہ عطا کی ہے کہ وہ ہزاروں قسم کی گرہیں اور تلاش کر سکتا ہے ۔ ۲۰۔ غم کی گرہ محاورہ ہے۔ مطلب یہ کہ غالب افراطِ غم کی وجہ سے سانس تک نہیں لے سکتا ۔ ۲۱۔ گرہ کا نام لیتے ہی زبان پر بھی گرہ پڑ گئی اور بات نہیں کر سکتا ۔ ۲۲۔ گرہ کی وجہ سے دم بھی باہر نہیں نکل سکتا ۔ ۲۳۔ جب تک حضور میری مدد نہ کریں گے میری مشکل کسی سے حل نہیں ہو سکتی ۔ ۲۴۔ ۲۵۔ مخالف کے دل میں جو بغض کی وجہ سے بہت سخت گرہ پڑ گئی ہے خدا کرے وہ گرہ اس طرح اُبھرے کہ مخالف کے دل میں پھوڑا بن جائے ۔

قصیدہ

مرحبا سالِ فرخی آئیں	۱	عید شوال ماہ فروریں
شب و روز افتخارِ لیل و نہار	۲	مہ و سال اشرفِ شہور و سنین
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز	۳	لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کے	۴	مجلسیں جا بجا ہوئیں رنگیں
شہر گویا نمونۂ گلزار	۵	باغ گویا نگار خانۂ چیں
تین تہوار اور ایسے خوب	۶	جمع ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کبھی
پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں	۷	منعقد محفلِ نشاط قریں
محفلِ غسلِ صحت نواب	۸	رونق افزائے مسندِ تمکیں
بزمگہ میں امیر شاہ نشاں	۹	رزمگہ میں حریف شیر کمیں
پیشکارِ حضورِ شوکت و شاہ	۱۰	خیر خواہِ جنابِ دولت و دیں
جن کی مسند کا آسماں گوشہ	۱۱	جن کے خاتم کا آفتاب نگیں
جن کی دیوار قصر کے نیچے	۱۲	آسماں ہے گدائے سایہ نشیں

مدح گستر نہیں، دُعاگو ہے ۳۴ غالبِ عاجز نیاز گزیں
ہے دُعا بھی یہی کہ دُنیا میں ۳۵ تم رہو زندہ جاوداں، آمیں

۱ - ۲ - کیا مُبارک سال ہے کہ عید شوال بھی ماہ فروردیں میں آئی ہے - آجکل شب و روز لیل ونہار کے افتخار ہیں اور مہ وسال مہینوں اور سالوں کے فخر + ۳ - مطلب صاف ہے + ۴ - رنگیں صفت ہے مجلسوں کی + ۵ - مطلب صاف ہے + ۶ - تین تہوار (عید - نوروز - ہولی) + ۷ تا ۱۱ - مطلب صاف ہے + ۱۲ - آسمان جن کی دیوار قصر کے نیچے گدائے سایہ نشیں کی مانند ہے + ۱۳ - مطلب صاف ہے + ۱۴ - اس بزم کا فرش ستاروں والے آسمان کی طرح گوہر آگیں ہے اور شراب کا نور چاند کی چاندنی جیسا ہے + ۱۵ - ۱۶ - وہ یعنی آسمانی راجہ اندر کا اکھاڑہ نظرگاہ اہل وہم و خیال ہے - اور یہ محفل تو اب چشم اہل یقیں کو روشنی بخشنے والی ہے + ۱۷ - آسمان بریہ عطا و بخشش کہاں جہاں دادگر ہی نہیں - یعنی آسمان تو بیدادگر ہے + ۱۸ - ثمین - قیمتی ۱۹ - مطلب صاف ہے + ۲۰ - اُس اکھاڑے میں یعنی اندر کے اکھاڑے کی باتیں خیالی ہیں اور یہاں دیکھنے والی آنکھ سے دیکھ لیں + ۲۱ - سُورج جیسی شوکت والا سردار جب تجمل و نشان کے ساتھ سوار ہو + ۲۲ - سب نے سمجھا کہ گھوڑا تو پری اور دامن زیں پری کا پر ہے + ۲۳ - ۲۴ - مطلب صاف ہے + ۲۵ - فرزیں - وزیر + ۲۶ - پرویں - ثریا یا جھمکہ + ۲۷ - ۲۸ - بہرام شاہ بادشاہ گورخر کو ران پر داغ دیکر چھوڑ دیتا تھا اور آپ کی غلامی کا داغ خاص بہرام کے چوتڑ پر لگا ہوا ہے ۲۹ تا ۳۳ - میں آپ کی مدح نہیں کرسکتا ہیں اپنے قلم سے اگر کچھ عرض کردیتا ہوں تو وہ گویا قلم سے ارادت کے اظہار کا سجدہ ہے + ۳۴ - ۳۵ - مطلب صاف ہے +

قصیدہ

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام ۱ فرمانروائے کشورِ پنجاب کو سلام

جم رتبہ منگلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم ۲ ترکِ فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہو نہیں آہنگِ میکشی ۳ واں آسمان شیشہ بنے آفتاب جام

چاہا تھا میں نے تم کو مہِ چاردہ کہوں ۴ دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ رات کا ۵ حضرت کا عزّ و جاہ رہے گا علی الدوام

سچ ہے کہ تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے ۶ دریائے نور ہے فلکِ آبگینہ فام

میری سنو! کہ آج تم اس سرزمین پر ۷ حق کے تفضلات سے ہو مرجعِ انام

اخبارِ لدھیانہ میں میری نظر پڑی ۸ تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر ۹ کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ کا نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا ۱۰ جب یاد آ گئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم ۱۱ نمبر رہا نہ نذر نہ خلعت کا انتظام

ستّر برس کی عمر میں یہ داغِ جاں گداز ۱۲ جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرہویں ۱۳ استادہ ہو گئے لبِ دریا پہ جب خیام

اس بزمِ پُر فروغ میں اس تیرہ بخت کو ۱۴ نمبر ملّا نشید میں ازروئے اہتمام

سمجھا اسے گر آب ہوا پاش پاش دل ۱۵ دربار میں جو مجھ پہ چلی چشمکِ عوام

عزّت پہ اہلِ نام کی ہستی کی تھی بنا ۱۶ عزّت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر ۱۷ اس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقتِ ریل کے کھلنے کا بھی قریب ۱۸ تھا بارگاہِ خاص میں خلقت کا اژدہام

اس کشمکش میں آپ کا مدّاح دردمند ۱۹ آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

جو واں نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو ۲۰ دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام

ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں ۲۱ سلطانِ بر و بحر کے در کا ہوں میں غلام

وکٹوریہ کا دہر میں جو مدح خواں ہو ۲۲ شاہانِ عصر چاہئے لیں عزّت اس سے وام

بے وجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام ۲۳ خود ہے تدارک اُس کا گورنمنٹ کو ضرور

بارے قدیم قاعدہ کا چاہیئے قیام ۲۴ امرِ جدید کا نہیں ہے سوال۔

چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام ۲۵ ہے بندہ کو اعادۂ عزت کی آرزو

یعنی دُعا کا مدح پہ کرتے ہیں اختتام ۲۶ دستورِ فنِ شعر نہیں ہے قدیم سے

ہے یہ دُعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے
۲۷ اقلیم ہند و سندھ سے تا ملکِ روم و شام

۹۔ آسمان کو شیشے سے اور آفتاب کو جام سے تشبیہ دی ہے ؛ ۱۰۔ مطلب یہ کہ نہ میرے لئے خلعت و نذرانہ کا انتظام تھا۔ اور نہ میرا نمبر نشست ہی موزوں تھا۔ یعنی مجھے نشیب میں جگہ دی گئی ۔ ۲۰۔ فائز پہنچنے والا ۔ فائز المرام۔ مقصد کو پہنچنے والا۔ مقصد حاصل کرنیوالا ۲۵۔ اعادہ عزت۔ عزت کی واپسی۔ یعنی میری جو بے عزتی کی گئی ہے اس کی تلافی فرمائی جائے ۔ باقی اشعار کا مطلب صاف ہے ۔

غزل

لطفِ نظارۂ قاتل دمِ بسمل آئے ۱ جان جائے تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری ۲ دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ ۳ ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اُٹھتے ہیں ۴ لو وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے

دیدۂ خونبار ہے مدت سے ولے آج ندیم ۵ دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے

سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں ۶ عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
۷ آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے

۱۔ خواہ جان جاتی رہے بلا سے جاتی رہے۔ لیکن میرا دل واپس آجائے تاکہ زخمی ہونے کے وقت قاتل کے دیدار کا لطف تو حاصل ہو۔ مطلب یہ کہ اگر معشوق سے دل واپس نہ آیا تو دل کے بغیر لطف نظارہ حاصل نہیں کر سکتا۔ 'بلا' کے لفظ نے شعر میں اور لطف پیدا کر دیا ہے کیونکہ دل کو زلف میں گرفتار مانتے ہیں اور بلا سے زلف مراد لیتے ہیں۔ ۲۔ میرے دوست جو میرے ساتھ ساحل تک آئے ان کو کیا علم کہ میری کشتی پہ کیا گزری۔ ۳۔ اے شیخ ہم ایسے نہیں کہ کعبہ کو چلے جائیں اگرچہ حاجیوں کو رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ کئی منزل تک گئے۔ مطلب یہ کہ ہمارے لئے تو ہر ایک مقام کعبہ ہے۔ ۴۔ جس بزم میں وہ آتے ہیں لوگ پکار اٹھتے ہیں کہ لو وہ ہنگامۂ محفل کو برہم کرنے والے آگئے۔ یعنی ان کے آتے ہی اہل محفل کے ہوش و حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور سب اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ ۵۔ اے دوست اگرچہ میری آنکھیں مدت سے آنسو برسا رہی ہیں لیکن آج میرے دل کے ٹکڑے بھی آنسوؤں میں شامل ہو کر آنکھوں کے راستے ٹپکے ہیں۔ ۶۔ مقابلہ حسن میں، حور و پری نے نہ تو کبھی آپ کا مقابلہ کیا۔ نہ کر سکتے ہیں۔ لیکن میرے عکس کو تو تیرے مقابلہ حسن پر ٹھہرنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ معشوق سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آئینہ ہی دیکھے تاکہ جب وہ اپنا عکس جمال دیکھنے میں مشغول ہو تو عاشق کو جمال یار سے لطف اندوز ہونے کا موقع حاصل ہو جاتا ہے۔ ۷۔ مقطع صاف ہے۔

جاتا ہوں جدھر اٹھتی ہے سب کی ادھر انگشت
یک دست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

دیکھا: میں ایسا بدنام ہو چکا ہوں کہ جدھر جاتا ہوں لوگ مجھ پر انگلی اٹھاتے ہیں۔ تمام دنیا مجھ سے پھر گئی ہے صرف انگشت میری طرف ہے (یعنی مجھ پر اٹھتی ہے)۔ یک دست اور انگشت کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو۔

کس قدر خاک ہوا ہے دل مجنوں یا رب
نقش ہر ذرہ سویدائے بیاباں نکلا

دیکھا: یا رب مجنوں کا دل کس قدر خاک ہوا ہے کہ ہر ذرہ بیاباں کا سویدائے دل ہو گیا۔

بہ ہمتن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اس کا
نگیں میں جوں شرار سنگ ناپیدا ہے نام اس کا

مسی آلود ہے مہرِ نوازش نامہ ظاہر ہے ۲ کہ داغ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا
بامیدِ نگاہ خاص ہوں محمل کش حسرت ۳ مبادا ہو عناں گیر تغافل لطف عام اُس کا

۱- اے برہمن وہ معشوق باوجود شوخ طبع ہونے کے شرم و حیا کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور در پردہ رہنے کی کوشش کرتا ہے نگیں کے پتھر میں یعنی مہر میں بھی اس کا نام شرار سنگ کی طرح چھپا ہوا رہتا ہے برہمن سے اسلئے خطاب ہے کہ وہ صورت پرست یعنی بُت پرست ہے ✣ ۲- اُس کے خط کی مہر سے جو کہ مسی آلود ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا پیغام آرزوئے بوسہ کا داغ دیتا ہے ✣ (مسی کا رنگ داغ کے رنگ کی طرح سیاہ ہوتا ہے) ✣ ۳- میں نگاہِ خاص کی امید میں حسرت کا محمل کش ہوں یعنی حسرت کا بوجھ کھینچنے کا لطف اُٹھا رہا ہوں کہ مبادا اُس کا لطف التفات عام عناں گیر تغافل ہو جائے یعنی وہ اپنے لطف عام کی وجہ سے مجھ سے تغافل نہ کرے مطلب اپنے لطف التفات عام میں مجھے بھی شریک ہے

شب کو ذوقِ گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا ۱ شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا
واں ہجوم نغمہائے سازِ عشرت تھا اسدؔ ۲ ناخن غم یاں سر تارِ نفس مضراب تھا

۱- رات کو تیرے سے گفتگو کرنے کے ذوق سے میرا دل بیتاب تھا۔ اور فسونِ خواب شوخیِ وحشت سے افسانہ بنا ہوا تھا۔ یعنی میں رات کو نہ سو سکا ✣ ۲- اے اسد واں یعنی محفل یار میں سازِ عشرت کے نغموں کا ہجوم تھا اور یہاں میرا ناخنِ غم تارِ نفس کا مضراب بنا ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ ہم مبتلائے غم تھے ✣

دود کو آج اُس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی ۱ وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا
شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا ۲ غالبؔ ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

۱- میرا وہ دل سوزاں جو کل تک شمع ماتم خانہ یعنی شمع جسم بنا ہوا تھا۔ آج دھواں اُس کے ماتم میں سیاہ پوش ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب شمع جل کر ختم ہوتی ہے تو زیادہ مقدار میں دھواں چھوڑتی ہے۔ دھوئیں کی سیاہی سے سیہ پوشی ماتم قرار دی گئی ہے ✣ ۲- گنج ہمیشہ ویرانہ میں پایا جاتا ہے شکوۂ یاراں کے گنج کیلئے ویرانۂ غبارِ دل ہی مناسب جگہ تھی۔ غبار سے مراد غبار کلفت دل ہے ✣

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے   رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

پھر وہ معشوق سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے۔ گلستاں کے شیدائوں کا رنگ اُڑ رہا ہے یعنی انہیں یہ خوف پیدا ہو رہا ہے کہ گلستاں اس معشوق پر عاشق ہو جائیگا +

معزولی تپش ہوئی افراطِ انتظار   چشم کشودہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

افراطِ انتظارِ یار سے تپشِ دل کو تھوڑی دیر کے لئے معزولی ہو گئی۔ میری چشم کشودہ بیرونِ در کا حلقۂ زنجیر بن گئی۔ چونکہ انتظارِ یار میں یار کے آنے کی امید ہوتی ہے اسلئے تپشِ دل میں معزولی ہونی ممکن ہے

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالبؔ   جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

میر کے دیوان کو گلشنِ کشمیر سے تشبیہہ دی گئی ہے +

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل   بادۂ غالبؔ عرقِ بید نہیں

(شجر بید میں پھل اور پھول نہیں ہوتا) فرماتے ہیں میکشی کو بیفائدہ نہ سمجھ۔ مے عرقِ بید نہیں عرقِ انگور ہے +

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن   قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن

موسم بہار میں نزاکت معماری چمن میں اس قدر مصروف ہے کہ خشت دیوار چمن بھی گل کے سانچے میں ڈھل گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موسم گل میں خشت ہائے دیوار چمن میں بھی پھولوں جیسی نزاکت آگئی ہے +

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں   خارِ الم سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں

میری شکل سے افسوس کی علامتیں ظاہر ہیں۔ غم والم کی سختیوں کی وجہ سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں یعنی افسوس کناں ہوں۔ دوسرے مصرعہ میں خار اور پشت کے الفاظ لطف سے خالی نہیں کیونکہ خارپشت ایک جانور ہوتا ہے جس کے تمام جسم پر کانٹے ہوتے ہیں +

ہوں گرمیٔ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج   میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں

میں اپنے تصور و تخیل کے جوشِ نشاط سے نغمہ سنج رہتا ہوں گویا میں ایک فرضی گلشن کا بلبل

ہوں۔ گرمیٔ نشاطِ تصور سے مراد جوشِ تخیل و جذبات اور عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ سے مراد شاعر ہے ؛

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو   برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہم کو ہے

بارانِ ابر سے مراد گریۂ ابر ہے۔ برق کے چمکنے سے مراد برق کا ہنسنا لیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہستی ناپائدار ہے۔ ابر محفلِ گل و سبزہ تیار کرتا ہے۔ لیکن برق اس امر کا اظہار کرتی ہے کہ محفلِ طربِ گل و سبزہ سے پہلے ہماری ہستی مٹ جائے گی ؛

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا ۱ جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ

ہر داغ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے ۲ عرض فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ آہ ۳ دردِ جدائیٔ اسداللہ خاں نہ پوچھ

۱ ہندوستان سایۂ گل عہدِ وصالِ بتاں کا پایہ تخت تھا اس کا جاہ و جلال نہ پوچھ بہت زیادہ تھا۔ ہندوستان اور بتاں میں رعایت لفظی بھی ہے۔ ہندوستان سایۂ گل کو زمانۂ وصالِ بتاں کا پایۂ تخت قرار دیا گیا ہے۔ سایۂ گل کو ہندوستان قرار دیا گیا ہے ؛ عہد سے یہاں وعدہ اور زمانہ دونو معنی مراد ہو سکتے ہیں ؛ ۲۔ سینہ کا ہر ایک تازہ داغ دلِ داغِ انتظار بن گیا ہے۔ فضائے سینۂ درد امتحاں کا اظہار نہ پوچھ۔ مطلب یہ کہ میرا سینہ امتحاں درد کا اس قدر خواہشمند ہے کہ اُس کا ہر ایک داغ دلِ داغِ انتظار بن گیا ہے ؛ ۳۔ کل وہ محرمِ راز (معشوق مجھ سے کہتا تھا کہ آہ اسداللہ خاں کی جدائی کا درد نہ پوچھ۔ بیان نہیں ہو سکتا ؛

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ اُڑ نہیں سکتا   حنائے پنجۂ صیاد مرغ رشتہ برپا ہے

صیاد کے پنجہ کی حنا کا رنگ کثرتِ خوں کے سبب اُڑ نہیں سکتا وہ (رنگ) ایسے مرغ کی مانند ہے جس کا پاؤں دھاگے سے بندھا ہوا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ صیاد پرندوں کا خون کثرت سے کرتا ہے۔ اس لئے اُس کے پنجہ پر سے خون کا رنگ جو حنا کے رنگ کی مانند ہوتا ہے اُڑ نہیں سکتا

غالبؔ زبسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک   آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی

اے غالب آنکھوں میں آنسو اس قدر خشک ہو گئے کہ آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی۔ گوہر

نایاب نے اس شعر کے مضمون کو نہایت پُر لطف بنا دیا ہے +

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر   کہ چشمِ تر میں ہر اک پارہ دل پائے در گل ہے

غبارِ کلفتِ خاطر اشکوں کے ذریعہ اس قدر بہا ہے کہ میری چشمِ تر میں ہر ایک پارہ دل گرفتار ہو گیا ہے۔ مطلب کہ آنکھوں کے راستہ غبار بہنے کی وجہ سے آنکھوں میں بھی غبار جمع ہو گیا ہے۔ اب آنسوؤں کے ساتھ جو دل کے ٹکڑے آتے وہ غبار کی وجہ سے آنکھوں میں رُک کر گرفتار ہو گئے ہیں + پادرگل - گرفتار ہونا +

کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہے   تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

اگر اندازِ تغافل ہی کمالِ حسن کا معیار ہے تو گستاخی معاف ہو تجھ سے تری تصویر بہتر ہے کیونکہ اُس میں تجھ سے زیادہ تغافل ہے +

حیراں ہوں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر   یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برابر ہے

میں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر حیراں ہوں کیونکہ اُس کے آتش رنگ ہونے سے مجھ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے یہاں تو صحبتِ خس و آتش برابر ہے یعنی میرے خس خانۂ دل میں ہر وقت آتشِ عشق لگی رہتی ہے +

رُباعیات

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال   ایامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال
آپہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم   اے عمرِ گذشتہ یک قدم استقبال

مطلب یہ ہے کہ عدم سے وجود میں آکر ہم بزمِ عیدِ اطفال میں آئے اُس کے بعد عہدِ جوانی میں ساغر کشِ عیش و مستی رہے اب ضعیفی میں پھر سوادِ اقلیمِ عدم تک آپہنچے ہیں۔ یعنی چونکہ عدم سے چل کر پھر عدم تک آپہنچے ہیں اس لئے اے عمرِ گذشتہ تیرے قریب آپہنچے ہیں اس لئے تو ایک قدم ہمارے استقبال کے لئے آگے بڑھ اور ہم سے مل جا تاکہ پھر عہدِ طفلی و عہدِ شباب آجائے +

شبِ زلف و رُخِ عرق فشاں کا غم تھا | کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک | ہر قطرۂ اشک دیدۂ پُرنم تھا

رات کو مجھے زلف و رخ عرق فشاں یار کی یاد آگئی میں اس کی تفصیل کیا بیان کروں کہ عجیب حالت تھی۔ میں صبح تلک ہزار آنکھوں سے رویا کیونکہ میرا ہر ایک آنسو زلف و رُخ یار کی سیاہی و سپیدی کی مناسبت سے ایک آنکھ بن گیا تھا۔ اور چونکہ ہزار ہا آنسو نکلے اس لئے ہزاروں آنکھوں سے رویا۔ اگر رویا کے معنی خواب لئے جائیں تو بھی لطیف معنی پیدا ہو سکتے ہیں۔

آتشبازی ہے جیسے شغلِ اطفال | ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی | لڑکوں کے لئے گیا ہے کیا کھیل نکال

جس طرح آتشبازی بچّوں کا کھیل ہے۔ اسی طرح سوزِ جگرِ عاشق بھی معشوقوں کا کھیل ہے۔ موجدِ عشق بھی کوئی آفت کا پرکالا ہی تھا کہ معشوق لڑکوں کے لئے اُس نے سوزِ جگرِ عاشق کی آتشبازی ایجاد کردی۔ اُردو شاعری چونکہ فارسی شاعری کی نقل ہے اس لئے جہاں اُردو شاعری نے فارسی شاعری سے ہزاروں خوبیاں حاصل کیں وہاں مرد کو معشوق بنانے کی بُرائی سے بھی ملوث ہوئی ہے۔

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی | بیتابیِ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلّی افسوس | تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

پہلے ہمارے پاس دل تھا گرچہ وہ جان کے لئے درد مہیا کرتا تھا۔ مثلاً بیتابی رشک اور حسرت دید کی کلفتیں اُٹھاتے تھے۔ مگر وہ مصائب غنیمت تھے۔ افسوس ہے کہ اب دل جاتا رہا تو ہم ہیں اور افسردگی اے تجلّی یار اگر تکرار ممکن نہیں تو تجدید ہی سہی یعنی اگر دل واپس نہیں آسکتا تو درد ہی مہیا کردے تاکہ لذّت درد پھر حاصل ہو جائے۔ افسردگی سے تو ہم نہایت عاجز آگئے۔

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لئے وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لئے
یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لئے

یہ حسد پیشہ اہلِ دُنیا گویا لڑنے کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ اور یہ دُنیا کا وحشت کدہ گویا لڑنے کا میدان ہے۔ یعنی یہ بدمعاش (مراد اہلِ دُنیا) پتنگ کی طرح ہر بار ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے ملتے ہیں ÷

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالبؔ مُنہ بند ہو گیا ہے گویا

ہمارا دل گویا یار سے سخت خفا ہو گیا ہے اور اس خفگی کی وجہ سے گویا گلے شکوے کرنا چاہتا ہے لیکن مجبور ہیں یار کے سامنے بول ہی نہیں سکتے۔ اے غالبؔ گویا ہمارا مُنہ بند ہو گیا ہے ÷ گلہ مند اور گویا میں تضاد ہے

دُکھ جی کو پسند ہو گیا ہے غالبؔ دل رُک کر بند ہو گیا ہے غالبؔ
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سوگند ہو گیا ہے غالبؔ

اے غالبؔ میرے جی کو دُکھ پسند آ گیا ہے اور جی یعنی دل رُک رُک کے بند ہو گیا ہے۔ واللہ کہ رات کو نیند آتی ہی نہیں۔ گویا سونا قسم ہو گیا ہے ÷ واللہ اور سوگند کے الفاظ نے عجب لُطف دکھایا ہے ÷ (نوٹ) نسخہ مطبوعہ میں دوسرا مصرع اس طرح لکھا ہوا ہے" دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالبؔ" اس طرح دو حرف وزن سے بڑھ جاتے ہیں علاوہ ازیں جب 'جی' پہلے مصرعہ میں آ چکا ہے تو 'دل' کی کیا ضرورت رہتی ہے) 'رُک کر' بند ہونے سے زیادہ فصیح ہے ÷

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل۔ سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اس اخیر کے مصرعہ میں دو معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر ان کی فرمائش پوری کروں اور آسان شعر کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اقتضا کے خلاف ہے اور آسان نہ کہوں تو یہ مشکل ہے کہ وہ بُرا مانتے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس بات میں صاف صاف بات

کہتا ہوں تو سخنوران کامل کی نافہمی و کند ذہنی ظاہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو آپ ملزم ٹھہرتا ہوں۔ پس ہر طرح مشکل ہے (از یادگار غالب)+

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جمجاہ نے دال ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال ہے بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

'دال' دوسرے اور چوتھے مصرعہ میں 'دلیل کرنے والی' معنی دیتی ہے + صنعت تجنیس کامل ملاحظہ ہو + بادشاہ مرحوم نے مرزا صاحب کو پکی ہوئی دال بھیجی تھی اس کا شکریہ ادا کیا گیا ہے +

ہیں شاہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم ہے اب کے شبِ قدر و دیوالی باہم

سافل ۔ پست + بادشاہ میں آثار جلالی و جمالی یعنی صفات ذوالجلالی باہم ہیں ۔ اب کے شب قدر اور دیوالی ایک ہی روز آپڑی ہیں اس لئے عالی مرتبہ اور پست مرتبہ باہم کیوں نہ شاد ہوں + (عالی شبِ قدر کے لئے ہے) +

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہ شیوعِ دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائشِ اعداد کرے

یہ رباعی بادشاہ کی سالگرہ کی مبارکباد میں لکھی گئی تھی ۔ ایک صفر لگانے سے سو کے ہزار بن جاتے ہیں

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سینکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

یہ رباعی بھی سالگرہ کی مبارکباد میں ہے +

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا کیونکہ مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں

ہاتھ اُٹھانا محاورہ ہے ۔ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک دستبردار ہونا ۔ دوسرا مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھانا ۔ یہاں دونو معنی دے کر ظرافت لطف پیدا کر رہا ہے +

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے — کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ — وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

(صبح و شام کرنا۔ لیت و لعل کرنا)۔ اس رباعی میں میرزا نے غایت درجہ کی شوخی کی ہے۔ جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے۔ کہتا ہے کہ ہم ہر چند دربار کے با اختیار لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ مگر وہ ہماری کارروائی میں درنگ و لیت و لعل کرتے ہیں ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں چونکہ صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے تو خدا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر کا اصل مقصود یہی ہے کہ کارروائی خلق میں جیسی لیت و لعل وہاں ہوتی ہے ایسی کہیں نہیں ہوتی کہ اکثر ساری عمر امید ہی میں گزر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ (از یادگار غالب)

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں — آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالبؔ لیکن — خسخانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

مطلب صاف ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں روزہ رکھنا میرا ایمان ہے مگر سامان عیش و آرام کہاں سے لاؤں۔ کہ روزہ رکھ سکوں۔

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے — بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار — فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے سیم کے بیجوں کا سالن بھیجا۔ اس کے شکریہ میں یہ رباعی لکھی ہے۔ بڑا فیروزہ جو بیضوی شکل کا ہوتا ہے۔ وہ سیم کے بیج سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔
(از یادگار غالب)

تمام شد